مصرف زکوۃ

فی سبیل اللہ

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار مؤرخہ ۳۰ر اکتوبر تا ۲ر نومبر ۱۹۹۲ء منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات، مباحثات اور مناقشات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) محفوظ

297.32
م 199 ج
95707

نام کتاب	:	جدید فقہی تحقیقات (جلد پنجم)
ترتیب	:	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات	:	۳۹۶
قیمت	:	
سن طباعت	:	نومبر ۲۰۰۶ء

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ

دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی)

Marfat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴- مولانا عتیق احمد بستوی

۵- مولانا عبید اللہ اسعدی

۶- مولانا محمد فہیم اختر ندوی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

فہرست مضامین

پہلا باب: تمہیدی امور

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
ابتدائیہ	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۱۱
خطبۂ استقبالیہ	جناب ابوصالح	۱۳
ہدیۂ تشکر	مولانا نذیر احمد نعمانی	۱۶
عرض داعی	مولانا مجیب اللہ ندویؒ	۲۰
خطبۂ افتتاحیہ	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۲۸

دوسرا باب: مصرف زکاۃ فی سبیل اللہ

اکیڈمی کا فیصلہ		۳۵
سوالنامہ		۳۶
تفصیلی مقالات		
مصرف زکاۃ فی سبیل اللہ- سوالات کے مختصر جوابات	مولانا عتیق احمد بستوی	۵۳
فی سبیل اللہ، زکاۃ کا ایک اہم مصرف	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰۲
فی سبیل اللہ اور اس کے مصداق کی تعیین	مفتی سید مصلح الدین احمد القاسمی	۱۲۵
مصرف زکاۃ فی سبیل اللہ پر ایک تحقیقی نظر	مفتی نسیم احمد قاسمیؒ	۱۴۳
زکوۃ کا مصرف فی سبیل اللہ	مولانا شمس پیرزادہؒ	۱۶۰
فی سبیل اللہ کی وضاحت	مولانا عبدالرحیم قاسمی	۱۸۰
مصرف فی سبیل اللہ اور اس میں توسع	مولانا رفیق المنان قاسمی	۱۹۱

Marfat.com

مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	۲۰۵
فی سبیل اللہ کی تشریح اور اس کے مفہوم کی توضیح	مولانا محمد سعید امینی	۲۳۰
مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ پر تفصیلی گفتگو	مفتی محمد زید مظاہری	۲۳۹
مصارف زکوۃ میں حصر حقیقی ہے	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۲۵۶
مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ کا مصداق	مولانا شعیب اللہ مفتاحی	۲۶۶
فی سبیل اللہ اور عمومی مصالح	مولانا محی الدین	۲۸۰
فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تعمیم	مولانا محمد راشد	۲۹۷
مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ کا شرعی دائرہ	مولانا اختر امام عادل	۳۰۶
فی سبیل اللہ کا مصداق	مولانا اعجاز احمد اعظمی	۳۲۲

مختصر تحریریں

فی سبیل اللہ	مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی	۳۴۰
فی سبیل اللہ کا مصداق	مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	۳۴۵
مصارف زکوۃ اور فی سبیل اللہ کا مصداق	مولانا عبید اللہ اسعدی	۳۴۹
فی سبیل اللہ	مولانا محمد رئیس الاحرار ندوی	۳۵۷
فی سبیل اللہ کا مصداق	مفتی شبیر احمد قاسمی	۳۶۳
فی سبیل اللہ	مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری	۳۶۹
مصارف زکوۃ فی سبیل اللہ	مولانا معاذ الاسلام	۳۷۳
مصرف فی سبیل، اللہ ایک علمی جائزہ	مولانا بدر احمد مجیبی	۳۸۱
مصارف زکوۃ فی سبیل اللہ	مولانا ارشد قاسمی	۳۸۸

☆☆☆

Marfat.com

پہلا باب

تمہیدی امور

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

اسلام میں انفاق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن مجید میں کم از کم ۱۱۴ مقامات پر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور غرباء کی مدد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ انفاق کی بعض صورتیں اختیاری ہیں، یعنی وہ واجب نہیں ہیں، اور بعض صورتیں لازمی ہیں، لازمی صورتوں میں سب سے اہم ''زکوۃ'' ہے۔ جسے صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بیس مواقع پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ کا ذکر آیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد فرمایا ہے۔

زکوۃ کی خصوصی حیثیت کے پس منظر میں اللہ تعالی کی طرف سے اس کے مصارف بھی متعین کردیئے گئے ہیں، جو مجموعی طور پر آٹھ ہیں، ان آٹھ میں سے چھ وہ ہیں جن میں فقراء کی ضرورت کو پورا کرنا اور محتاجوں کی حاجت برآری کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اور دو وہ ہیں جن کا مقصود اسلام کی حفاظت وسربلندی، اس کی دعوت واشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، ان ہی میں ایک ''فی سبیل اللہ'' بھی ہے۔

فی سبیل اللہ کے لغوی معنی ہیں: ''اللہ کے راستہ میں'' ظاہر ہے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے اس میں تمام کار خیر داخل ہیں، دوسرا اصطلاحی معنی ہے، وہ ہے ''جہاد''، قرآن وحدیث میں بیشتر مقامات پر ''فی سبیل اللہ'' اسی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مصارف زکوۃ کے ذیل میں اس لفظ کا ذکر کس معنی کے اعتبار سے ہے، لغوی یا اصطلاحی؟ اس مسئلہ پر ائمہ مجتہدین اور فقہاء متقدمین کے یہاں تفصیلی بحثیں موجود ہیں، اور عام طور پر ان حضرات نے اس کے اصطلاحی معنی کو ملحوظ رکھا ہے۔

Marfat.com

لیکن موجودہ دور کے حالات کے پس منظر میں بعض اہل علم نے اس سے لغوی معنی مراد لیا ہے، اس طرح اس کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، بعض اہل علم نے سلف صالحین کی رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مراد تو اس سے ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہی لیا ہے، لیکن خود جہاد کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس میں جہاد بالقلم، جہاد بالعلم وغیرہ کو شامل رکھا ہے۔

اکیڈمی کا پانچواں سمینار زکوۃ سے متعلق نئے مسائل پر رکھا گیا، تو اس میں اس موضوع کو بھی اس کی اہمیت کی وجہ سے شامل کیا گیا نیز اس موضوع پر مقالات کی کثرت کی وجہ سے ایک مستقل جلد خاص اسی مسئلہ پر رکھی گئی، جو پہلے بھی شائع ہو چکی ہے، اور اب زیادہ بہتر طریقہ پر اس کا تازہ ایڈیشن لایا جا رہا ہے، جس کو محبّ عزیز مولانا مفتی احمد نادر القاسمی رفیق شعبہ علمی نے ایڈٹ کیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اسے قبول عام وتام عطاء فرمائے، لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے، اور یہ بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے لئے صدقہ جاریہ بنے۔

۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

۹؍اکتوبر ۲۰۰۶ء

(خالد سیف اللہ رحمانی)

جنرل سکریٹری

Marfat.com

ابتدائیہ

زکوٰۃ شریعت اسلامی کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، اس فریضہ کی ادائیگی سے فقراء مسلمین وضعفاء مستحقین کو ان کا حق ملتا ہے، اور معاشرہ سے فقر وغربت کو دور کر کے صالح ومتوازن بنانے میں مدد ملتی ہے، اور زکوٰۃ دینے والے اللہ کے نزدیک اجر پاتے ہیں۔ مسئلہ زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت کا تقاضا تھا کہ قرآن وحدیث میں اس کی مکمل تفصیل ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ''سورہ توبہ'' کی (آیت ۶۰) ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ......الخ'' نازل کر کے مصارف زکوٰۃ کو متعین کر دیا تا کہ جو لوگ شرعاً زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان ہی کو ملے، اور کوئی ان کو حق سے محروم کر کے ان پر ظلم نہ کرے، قرآن کی اس آیت میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف ومدات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مصرف ''فی سبیل اللّٰہ'' ہے۔ یہ لفظ عام ہے جس کے معنیٰ کی تعیین میں علماء اسلام سے کئی اقوال منقول ہیں، اور چونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ایک مستحق کو محروم کرنے اور غیر مستحق کو دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی وعدم ادائیگی سے سخت اضطراب پیدا ہوتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ اس ابہام کی وضاحت اور اجمال کی پوری تفصیل کر دی جائے۔

اسی لئے ''اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)'' نے اس مسئلہ پر اور زکوٰۃ کے دیگر مسائل پر اپنا پانچواں فقہی سمینار'' جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ'' یوپی میں (۳۱ر اکتوبر تا ۳ر نومبر ۱۹۹۲ء) منعقد کیا، اس میں علماء وفقہاء نے اس موضوع پر جو مقالات پیش کئے اور بحث کی ان میں ''فی سبیل اللہ'' کے تمام گوشوں پر مکمل بحث ہے۔

Marfat.com

مقالات کے ساتھ سمینار میں اس موضوع پر جو دیگر مباحث ہوئے وہ بھی بہت قیمتی ہیں، یہ مجلہ فی سبیل اللہ کے تمام مقالات اور مباحث کا مجموعہ ہے۔ مقالات میں علماء نے اپنی اپنی جو انفرادی رائے ظاہر کی ہے وہ اکیڈمی کی رائے نہیں، بلکہ مباحث کے بعد جو نتیجہ سامنے آیا اور جو تجویز مرتب ہوئی وہ اکیڈمی کا اس بارے میں فیصلہ ہے جو اس مجموعہ کے آخر میں شامل ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اسے مقبول ونافع بنائے (آمین)۔

(مجاہد الاسلام قاسمی)
سکریٹری جنرل

☆☆☆

Marfat.com

خطبۂ استقبالیہ

جناب ابوصالح ☆

محترم علماء کرام ومعزز مہمانان گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عظیم ملی و دینی اجتماع کے موقع پر جو ایک انتہائی بلند مقصد کے لئے اس شہر میں منعقد ہو رہا ہے اور جس میں شرکت فرما کر آپ نے ہم سب کو اعزاز بخشا ہے اس کے لئے میں اعظم گڑھ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی اور شبلی نیشنل کالج کے ایک ادنی خادم کی حیثیت سے سوسائٹی اور کالج کی انتظامیہ اور اسٹاف وطلبہ کی جانب سے نیز بہ حیثیت رکن کمیٹی استقبالیہ آپ کی تشریف آوری کے لئے سراپا سپاس ہوں، بلاشبہ آپ نے اعظم گڑھ میں اپنے ورود مسعود سے ہمیں اپنی روایات کو تازہ کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ آپ واقف ہیں کہ اس سرزمین کو علامہ شبلیؒ جیسے بلند مرتبت اور معتبر سیرت نگار، برصغیر میں تاریخ اسلام کے معلم اول اور اردو زبان کے بے مثل ادیب ونقاد کے مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسی خاک سے علامہ حمید الدین فراہی جیسا یگانہ روزگار مفسر قرآن، دینی علوم کا واقف اسرار اور صحف سماوی کا دانائے راز پیدا ہوا، جس کی جامع کمالات شخصیت کو علامہ سید سلیمان ندوی نے عصر حاضر کا معجزہ کہا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ علامہ شبلیؒ مشرقی ومغربی علوم کے امتزاج اور اجتماعیت کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کا مقصد مسلمانوں میں ایسے فضلاء تیار کرنا تھا جو اپنے اسلاف کی

☆ صدر شبلی کالج، اعظم گڑھ

Marfat.com

شاندار روایات کے امین و پاسبان بھی ہوں اور عصری علوم سے بہرہ ور بھی۔ اسی کے پیش نظر انہوں نے ایک طرف جدید تعلیم کا اسکول قائم کیا جو اس وقت مشرقی ہندوستان میں اعلی جدید تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ ہے اور دوسری طرف یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک دینی مدرسہ کو اپنے فکر کا محور بنایا جہاں تمام دینی علوم کی تعلیم قرآن مجید کی روشنی میں دی جاتی ہے اور ان دونوں کے مرکز جامع کی حیثیت سے دارالمصنفین جیسے علمی و تحقیقی ادارے کی بنیاد رکھی اور ان تینوں کے مجموعہ کو انہوں نے ''جامعہ اسلامیہ'' کا نام دیا جو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار اس مفہوم میں استعمال ہوا، یہ اسی کا فیض اثر ہے کہ بعد میں کئی ادارے اس نام سے وجود میں آئے جن میں سے ایک جامعۃ الرشاد بھی ہے۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ حضرات نے بھی علمی تبادلہ خیال کے لئے اس ادارہ کو منتخب کیا جو دبستان شبلی کے ایک فرد کا قائم کردہ ہے اور اس شہر میں آپ کا قافلہ اترا جو اس صدی کے غزالی وابن تیمیہ کا شہر ہے۔ شبلی وفراہیؒ کا شہر۔

حضرات علماء کرام! آج آپ جس موقع پر یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اس لحاظ سے بیحد اہم ہے کہ اس وقت اسلام کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے وہ اپنی نوعیت، ہیئت اور دوررس اثرات کی وجہ سے گذشتہ چیلنجوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہیں۔ آج کا چیلنج فتنۂ تاتار سے زیادہ ہلاکت خیز اور حروب صلیبیہ سے زیادہ مضرت رساں ہے۔ اس وقت اسلام کو اپنے معاندین پر علمی وفکری برتری حاصل تھی جو آج نہیں ہے۔ اس وقت اسلام داخلی سطح پر مضبوط و مستحکم تھا، جب کہ آج معاملہ اس کے برعکس ہے، آج ہماری تہذیب، ہمارے علم وفکر اور عقیدہ و مذہب، سب پر ہر چہار طرف سے یلغار ہے مغرب نے و اقوام دیگر نے ہمارے سامنے اپنے بہترین دماغ، اعلی کارکردگی اور غضب کی حکمت عملی، مقابلہ میں پیش کی ہے اور نت نئے مسائل پہاڑ کی طرح ہمارے سامنے کھڑے کر دیئے ہیں، اس وقت ملت اسلامیہ کو امام ابوحنیفہؒ کی عبقریت، امام شافعیؒ کی جلالت، امام مالکؒ کی جرأت اور امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت درکار ہے۔ آج جس دور

Marfat.com

سے ہم گذر رہے ہیں اس میں امام غزالیؒ کا کلام، ابن حزم کی درا کی اور ابن تیمیہ کے علم و کردار کی صلابت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی علمی و فکری و روحانی قیادت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سب کی نگاہیں آپ کی طرف ہیں، ہمیں یقین ہے کہ چراغ مصطفوی ہمیشہ ہمیش فروزاں رہے گا، اور آپ اسے بجھنے نہیں دیں گے۔

یہ فقہی کانفرنس اور اس طرح کے ملی اجتماعات جو پیش آمدہ مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوتے رہتے ہیں، اس لحاظ سے مبارک ہیں کہ ان سے ملت کو بیدار رکھنے اور مسلمانوں کو حالات و مسائل سے واقف کراتے رہنے اور ان کی فکر کو صحیح سمت اور رخ دینے اور ان کے حوصلوں کو مہمیز کرتے رہنے کا کام آپ کے ذریعہ انجام پاتا رہتا ہے، اس سلسلہ کو جاری رکھنے اور زیادہ بامعنی و بامقصد بنانے کی سبیل ظاہر ہے ہمیشہ آپ کے سامنے رہتی ہوگی، اس فقہی کانفرنس کی مناسبت سے اور قانون کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر اسے میری جسارت بے جا پر محمول نہ کیا جائے کہ اسلامی قانون کی تدوین نو کا کام اور عصر حاضر کی زبان میں اسے پیش کرنے کا کام، اسلامی قانون کو مطابق فطرت ثابت کرنے کا کام اور جدید قوانین کے مقابلہ میں اس کے زیادہ انسانی، زیادہ منصفانہ اور زیادہ موجب خیر وسعادت ہونے کی حیثیت سے اس کے تفوق و برتری کے اثبات کا کام، مجھے معاف کیا جائے اگر میں حد سے تجاوز کر رہا ہوں کہ ابھی تک نہیں ہوا ہے، مجھے امید ہے یہ کانفرنس جن مقاصد کے پیش نظر منعقد کی گئی ہے وہ بہ طریق احسن پورے ہوں گے اور یہ صحیح معنوں میں نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

آخر میں ایک بار پھر میں آپ تمام علماء کرام اور مہمانان عظام کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے باعث خیر و برکت ہے اور ہم دست بہ دعا ہیں کہ آپ ہمیشہ قوم وملت کے لئے سرمایہ افتخار بنے رہیں (آمین)۔

☆☆☆

Marfat.com

ہدیہ تشکر

مولانا نذیر احمد نعمانی ☆

صدر محترم و معزز علماء کرام!

ابھی ابھی آپ نے مجلس استقبالیہ کے صدر محترم کا خطبۂ صدارت سماعت فرمایا ہے، اس میں اظہار تشکر کے ساتھ وہ تمام ضروری باتیں آ گئی ہیں جن کا گوش گذار کرنا مجلس استقبالیہ کا فرض بنتا ہے، مگر جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب مدظلہ العالی کا حکم ہے کہ اظہار تشکر کے لئے چند سطریں ضلع مئو کی طرف سے بھی پیش کی جائیں۔

محترم حضرات! چند سال قبل مئو ناتھ بھنجن بھی ضلع اعظم گڑھ میں شامل تھا مگر دنیاوی قانون کے رو سے علیحدہ ضلع ہو گیا ہے، بین الاقوامی قوانین کے تحت ملکی و علاقائی تقسیم ہوا کرتی ہے، مگر ہمارا دینی و روحانی رشتہ خدائی قانون کے تحت ہے جو اس قدر مضبوط و پائیدار ہے کہ دنیاوی قانون اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہمیں ایک دوسرے سے کبھی جدا کر سکتے ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس دینی رشتہ کو مضبوط بنانے میں محترم مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کی ذات گرامی کا اہم کردار رہا ہے، جس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہم شکر گذار ہیں اور دست بہ دعاء ہیں کہ اللہ تعالی ان کی رہنمائی میں ہمیں چلنے کی توفیق دے (آمین)۔ ہمارے علماء و اسلاف نے دین وملت کی ہمیشہ پاسبانی کی ہے، جب کبھی ملت اور اس کے افراد کسی آزمائش و پریشانی میں مبتلا ہوئے تو علماء نے جانی و مالی قربانی پیش کرنے

☆ امیر مجلس تعمیر ملک وملت، مئو ناتھ بھنجن

Marfat.com

سے دریغ نہیں کیا، آج ملک کو جن سنگین مسائل کا سامنا ہے ان کی اہمیت سے ہر شخص پوری طرح واقف ہے، ایسے اہم وقت میں حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب مدظلہ نے ان اہم مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے علماء کرام کو ایک جگہ مجتمع کر کے دور حاضر کے پیچیدہ مسائل پر غور کرنے اور ان کا حل ڈھونڈنے کا موقع فراہم کردیا ہے ان کا یہ عظیم کارنامہ ہے اور احسان ہے، علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ نئے عزم وارادہ کے ساتھ دین وملت کی پاسبانی کریں، اسلامک فقہ اکیڈمی علمی وفقہی محاذ پر کام کررہی ہے، دوسرے محاذوں پر بھی اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

معزز مہمانان کرام! عام طور پر مدرسہ کے ذمہ دار حضرات اہم اجتماعی، دینی وملی کاموں میں دور ونزدیک سے خودتو شریک ہوجاتے ہیں مگر اپنے ادارہ کو بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے دور رکھتے ہیں کہ فرقہ پرستی یا بنیاد پرستی کا دھبہ ان پر نہ لگ جائے ،مگر جامعۃ الرشاد مدرسی مصلحتوں اور فرقہ پرستی کے الزام سے بے پرواہو کر دینی وملی کاموں میں جانی ومالی قربانی سے دریغ نہیں کرتا جس کی وجہ سے اسے بہت سی آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، مگراس کے ذمہ دار اسے اسلامی حمیت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ ملت کے مسائل میں ہم گونگے و بہرے بن کر صرف مدرسے چلاتے رہیں۔

محترم علماء کرام ومفتیان عظام! ہم صمیم قلب سے آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے اپنے اہم مشاغل سے وقت نکال کر سفر کی زحمت برداشت کی اور سمینار میں شریک ہوئے ،تشکر کے ان دلی جذبات کے اظہار کے وقت یہ خیال بار بار آرہا ہے کہ کہیں اس سے اجنبیت کا اظہار نہ ہورہا ہو، اس لئے کہ جس خالص دینی وعلمی مقصد کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں وہ ہم سب کا مشترکہ مقصد ہے ایسی صورت میں ہم سب کو مل کر خدائے بزرگ وبرتر کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں اس کام کی توفیق عطا فرمائی کہ ہم تحریر وتقریر اور سامع کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے اس لئے کہ اس کی توفیق کے بغیر کسی کار خیر کی طرف ہم ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔

محترم حضرات! مئوناتھ بھنجن اور اس کے اطراف کے قصبے اپنے دینی وملی خدمات،

Marfat.com

دینی مدارس اور علماء وحفاظ کی کثرت کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی چند ماہ پہلے محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا انتقال ہوا ہے، جن کی عظمت وشہرت سے نہ صرف پورا ملک بلکہ سارے اسلامی ممالک کے اہل علم واقف ہیں، انہوں نے تنہا حدیث نبوی کی جو خدمت انجام دی ہے وہ پورے کے پورے ادارے بسا اوقات انجام نہیں دے پاتے اور اس سے پہلے بے شمار علماء اس سرزمین پر پیدا ہو چکے ہیں اور اس وقت بھی ہندوستان کا مشکل سے کوئی ایسا مدرسہ ہوگا جس میں اس دیار کے علماء بحیثیت مدرس یا شیخ الحدیث یا مفتی یا ناظم موجود نہ ہوں۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب مئو ہی کے رہنے والے ہیں، انہوں نے دراسات الحدیث پر جو کام کیا ہے اس پر ان کو فیصل ایوارڈ مل چکا ہے اور حدیث نبوی کو کمپیوٹرائیز کرنے کی جو سعی وہ کر رہے ہیں اس پر سارا عالم اسلام ان کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔

محترم حضرات! ضلع اعظم گڑھ کے پچھمی حصہ کے لوگ زیادہ تر زراعت سے منسلک رہے یا پھر ان کی آمدنی ملک سے باہر ملیشیا، سنگاپور اور ادھر چند سالوں سے عرب ملکوں سے ان کا معاشی رشتہ استوار ہوا ہے اور تجارت کی طرف میلان بڑھا ہے، مگر مئو اور اس کے اطراف کا ذریعہ معاش ہمیشہ سے دستکاری اور تجارت رہا ہے جو آج تک باقی ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ مجموعی حیثیت سے یہاں کے مسلمانوں کا رجحان دین کی طرف رہا ہے اور دینی وملی کاموں میں پیسہ خرچ کرنا ان کا مزاج رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے چند قصبات کوپاگنج، پورہ معروف، خیرآباد، محمدآباد، گھوسی وغیرہ میں ڈیڑھ درجن سے زیادہ چھوٹے بڑے مدارس ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں گاؤں گاؤں مکاتیب ہیں، اس طرح بچیوں کی کئی علیحدہ دینی درسگاہیں چل رہی ہیں اور کئی جدید علم کی درسگاہیں بھی ان کے زیر اہتمام چل رہی ہیں۔ گو آزادی کے بعد کمیونزم کے اثرات اور سیکولر مزاج سیاسی رجحان کی وجہ سے اس میں کچھ کمی ضرور آئی ہے، مگر اب بھی عوام وخواص کی اکثریت کا رخ دین ہی کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں صحیح رخ سے جو بھی دینی وملی کوششیں ہو رہی ہیں یا جو بھی ملی تحریک اٹھتی ہے یا جو کام پہلے سے ہو رہا ہے ان سب

Marfat.com

میں اس دیار اور خاص طور پر اہل مئو پورے جوش و خروش سے حصہ لیتے رہے اور آج بھی لے رہے ہیں۔

محترم حضرات! اس سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے ایک بار پھر صمیم قلب سے آپ حضرات کی تشریف آوری پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں باشندگان ضلع مئو کی طرف سے ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں، اور اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہوں کہ اس سمینار کو کامیاب بنائے اور اسے ملت اسلامیہ کے لئے مفید اور کارآمد بنائے (آمین)۔

☆☆☆

Marfat.com

عرضِ داعی

مولانا مجیب اللہ ندویؒ ☆

الحمدللہ الذی کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد!

صدرمحترم، علماء کرام اور حاضرینِ مجلس!

ابھی ابھی آپ حضرات نے برادرم ابوصالح صاحب سے خطبۂ صدارت اور مولانا نذیراحمد صاحب سے ضلع مئو کی طرف سے جذبات تشکر اور خیرمقدم کی تحریریں سن رہے تھے، ان دونوں حضرات نے مہمانوں کے خیرمقدم اور شکریہ کا وہ فرض بڑی حد تک انجام دے دیا جو میزبانوں کی طرف سے ضروری ہوتا ہے، مگر ادارہ کے ایک خادم کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں بھی صمیم قلب سے تشکر کے جذبات کا اظہار کروں۔

محترم حاضرین مجلس! سب سے پہلے اس خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں تشکر کا اظہار کرتا ہوں جس نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے دین اور علمِ دین کو اس دنیا میں قابل قبول بنانے کی جدوجہد میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی، اس کے بعد میں تمام شرکاء سیمینار سے اپنے دلی جذبات امتنان و سپاس کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو تفقہ فی الدین کی اس جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے تشریف لائے جس سے ہم کو نہ صرف انتہائی مسرت ہوئی، بلکہ اس سے اس دینی و علمی کام کی تقویت ملی ہے۔

محترم حضرات! سرزمین اعظم گڑھ کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی و علمی فضیلت بخشی ہے اس کا

☆ سابق ناظم اعلیٰ جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ

Marfat.com

ذکر آپ حضرات اس سے پہلے کے دونوں خطبوں میں سماعت فرما چکے ہیں، اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر چند علمی کاموں کی طرف اشارہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں، اسی سرزمین کے ایک گوشے میں بیٹھ کر علامہ شبلیؒ نے ''سیرۃ النبی'' جیسی لازوال کتاب لکھنی شروع کی جس کی تکمیل ان کے عزیز شاگرد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کی، اس موضوع پر دنیا کی کسی زبان میں شاید اتنی محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی، اسی سرزمین پر مولانا حمید الدین فراہیؒ نے قرآن پاک پر غور وفکر کے نہ جانے کتنے گوشے اہل علم کے لئے کھولے، اسی کے ایک قصبہ میں بیٹھ کر مولانا عبدالرحمنؒ نے ''تحفۃ الاحوذی'' جیسی ''ترمذی'' کی شرح لکھی، اسی سرزمین کے ایک گوشے چریا کوٹ کے رہنے والے مولانا عنایت رسولؒ نے ''بشریٰ'' جیسی کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر حرف آخر ہے، اسی سرزمین پر اقبال سہیل جیسے شاعر اور علامہ وقت پیدا ہوئے ''آسائن نظریہ اضافیت'' پر تنقید اسی سرزمین کے ایک عالم سر سلمان مرحوم نے کی، اسی سرزمین پر ''دارالمصنفین'' جیسا عالمی شہرت یافتہ ادارہ قائم ہے، آج بھی بحمد اللہ یہ ضلع علم دین کا مرکز بنا ہوا ہے۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو عجیب تاثیر بخشی ہے۔ بقول علامہ اقبال سہیل

''جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر تاباں ہوتا ہے''

اس تمہید کے بعد کچھ باتیں سمینار اور قابل احترام شرکاء سے متعلق بھی عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں!

محترم حضرات! قرآن پاک نے غور وفکر کرنے کے لئے کئی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ علم، عقل، فکر، اولوالالباب، تفقہ فی الدین، رسوخ علم، علم، عقل اور فکر کے خطاب میں اہل ایمان اور غیر اہل ایمان دونوں شامل ہیں، مگر تفقہ فی الدین، رسوخ علم اور اولوالالباب کا خطاب صرف اہل ایمان کے علماء اور خواص سے ہے، پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تفقہ فی الدین اور رسوخ علم اور اولوالالباب ہونا محض نظری چیز نہیں ہے، بلکہ اس سے عمل کے ظہور کا بھی رشتہ ہے،

Marfat.com

دوسرے الفاظ میں تفقہ فی الدین اور رسوخ علم مقرون بالعمل ہے، فقہ کی جو تعریف امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اس میں اسی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام صاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ”الفقه معرفة النفس مالها وما عليها۔“ اس میں معرفت نفس نظریہ ہے اور ”ماعلیہا“ عمل ہے۔ اسی طرح سے ”والراسخون فی العلم“ کے بارے میں چارا جلہ صحابہ حضرت انس، حضرت ابوامامہ، حضرت واثلۃ بن الاسقع اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم نبی امی محمد رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”الراسخون فی العلم“ کا مرتبہ ان لوگوں کو ملتا ہے جس کے اندر یہ صفات ہوں:

”سئل رسول الله ﷺ من الرا سخون في العلم؟ فقال: من برت يمينه صدق لسانه و استقام قلبه و من عف بطنه و فرجه فذلك من الراسخين“۔

(رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا جو اپنی قسم پوری کردیں جو زبان کے سچے ہوں اور جن کے قلب میں استقامت ہو اور اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے پاکیزہ اور عفیف ہوں)۔

تفقہ فی الدین اور رسوخ علم کی اس عظیم ذمہ داری کے لئے ہمہ وقت غور وتدبر کرنے اور اس سے بڑھ کر فکر مند رہنے کی ضرورت ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اسوہ ہمارے لئے شمع راہ ہے، وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اس کا بیشتر حصہ وہ درس وتدریس اور مطالعہ میں گزار دیتے، گرمیوں کی راتوں میں کرتا اتار دیتے اور طشت میں پانی رکھ لیتے، جب غنودگی آتی تو بدن پر چھڑک لیتے، لوگوں نے آپ سے کہا: آپ اتنا کم کیوں سوتے ہیں اور اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ ان کے جواب میں انھوں نے جو کچھ فرمایا سینۂ دل میں اتار لینے کے قابل ہے۔

”كيف أنام وقد نامت عيون المسلمين تو كلا علينا، ويقولون إذا وقع لنا أمر رفعناه إليه فيكشفه لنا، فإذا نمت فقد تضيع الدين“۔

۹۵۷۰۲

Marfat.com

میں کیسے سوسکتا ہوں جب عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کر کے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ، یا نیا معاملہ پیش آئے گا تو ان کے پاس لے جائیں گے وہ اسے واضح کر دیں گے تو اگر میں سو جاؤں تو اس سے دین ضائع ہوگا)۔

یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام دروازے ان کے لئے وا کر دیئے تھے، اجتہاد واستنباط میں ان کا طریقہ یہ تھا:

"رأیت محمدا یذهب إلی الصباغین ویسأل عن معاملا تهم وما یدیرونها فیما بینهم"۔

(میں نے امام محمدؒ کو دیکھا کہ وہ رنگ ریزوں کے پاس خود جاتے اور ان سے مل کر ان کے معاملات میں وہ جو کچھ تبدیلی پیدا کرتے رہتے تھے اس کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے)۔

محترم حضرات! اہل علم اور خاص طور پر نوجوان علماء سے یہ بات بھی عرض کرنی ضروری ہے کہ وہ درس وتدریس کی مجلس میں ہوں، یا افتاء وقضاء کے منصب پر فائز ہوں، ان کو اپنے سامنے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ حرز جان بنائے رکھنے کی ضرورت ہے **"لا أدری نصف العلم"** اس لا ادری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کرتے رہنا چاہئے جو رب ذوالجلال والاکرام نے حضور ﷺ کو سکھلائی: "وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا"۔

اہل علم بزرگو اور دوستو! ایک بات اور عرض کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے علمی وتحقیقی کاموں میں پورے انہماک کے ساتھ لگے رہنے کے ساتھ اجتماعی وملّی مسائل سے بے خبر نہ رہنا چاہئے۔ یوں تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ دشمنان اسلام کی طرف سے سازشیں ہوتی رہی ہیں، مگر خاص طور پر اس وقت جو سازشیں ہو رہی ہیں ان کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم ان سے آنکھیں بند نہ رکھیں، بلکہ پورے طور پر باخبر رہیں۔ اس وقت خاص طور پر روس کی سیاسی شکست اور ہند واسرائیل کے تعلقات کے بعد ملک کی صورت حال

Marfat.com

میں بڑا فرق ہو گیا ہے، اب دنیا کا سیاسی، فوجی اور اقتصادی توازن پورا کا پورا یہودیوں کے پلڑے میں ہے اس سے ہم کو نہ صرف باخبر رہنا چاہئے، بلکہ اس کے مقابلہ کے لئے ہمیں ایک متحد فکری وعلمی تیاری کی شدید ضرورت ہے، یہی ہمارے نبی امی محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہے اور یہی ہمارے بزرگوں کی روش رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ جو سرایا بھیجا کرتے تھے ان کا بنیادی کام حالات کی آگاہی ہی ہوتا تھا، اس ضمن میں کبھی کبھی مڈبھیڑ کی نوبت آجایا کرتی تھی۔

محترم حضرات! اب چند باتیں سیمینار سے متعلق بھی عرض کرنا چاہتا ہوں، اس سے پہلے بھی اور اس سمینار کے موقع پر بھی ہندوستان کے بعض ممتاز علماء نے راقم الحروف کو خط لکھا ہے کہ آپ لوگ اس کے ذریعہ آزادی رائے کو فروغ دے رہے ہیں۔ میں نے دو ماہ پہلے ''الرشاد'' میں ''فقہی سمینار کیوں''؟ کے عنوان کے تحت چند باتیں عرض کی تھیں، میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ لوگوں کے سامنے دہرادوں، ممکن ہے کہ اس سے ہمارے بعض بزرگوں کے دل میں جو خلجان ہے وہ رفع ہو جائے۔

ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں ادھر دس پندرہ سال سے جو فقہی سمیناروں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، اس کے پیچھے کچھ شرعی مقاصد اور دینی علمی فوائد ہیں جن کو بروئے کار لانے کے لئے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے، مگر بعض افراد ان کی افادیت کے سلسلہ میں کچھ شکوک کا اظہار کرتے ہیں، یا اس کو مفید کام نہیں سمجھتے، اس لئے اس کی وضاحت کے لئے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کے جواب کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ انفرادی طور پر کوئی مفتی اس کا جواب دے، جیسا کہ عام طور پر شخصی معاملات میں ایسا ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کی ایک پوری جماعت غور کر کے جواز، یا عدم جواز کا فتویٰ دے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ انفرادی اور شخصی معاملات میں انفرادی فتویٰ ہمیشہ دیا جاتا رہا ہے اور دیا جاتا رہے گا، مگر ایسے قدیم مسائل جن کی نئی نئی متنوع اور مختلف صورتیں پیدا

Marfat.com

ہوگئی ہوں، یا وہ جدید معاشرتی اور اقتصادی مسائل جن کی حیثیت اجتماعی ہو، اور اس کا اثر پوری ملّت پر پڑ رہا ہو، یا پڑنے کا اندیشہ ہو، یا پوری ملت اس میں مبتلا ہو تو ایسے مسائل میں سب سے بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں اہل علم اجتماعی طور پر بحث ومباحثہ اور غور وفکر کر کے اس کے جائز، یا ناجائز ہونے کا کوئی شرعی حکم لگائیں، عام طور پر عہد صحابہ میں یہی طریقہ رائج تھا، کلالہ کے مسئلہ میں، دادا کی وراثت کے مسئلہ میں اور سواد عراق کی زمینوں کے مسئلہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا اور یہی طریقہ امام ابوحنیفہؒ اپنی مجلس درس میں اختیار فرماتے تھے۔

کسی نئے مسئلہ میں انفرادی فتوے کے مقابلہ میں کوئی اجتماعی فتویٰ بہر صورت ملت کے افراد کے لئے زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے، کیونکہ انفرادی فتویٰ میں بسا اوقات دو متضاد فتاوی سامنے آجاتے ہیں اس کی مثالیں روزانہ سامنے آتی ہیں، اجتماعی فتووں میں یہ صورت نہیں پیدا ہو پاتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کی حیثیت عزیمت، یا رخصت کی ہوتی ہے، بس یہی صورت اس وقت ان سمیناروں میں اختیار کی جارہی ہے اور یہی اس کا بنیادی مقصد ہے، مثلاً سود کی حرمت ایک متفق علیہ حکم ہے، مگر ایک صدی کے اندر اس کے لینے دینے کی بے شمار نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، اسی طرح بہت سے بالکل نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، اب آپ بتائیے کہ ان کے بارے میں پہلی صورت اختیار کرنی بہتر ہے، یا دوسری، اس سلسلہ میں انفرادی فتووں کی اہمیت زیادہ ہے، یا اجتماعی رائے کی، اس بنیادی مقصد کے ساتھ کچھ اور مقاصد وفوائد بھی ہیں جو اس بنیادی مقصد کو تقویت دینے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔

۱- آج سے تیس چالیس برس پہلے دینی تعلیم میں جو اساتذہ اور طلبہ لگتے تھے وہ بالکل یکسو ہو کر پڑھاتے تھے اور طلبہ یکسو ہو کر پڑھتے تھے ان کے لئے زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تعلیم و تعلم تھا، اسی لئے ان کی علمی استعداد ٹھوس ہوتی تھی اور ان میں علم دین کا ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا مگر اب عام طور پر یہ صورت حال ہوگئی ہے کہ نہ تو طلبہ یکسو ہو کر پڑھتے ہیں اور نہ اساتذہ یکسو ہو کر پڑھاتے ہیں، بلکہ بہت سے مشاغل کے ساتھ یہ بھی ایک مشغلہ ہوتا ہے، اس لئے طلبہ میں

Marfat.com

وہ علمی شغف پیدا نہیں ہو پاتا جو مطلوب ہے، ان سمیناروں کے ذریعہ یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مسائل کے حل کے ساتھ عام علماء اور خاص طور پر باصلاحیت نوجوان علماء کے اندر علمی وتحقیقی ذوق اور اخذ مسائل کا ملکہ پیدا ہو، اور انفرادی علمی کمیاں اس اجتماعی علمی کوشش کے ذریعہ دور ہوسکیں اور بحمد اللہ اس کے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

۲- نئے معاشرتی اور اقتصادی مسائل ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، مگر اس وقت مغربی تہذیب کے اثر سے اتنے پیچیدہ اور تہ در تہ معاشرتی اور اقتصادی مسائل پیدا ہو گئے ہیں، اور ہوتے جارہے ہیں کہ ان پر کوئی شرعی حکم لگانے کے لئے محض فقہی جزئیات پر نظر رکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ مقاصد شریعت، اصول شریعت اور اصول فقہ پر بھی گہری نظر ہونی چاہئے اور ساتھ ہی ائمہ اربعہ کے مجتہدات پر بھی کسی حد تک نگاہ ہونی ضروری ہے تا کہ ان میں وسعت نظر کے ساتھ استنباط مسائل کی صلاحیت، یعنی صحیح معنوں میں تفقہ فی الدین پیدا ہو جو قرآن وسنت میں مطلوب ہے ان سمیناروں کے ذریعہ ان کے اندر مسائل پر اسی وسعت نظری کے ساتھ غور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس لئے کہ ان سمیناروں میں کسی مسئلہ پر غور کرتے وقت تمام مذکورہ بالا پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے۔

۳- ان سمیناروں کے ذریعہ جو فیصلے ہوتے ہیں ان سے شریعت اسلامی کی دوامی حیثیت کا اظہار بھی ہوتا ہے، اسی وجہ سے اب یہ آواز قدرے دب گئی ہے کہ شریعت اسلامی موجودہ دور کے پیچیدہ مسائل کا ساتھ نہیں دے سکتی، خاص طور پر پاکستان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں چند سال پہلے آزاد خیال مسلمانوں کی طرف سے یہ آواز بہت بلند آہنگی سے لگ رہی تھی، مگر بحمد اللہ اب یہ آواز بہت دھیمی پڑگئی ہے۔

۴- ان کے ذریعہ سیکولر قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قانون کی اہمیت نہ صرف عام مسلمان اہل علم کے دلوں میں بڑھی ہے، بلکہ خود ہمارے ملک اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے ماہرین قانون بھی اس کی اہمیت تسلیم کرنے لگے ہیں، مصطفی زرقاء نے ''المدخل الفقہی العام'' کے مقدمہ میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

Marfat.com

۵- ان سمیناروں کے ذریعہ عام مسلمانوں میں بھی شریعت اسلامی پر اعتماد بڑھا ہے، اب وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی مجلسوں میں شریعت اسلامی کی برتری کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

ان مقاصد وفوائد کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو شاید ان کی مقصدیت اور افادیت کے بارے میں انشاء اللہ کوئی خلجان باقی نہیں رہے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

خطبہ افتتاحیہ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ☆

الحمدلله کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان ہے کہ ''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' کا پانچواں سمینار ضلع اعظم گڑھ کے صدر مقام شہر اعظم گڑھ میں ہو رہا ہے، آٹھویں صدی عیسوی میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے جونپور آباد کیا تو دیار پورب علوم وفنون کا گلشن صدا بہار بن گیا، سلاطین شرقیہ کے دور میں یہ پورا علاقہ نہ صرف اپنا امتیاز باقی رکھا، بلکہ علم وفن، اور تزکیہ و اصلاح کے ہر میدان میں تیز رفتار ترقی کرتا رہا۔ تیموری سلاطین کے دور میں بھی دیار پورب کے ہر چپہ پر علمی اور اصلاحی مجلسیں گرم رہیں، یہاں کا ہر قصبہ وقریہ علم و حکمت کا مرکز بن گیا، دیار پورب کی علمی رونق اور علماء، فضلاء، صوفیاء کی کثرت دیکھ کر مغل بادشاہ شاہ جہاں پکار اٹھا:

''مملکت پورب شیراز ما است''

اسی شیراز ہند کا اہم ترین علاقہ خطہ اعظم گڑھ ہے، جس کے صدر مقام شہر اعظم گڑھ میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کا یہ پانچواں سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔

دیار پورب کے اس مردم خیز خطہ اعظم گڑھ میں ہر علم وفن اور زندگی کے ہر میدان کی قدآور بلند پایہ شخصیتیں پیدا ہوئیں، اس مردم خیز خطہ کے تمام اعیان و مشاہیر کے اجمالی تذکرے کے لئے بھی بہت وقت اور فرصت چاہئے، اگر ہم صرف یہاں کے بیسویں صدی کے مشاہیر پر

☆ بانی وسابق سکریٹری جنرل، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

Marfat.com

نظر ڈالتے ہیں تو علامہ فاروق چریا کوٹی ، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری محدث، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری، مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری، مولانا ابواللیث صاحب ندوی، مولانا امجد علی اعظمی، ، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، استاذ القراء مولانا ریاست علی صاحب جیسی بلند قامت شخصیتیں نظر آتی ہیں۔ خطہ اعظم گڑھ مدارس دینیہ کا بھی اہم مرکز ہے، اس کے تمام قصبوں میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم ہیں، مثلاً مدرسہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن، مدرسہ مفتاح العلوم مئو، مدرسہ فیض عام مئو، مرقاۃ العلوم مئو، مدرسہ دارالحدیث مئو، جامعہ احیاء العلوم مبارک پور، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مدرسہ الاصلاح سرائے میر، جامعۃ الرشاد، جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔

اعظم گڑھ ہی کی سرزمین پر دارالمصنفین قائم ہے جس کی تحقیقی خدمات نے نہ صرف اعظم گڑھ کی عزت وشہرت میں چار چاند لگایا ہے، بلکہ پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے۔ دارالمصنفین نے تحقیق وتنقید کا نیا متوازن اور معتبر معیار قائم کیا، مختلف اسلامی موضوعات خصوصاً سیرت وتاریخ پر بے نظیر لٹریچر تیار کیا، دارالمصنفین ہی کے پاس "شبلی کالج" ہے جو علوم عصریہ کی مثالی تعلیم کے میدان میں اپنی شاندار تاریخ رکھتا ہے اور مسلم نوجوانوں کو عصری تعلیم سے لیس کرنے میں بڑا اہم رول ادا کررہا ہے، دارالمصنفین اور شبلی کالج دونوں ادارے علامہ شبلی کے قائم کئے ہوئے ہیں اور مولانا مرحوم کی حوصلہ مندی اور دینی وملّی فکرمندی کی زندہ یادگار ہیں۔

شخصیات، اداروں اور تحریکات سے مالا مال خطہ اعظم گڑھ میں مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کے پانچویں سمینار کا انعقاد میرے لئے بے پناہ مسرت وسعادت کی بات ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار کے لئے یہ مناسب ترین جگہ تھی اللہ تعالیٰ اس سمینار کو کامیاب، نتیجہ خیز اور بارآور بنائے۔

محترم حضرات وشرکاء اجلاس!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام چند سال پہلے ہوا، ایک ننھے پودے کی طرح اس

Marfat.com

اکیڈمی کا وجود ہوا، لیکن الحمدللہ چند ہی سالوں میں اکیڈمی نے تناور درخت کی شکل اختیار کر لی، اکابر علماء، اصحابِ افتاء، اصحابِ علم وتحقیق کی طرف سے اکیڈمی کو اعتماد وتعاون ملا، ہر مسلک ومکتب فکر کے معتمد اور صاحب ذوق علماء نے اکیڈمی کی آواز پر لبیک کہا، اسے ہر طرح کا تعاون دیا، جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے نئے مسائل کی تصویر وتنقیح میں علماء اور اصحاب افتاء کی بھرپور مدد کی، اقتصادیات، بینکنگ، سیاسیات، سماجیات اور میڈیکل سائنس کے ماہرین نے اکیڈمی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا، مدارس دینیہ کے نوجوان اساتذہ اور ہونہار فضلاء نے نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ تحقیق وتصنیف کے میدان میں قدم رکھا اور اکیڈمی کے اٹھائے ہوئے سوالات پر بڑی عرق ریزی اور دیدہ وری کے ساتھ مضامین لکھے، امت کے ان مختلف طبقات اور متنوع صلاحیتوں کو مربوط کر کے ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' نے اپنا اہم اور نازک سفر شروع کیا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ موجودہ حالات کی معاشی، معاشرتی، سیاسی وصنعتی تبدیلیوں اور جدید ترقیات میں پیدا ہونے والی دشواریوں کا حل صحیح اسلامی خطوط کے مطابق قرآن وسنت، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔ الحمدللہ! اس مقصد کے سلسلہ میں اکیڈمی کی پیش رفت بہت نتیجہ خیز اور امید افزا رہی، اس سے پہلے چار سمیناروں میں فقہ اکیڈمی نے متعدد اہم اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں فیصلے کئے، الحمدللہ ہند وبیرون ہند کے دینی، علمی اور تحقیقی حلقوں نے ان فیصلوں کو غیر معمولی اہمیت دی اور ان کا علمی وزن محسوس کیا، یہ پانچواں سمینار بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ انشاء اللہ اس سمینار میں زکوٰۃ سے تعلق رکھنے والے چند اہم مسائل پر غور وخوض ہوگا، اور سمینار میں شریک ہونے والے مختلف دینی مدارس ومکاتب اور مختلف مسلک ومکتب فکر سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء، اصحابِ افتا، اور اصحاب علم وتحقیق بحث ومذاکرہ کے بعد ان مسائل کا متفقہ شرعی حل تلاش کریں گے۔

علماء امت ودانشوران ملت! اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ نئے باصلاحیت علماء کی صلاحیتوں کو علمی وتحقیقی رخ دیا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کر کے علم وتحقیق کا

Marfat.com

ماحول بنایا جائے، مدارس عربیہ کے ذہین و باصلاحیت فضلاء کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ عصر حاضر کے نت نئے معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کو براہ راست سمجھ کر کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل تلاش کریں، جن مسائل کے بارے میں کتاب وسنت اور ذخیرہ فقہ میں کوئی واضح اور متعین جواب نہ مل سکے، ان مسائل کو مقاصد شریعت، قواعد فقہ اسلامی کے ثانوی مصادر، استحسان، استصلاح، عرف وغیرہ کی روشنی میں حل کریں۔ بلاشبہ نوجوان علماء وفضلاء کی تربیت وذہن سازی کا یہ کام بڑی طویل منصوبہ بندی اور جہد مسلسل چاہتا ہے، الحمدللہ اکیڈمی نے اس سلسلہ میں کچھ اقدامات کئے ہیں، ستمبر ۱۹۹۲ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام مدارس عربیہ کے طلبہ کا اپنی نوعیت کا پہلا تربیتی کیمپ ''مدرسہ امداد العلوم قصبہ پسونڈہ ضلع غازی آباد'' میں منعقد ہوا، یہ کیمپ چار روز تک جاری رہا، مختلف عصری علوم کے ماہرین ومتخصصین نے شرکاء کیمپ کو ان علوم سے روشناس کرایا اور ان علوم کی بنیادی معلومات پیش کیں، اس کے علاوہ اصحاب تحقیق علماء نے فقہ اسلامی سے تعلق رکھنے والے اصولی موضوعات پر محاضرات پیش کئے۔ بلاشبہ مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں یہ ایک کامیاب تجربہ تھا، انشاءاللہ فقہ اکیڈمی اس تجربہ کی روشنی میں آئندہ مختلف مقامات پر اس طرح کے تربیتی کیمپوں کا انعقاد کرے گی تاکہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لئے علوم عصریہ سے استفادہ کے مواقع فراہم ہوتے رہیں۔

فقہ اکیڈمی ایک اور اہم قدم اٹھانا چاہتی ہے، اکیڈمی نے اعلان کیا ہے کہ مدارس کے ذہین اور باصلاحیت فضلاء کے لئے تربیتی وظائف (اسکالرشپ) جاری کئے جائیں، چار چار وظائف تفسیر وحدیث کے لئے ہوں گے اور سات فقہ کے لئے، ان فضلاء کے لئے دوسالہ تربیتی کورس ہوگا، اصحاب تحقیق علماء کی نگرانی میں یہ فضلاء، تفسیر حدیث، فقہ کا عمیق اور وسیع مطالعہ کریں گے، انشاءاللہ شوال ۱۴۱۳ھ سے اس پروگرام کا آغاز کردیا جائے گا، اس پروگرام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہونہار، باصلاحیت نوجوان فضلاء میں ان علوم کا تحقیقی ذوق پیدا ہو، اور وہ اس قابل ہوسکیں کہ وہ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے علوم ومعارف کو بحث وتحقیق کے بلند

Marfat.com

معیار پر عصر حاضر کے اسلوب میں پیش کریں اور ہماری علمی محفلوں میں جو سناٹا پھیلتا جا رہا ہے اس کا ازالہ کرسکیں۔

پانچویں فقہی سمینار منعقدہ اعظم گڑھ کا افتتاح کرتے ہوئے میرا دل جذباتِ تشکر سے معمور ہے، آخر میں، میں حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس سمینار کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا اور ہم سب کو اعظم گڑھ جیسے مردم خیز شہر میں عصری مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے جمع ہونے کا مواقع فراہم کیا، میری دعا ہے کہ سابقہ سمیناروں کی طرح یہ پانچواں فقہی سمینار بھی نتیجہ خیز رہے اور ہم لوگ زیر بحث مسائل میں اتفاق رائے سے ایسے فیصلے کرسکیں جن میں کتاب وسنت اور اصولِ شرع کی پابندی وپاسداری کے ساتھ موجودہ حالات اور پیچیدگیوں کا اطمینان بخش، قابل عمل حل بھی موجود ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

جدید فقہی تحقیقات

۵

دوسرا باب

مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ

Marfat.com

Marfat.com

اکیڈمی کا فیصلہ

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

۱۔ شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مصارف زکوٰۃ [سورۂ توبہ: ۶۰] نے جن آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کو محدود کر دیا ہے ان میں وہ قطعی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اور آیت مصارف زکوٰۃ [سورۂ توبہ: ۶۰] میں مذکور آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کا حصر حقیقی ہے اضافی نہیں ہے۔

۲۔ اس آیت میں مذکور "فی سبیل اللہ" کا مصداق عام شرکائے سمینار کے نزدیک غزوہ اور جہاد عسکری ہے، بعض شرکاء سمینار کا نظریہ یہ ہے کہ "فی سبیل اللہ" میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعتاً دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جا رہی ہوں، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس پیرزادہ صاحب

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب

شیخ محمد محروس المدرس عراقی کی رائے یہ ہے کہ "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں عموم ہے۔

۳۔ عام شرکاء سمینار کا خیال یہ ہے کہ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کا دائرہ وسیع کر کے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کر لیا جائے، کیونکہ قرون اولیٰ میں اس تعمیم و توسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نیز ایسا کرنے سے مسلمانوں کے محتاج، نادار اور افلاس زدہ طبقہ کی مالِ زکوٰۃ کے ذریعہ کفالت جو زکوٰۃ کا اہم ترین مقصد ہے، فوت ہو جائے گا۔ اس نقطۂ نظر سے ان حضرات کا اختلاف ہے جنہیں دفعہ ۲ سے اختلاف ہے۔

Marfat.com

سوالنامہ:

مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ☆

مصارف زکوٰۃ کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ایک فرض کی ادائیگی سے ہے، اگر زکوٰۃ ایسے لوگوں پر اور ایسے مصارف میں صرف کردی جائے جو الٰہی شریعت کے اعتبار سے ''مصرف'' نہ ہوں تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر مصارف کا صحیح تعین نہ ہو اور وہ لوگ جو شرعاً مستحق ہیں ان کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کردیا جائے تو یہ مستحقین کو ان کے حق سے محروم کردینا ہوگا، جسے ظلم کہا جائے گا، یہ بڑا فساد ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات کو خود قرآن کریم میں واضح فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ'' (سورہ توبہ/۶۰)۔

☆ سابق قاضی شریعت ونائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ
☆ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
☆ بانی وسابق سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

Marfat.com

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سیدنا امام شافعیؒ نے لکھا ہے:

”فأحکم الله عزوجل فرض الزکٰوة فی کتابه ثم أکّدها فقال: فریضة من الله، ولیس لأحد أن یقسمها علی غیر ما قسمه الله عزوجل ذٰلک ما کانت الأصناف موجودة“ (کتاب الام ۲/۶۰)۔

تقی الدین بن ابوبکر بن محمد حسینی شافعی نے لکھا ہے:

”فإن دفع زکوته لغیر مستحقها لفقد الشروط المعتبرة لم تبرأ ذمته منها“ (کفایۃ الاختیار فی حل غایۃ الاختصار ۱/۳۷۶)۔

ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

”ولا یجوز صرف الزکٰوة إلی غیر من ذکر الله تعالی“ (المغنی ۲/۶۶۷)۔

صاحب ”نیل المآرب“ نے لکھا ہے:

”أهل الزکوٰة ثمانیة أصناف لا یجوز صرفها إلی غیر هم عن بناء المساجد والقناطر ومد الثغور وتکفین الموتی ووقف المصاحف و غیر ذلک من جهات الخیر“ (نیل المآرب ۱/۲۶۳)۔

مرداوی کہتے ہیں:

”لایجوز لغیر الأصناف الثمانیة الأخذ من الزکوٰة مطلقاً علیٰ الصحیح من المذهب، وعلیه جماهیر الأصحاب“ (الانصاف ۳/۱۴۵)۔

صاحب ”محلّی“ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت صحیحہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا:

”ضعوها مواضعها“ (المحلی ۳/۱۴۵)۔

اور سعید بن جبیر نے فرمایا:

”ضعها حیث أمرک الله“ (المحلی ۳/۱۴۵)۔

قرآن میں مذکورہ مصارف میں ایک مصرف ”فی سبیل اللہ“ ہے، فی سبیل اللہ کے ہر

Marfat.com

مصرف کے تعین میں علماء کی آراء میں اختلاف پیدا ہوا ہے، اس وجہ سے ایسے مسئلے میں سخت اضطراب پیدا ہو رہا ہے جہاں مستحق کو محروم کرنے اور غیر مستحق پر زکوۃ صرف کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ آج علماء ان مختلف اقوال اور ان کے دلائل کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے لئے راہ عمل طے کریں تا کہ فی سبیل اللہ کے ابہام کی وضاحت اور اس کے اجمال کی تفصیل پوری طرح متعین ہو جائے۔

فی سبیل اللہ کی وضاحت میں مختلف علماء کے اقوال:

اگر ہم فقہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے اقوال کو سمیٹیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں بعض علماء نے غیر معمولی توسع اختیار کیا ہے، ہر عمل خیر پر مال زکوۃ صرف کرنا جائز قرار دیا ہے، بعضوں نے مسلمانوں کے مصالح عامہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کو خاص کیا ہے، بعضوں نے اسے صرف جہاد فی سبیل اللہ تک محدود رکھا ہے۔

اب ہم ذیل میں ان تمام اقوال کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

۱- پہلا قول:

''فی سبیل اللہ'' کا لفظ تمام ہی قسم کے اعمال خیر اور قربت و طاعت پر حاوی ہے، یہ رائے امام رازی نے امام قفال سے نقل کرتے ہوئے بعض فقہاء کی طرف منسوب کی ہے، لیکن ان فقہاء کے نام نہیں بتائے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''واعلم أن ظاهر اللفظ في قوله تعالى:''و في سبيل الله'' لا يوجب القصر على كل الغزاة، فلهذاالمعنى نقل القفال في تفسيره عن بعض الفقهاء أنهم أجازوا صرف الصدقات إلى جميع وجوه الخيرمن تكفين الموتى وبناء الحصون و عمارة المساجد، لأن قوله في سبيل الله عام في الكل''(تفسیر کبیر ۱۱۳/۱۶)۔

Marfat.com

نواب صدیق حسن خاں نے ''الروضۃ الندیہ'' میں لکھا ہے کہ آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکور لفظ ''فی سبیل اللہ'' کے معنی اللہ کا راستہ ہے اور جہاد اگر چہ اللہ تک پہنچانے والے راستوں میں اہم ترین راستہ ہے، لیکن باب زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے حصے کو مجاہدین کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کا صرف کرنا ہر اس عمل پر جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو جائز ہوگا، آیت کا لغوی معنیٰ یہی ہے اور لغوی معانی پر وقوف واجب ہے، اس لئے کہ اس مقام پر شرع سے کوئی نقل صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

نواب صدیق حسن خاںؒ نے اپنے اسی رجحان کے مطابق تمام قربتوں میں زکوٰۃ کے صرف کو جائز قرار دیتے ہوئے علماء کو بھی مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، اگر چہ وہ غنی ہوں، نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

''من جملة سبيل الله الصرف فى العلماء الذين يقومون بمصالح المسلمين الدينية كان لهم، ففى مال الله نصيبا سواء كانوا أغنياء أو فقراء بل الصرف فى هذه الجهة من أهم الأمور، لأن العلماء ورثة الأنبياء وحملة الدين وبهم تحفظ بيضة الإسلام وشريعة سيدنا الإمام'' (الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۷)۔

واضح رہے کہ خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر ''فتح البیان'' میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے جمہور کے اس قول کو ترجیح دی ہے، جس میں فی سبیل اللہ سے ''وهم الغزاة والمرابطون يعطون من الصدقة ما ينفقون فى غزوهم ومرابطهم وإن كانوا أغنياء'' مراد لیا گیا تھا۔

اس قول کے بارے میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

''والأول أولى لإجماع الجمهور عليه'' (فتح البیان ۴/۱۵۱)۔

بعض حضرات نے یہ قول امام کاسانی صاحب ''بدائع'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کے اس جملے سے کہ فی سبیل اللہ تمام ہی قربتوں کا نام ہے، اس لئے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت میں سعی کر رہا ہو، یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے، لیکن ان کا یہ قول اس شرط کے

Marfat.com

ساتھ مشروط ہے کہ وہ شخص محتاج ہو، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بناء مسجد وغیرہ جن میں کوئی شخص مصرف نہیں، بلکہ کام مصرف ہے وہ اس ذیل میں نہیں آتے اور اگر اشخاص ہی ہوں جو کسی دینی جدوجہد میں مشغول ہوں تو وہ بھی اس شرط کے ساتھ مصرف ہوں گے کہ وہ محتاج ہوں، کاسانی کے پہلے جملے نے جو توسع پیدا کیا تھا، اس شرط نے اس توسع کو ختم کر دیا۔

۲-دوسرا قول:

''فی سبیل اللہ'' مسلمانوں کے مصالح عامہ کو شامل ہے، اس قول کا حاصل یہ ہے کہ ہر طاعت وکارِ خیر مصرف زکوٰۃ نہیں بلکہ انھیں کاموں پر فی سبیل اللہ کی مد میں زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے عمومی مصالح سے ہو، اور جن سے مسلمانوں کے دین اور ان کی اجتماعی حیات کی بقا اور ترقی کا تعلق ہو، مثلاً جنگ کی تیاری، فوجوں کی غذائیں، فوجی ہاسپٹل، عمومی خیراتی اسپتال وغیرہ، اسی ذیل میں علوم شرعیہ کے مدارس جو مسلمانوں کی عام مصلحت سے تعلق رکھتے ہیں (بہ شمول اساتذہ مدارس کے جو کسی اور ذریعہ آمدنی سے علیحدہ ہو کر بالکل مدارس دینیہ میں تعلیم وتدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں) آتے ہیں، یہ رائے عام طور پر علماء سلف میں پائی جاتی ہے، البتہ ماضی قریب میں شیخ محمد رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

۳-تیسرا قول:

''فی سبیل اللہ'' میں حج بھی داخل ہے۔

امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کی طرف یہ قول منسوب ہے، امام احمد سے اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں اور فقہاء حنابلہ کے یہاں ترجیحات بھی مختلف نظر آتی ہیں (الانصاف للمرداوی ۳/۲۳۵)۔

Marfat.com

ابوعبید بن قاسم بن سلام نے بعض صحابہ کی یہ رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"هذا القول مهجور غير معمول به" (الاموال لأبی عبید/۹۹)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی "مجموعہ فتاویٰ" میں اس رائے کو اختیار کیا ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/ ۲۷۴)۔

پھر یہ کہ جس حاجی کو زکوٰۃ دی جائے اس کا فقیر ہونا ضروری ہے، یا نہیں، پھر حج فرض، حج نفل کا ایک ہی حکم ہے، یا الگ، یہ سب بحثیں فقہاء حنابلہ نے اپنی کتابوں میں کی ہیں۔

فقہاء حنفیہ میں سے محمد بن الحسنؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جو سفر حج میں نکلا، قافلہ سے بچھڑ گیا، اس لئے کہ اس کے اخراجات سفر ضائع ہو گئے، یا اس کی سواری اسے دھوکا دے گئی، تو یہ "حاج منقطع" مصرف زکوٰۃ ہے (شامی ۲/ ۳۴۳، بدائع الصنائع ۱/ ۴۶)۔

جمہور فقہاء امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ، ابن المنذرؒ وغیرہ حجاج کو زکوٰۃ دینا جائز قرار نہیں دیتے۔

۴- چوتھا قول:

علماء مدرسین، اصحاب افتاء وقضا اور طلبہ علوم شرعی جو تحصیل علم کے لئے وقف ہیں، انھیں زکوٰۃ دینی جائز ہے۔

یہ رائے بعض متاخرین فقہاء کی ہے، جنھوں نے مجاہدین وغزاۃ کے ساتھ قضاء، افتا، اور تدریس جیسے عمومی مصالح امت میں مشغول لوگوں کو ملحق قرار دیا ہے، جیسا کہ صنعانی نے (سبل السلام جلد ۱/ ۱۴۵) میں اس قول کا تذکرہ کیا ہے اور بعض فقہاء حنفیہ نے طلبہ علوم دینیہ کو باوجود غنی ہونے کے زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے (شامی ۲/ ۳۴۰-۳۴۳)۔

۵- پانچواں قول:

فی سبیل اللہ سے مراد غزوہ وجہاد ہے۔

Marfat.com

علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ و جہاد داخل ہے، اس کے بعد غزوہ و جہاد کے علاوہ کسی اور کام کے فی سبیل اللہ میں داخل ہونے کے بارے میں فقہائے امت کے درمیان کچھ اختلاف ہے، لیکن فقہائے مجتہدین کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ و جہاد کے علاوہ کوئی اور کام داخل نہیں، ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اس بارے میں متفقہ قول یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہی ہیں، عہد صحابہ سے لے کر دورِ حاضر تک یہی جمہور علماء کا قول رہا ہے، علامہ ابن رشد فی سبیل اللہ کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال مالک سبيل الله مواضع الجهاد و الرباط، و به قال أبو حنيفة، وقال الشافعي: هو الغازى جارالصدقة، و إنما اشترط جا رالصدقة؛ لأن عند أكثر هم أنه لا يجو ز تنقيل الزكوٰة من بلد إلى بلد إلا من ضرورة" (بدایۃ المجتہد ۴۳/۲)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہونے کے باوجود کہ فی سبیل اللہ میں صرف غزوہ و جہاد آتا ہے، اس سلسلہ کی کچھ تفصیلات کے بارے میں ان میں باہم اختلاف ہے، بعض فقہاء نے غازیوں اور مجاہدین کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے ان کے فقیر ہونے کی شرط لگائی ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہی غازی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آئیں گے جو بیت المال سے اجرت لئے بغیر رضا کارانہ طور پر جنگوں میں حصہ لیں، غرضیکہ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہونے کے باوجود فقہاء کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ و جہاد تک محدود ہے۔

پہلے قول کے دلائل:

۱- جو حضرات فی سبیل اللہ میں تمام نیک کاموں کو داخل کرتے ہیں ان کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ لفظ "فی سبیل اللہ" عام ہے، لہذا کسی دلیل کے بغیر اس لفظ عام کو اس کے بعض

Marfat.com

افراد کے ساتھ مخصوص کر دینا درست نہیں ہے اور یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر فی سبیل اللہ کو غزوہ وجہاد کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، نواب صدیق حسن صاحب اس دلیل کو پوری قوت کے ساتھ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"وأما سبيل ا لله فالمرادبه ههنا الطريق إليه عزوجل، والجهادوإن كان أعظم الطريق إلى الله عز وجل، لكن لادليل على إختصا ص هذالسهم به، بل يصح الصرف بذلك في كل ما كان طريقا إلى الله عزوجل، هذا معنى الآية لغة الواجب' الوقوف على المعاني اللغوية حيث لم يصح النقل هنا شرعاً" (الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۶)۔

۲-فی سبیل اللہ کے عموم پر دوسرا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ، تابعین اور فقہاء نے حج کو فی سبیل اللہ میں داخل قرار دیا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ وجہاد تک محدود نہیں ہے، بلکہ دوسرے کارِ خیر بھی اس میں داخل ہیں، اور جب غزوہ وجہاد سے آگے بڑھ کر حج کو "فی سبیل اللہ" میں داخل مان لیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے نیک کاموں کو اس سے خارج قرار دیا جائے، زکوٰۃ کے دوسرے کارہائے خیر میں صرف کرنے کے جواز کی ایک دلیل کتب حدیث کی وہ روایت بھی ہے جسے امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح باب القسامہ" میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کر دیا، ان کے قاتل کا پتہ نہیں چل سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو خوں بہا صدقہ کے اونٹوں میں سے دیا۔

۳-نواب صدیق حسن صاحب نے تمام نیک کاموں میں مشغول افراد کو زکوٰۃ دینے کے جواز پر یہ استدلال بھی پیش کیا ہے کہ صحابہ کرام ہر سال بیت المال سے عطیہ لیا کرتے تھے، بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوٰۃ ہوا کرتا تھا، اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ میں مال دار وغریب دونوں قسم کے صحابہ تھے، ایک ایک شخص کا عطیہ ہزاروں کو پہنچ جاتا تھا (الروضۃ الندیہ ۱/۶)۔

Marfat.com

دوسرے قول کے دلائل:

''فی سبیل اللہ'' کے مصداق کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد مسلمانوں کے عمومی مصالح ہیں، جن سے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے دین کی بقا و ترقی اور مملکت کے اجتماعی امور وابستہ ہیں، قدیم مفسرین مجتہدین اور فقہاء کے یہاں یہ قول نہیں ملتا۔ سب سے پہلے شیخ محمد رشید رضا اور شیخ الازہر محمد شلتوت نے یہ قول اختیار کیا، اس کے بعد بعض دوسرے حضرات نے ان کی پیروی کی، ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱-قرآن وسنت میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص کارِ خیر کے لئے مخصوص کر سکیں۔ لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے، ہر عالم وفقیہ کو اس کے بارے میں اپنی رائے دینے کا حق ہے، اس مسئلہ کا اجتہادی ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماضی اور حال میں فی سبیل اللہ کے مصداق کے بارے میں علماء اور فقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے ''فی سبیل اللہ'' کو غازیوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے، بعض حضرات نے غازیوں کے ساتھ حج وعمرہ کرنے والوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے، بعض نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے۔

۲-ان حضرات کا ایک استدلال صدقہ کے اونٹوں سے خوں بہا ادا کئے جانے کی اس حدیث سے بھی ہے جس کا تذکرہ قول اول کے دلائل کے ذیل میں آ چکا ہے، استدلال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع نزاع، اصلاح ذات البین، نیز مقتول کے اولیاء کو خوش کرنے کے لئے زکوٰۃ کے مال میں سے خوں بہا ادا کیا، جب امن برقرار رکھنے کے مقصد سے رفع نزاع کے لئے مقتول کے ورثہ کو خوں بہا میں زکوٰۃ دینا جائز ہے تو یہ بات بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کہ اسلامی مملکت میں امن وامان کے قیام اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لئے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے، مصالح عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ خرچ کر کے اسلامی مملکت کو استحکام بخشا جائے۔

Marfat.com

۳-فقہاء کی ایک جماعت نے زکوٰۃ کے آٹھویں مصارف کے لئے صرف زکوٰۃ کی علت یہ قرار دی ہے کہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کی عمومی حاجت اور منفعت پوری ہوتی ہے، جب متعدد مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ صرف کرنے کی علت مسلمانوں کی عمومی حاجت ومنفعت ہے تو ہم کیوں نہ اس علت کو عام کرتے ہوئے ان تمام کاموں کو مصارف زکوٰۃ کے دائرہ میں لے آئیں جن میں مسلمانوں کی عام مصلحت اور مسلم سوسائٹی کا اجتماعی مفاد ہو۔

تیسرے قول کے دلائل:

۱-جن حضرات نے غزوہ وجہاد کے ساتھ حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے ان کا استدلال چند روایات وآثار سے ہے، ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کو فی سبیل اللہ میں شمار کیا اور جس شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کر دیا تھا اسے آپ نے ہدایت دی کہ اپنا وہ اونٹ حج کرنے کے لئے دے دے، اس سلسلہ کی ایک روایت ''مسند احمد'' میں آئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ام معقل رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو معقلؓ سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے اوپر حج لازم ہے اور آپ کے پاس ایک جوان اونٹ ہے، مجھے وہ اونٹ دے دیجئے تاکہ میں اس پر حج کر آؤں، ابو معقلؓ نے کہا کہ تمھیں یہ بات معلوم ہے کہ میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں محبوس کر دیا ہے، ام معقلؓ نے کہا کہ پھر مجھے حضور کے باغ کی فصل دے دیجیے، ابو معقل نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میری کھجور کی پیداوار میرے بال بچوں کی روزی ہے، ام معقل نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کروں گی، راوی کہتے ہیں کہ ابو معقل اور ام معقل دونوں چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، ام معقل نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے ذمہ حج لازم ہے اور ابو معقل کے پاس جوان اونٹ ہے، ابو معقل نے عرض کیا کہ ام معقل کی بات درست ہے، لیکن میں نے وہ اونٹ فی سبیل اللہ میں محبوس کر دیا ہے، تو حضو ﷺ نے فرمایا کہ ام معقل کو وہ اونٹ

Marfat.com

حج کرنے کے لئے دے دو، کیوں کہ حج بھی فی سبیل اللہ (راہ خدا) میں ہے۔

حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں اسی طرح کا ایک واقعہ ابوطلیق اور ام طلیق کا آتا ہے۔

۲- امام بخاری نے تعلیقاً ابولاسؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کرنے کے لئے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا (حوالہ، صحیح بخاری کتاب الزکوۃ قول اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ)۔ امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے اس حدیث کی سند متصل ذکر کی ہے۔

۳- چند صحابہ کرامؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے حج کے لئے زکوٰۃ کا مال دینے کا فتویٰ دیا، ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کیا جائے گا اور زکوٰۃ کا مال حج میں دیا جائے گا (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ)۔

حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ کا مال حج کرنے والوں کو دینے کا فتویٰ دیا، اس طرح کے متعدد آثار حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں نقل کیا ہے، یہ احادیث وآثار اس بات کے ثبوت ہیں کہ جہاد کے ساتھ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، ائمہ مجتہدین میں سے امام محمد بن حسنؒ، امام احمد، اسحاق بن راہویہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

چوتھے قول کے دلائل:

بعض متاخرین فقہاء نے علماء ومدرسین، اصحاب افتاء اور طلبہ علوم دینیہ کو بھی غازی کے ساتھ ملحق کر کے مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا ہے، ان حضرات نے اپنے اس قول پر کوئی قابل ذکر دلیل ذکر نہیں کی ہے، مصنف ''سبل السلام'' اس نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عمدۃ الاحکام کے شارح نے لکھا ہے کہ غازی کے ساتھ وہ لوگ بھی ملحق کئے جائیں گے جو مسلمانوں کی کسی عمومی مصلحت، مثلاً قضاء، افتاء، اور تدریس انجام دے رہے ہوں، خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں'' (سبل السلام ۱/۱۴۵)۔

Marfat.com

پانچویں قول کے دلائل:

عہد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ و جہاد مراد ہے، دوسرے نیک کام زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہیں، سچی بات یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی تین صدیوں میں یہی علماء کا متفقہ قول تھا، ہاں معدودے چند افراد ایسے ضرور تھے جنھوں نے فی سبیل اللہ میں حج کو بھی شامل کیا تھا۔

ان حضرات کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اور صحابہ کرام کی زبان میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوتا ہے، شیخ المفسرین ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

"وأما قوله فی سبیل الله فإنه یعنی و فی النفقة فی نصرة دین الله و طریقه و شریعته التی شرعها لعباده لقتال أعدائه و ذلک هو الغزو" (تفسیر ابن جریر ۱۰/۱۶۵)۔

ابن الأثیر لکھتے ہیں:

"السبیل فی الأصل الطریق و یذکر ویؤنث والتأنیث فیها أغلب و سبیل الله عام یقع علی کل عمل خالص، سلک به طریق التقرب إلی الله تعالی بأداء الفرائض والنوافل و أنواع التطوعات وإذا أطلق سبیل الله فهو فی الغالب واقع علی الجهاد و حتی صار لکثرة الاستعمال کأنه مقصود علیه" (النہایۃ فی غریب الحدیث ۲/۳۳۸)۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

"إذا أطلق ذکر سبیل الله فالمراد به الجهاد" (فتح الباری ۷/۴۸)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"سبیل الله عند الإطلاق هو الغزو" (فتح الباری ۷/۴۸)۔

Marfat.com

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"المتبادر عند إطلاق لفظ" في سبيل الله" الجهاد" (فتح الباری ۲۹/۷)۔

" المتبادر إلى الأفهام أن سبيل الله تعاليٰ هو الغزو وأكثر ماجاء في القرآن العزيز كذلك" (المجموع ۲۱۲/۶)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ المغنی میں لکھتے ہیں:

"كل ما في القرآن من ذكر سبيل الله إنما أريد به الجهاد إلا اليسير فيجب حمل ما في هذه الأية (يعني آية الصدقات) على ذلك؛ لأن الظاهر ارادته به" (المغنی ۴۳۷/۶)۔

تمام فقہی مسلک کے اصحاب علم وتحقیق فقہاء کا مطالعہ یہی ہے کہ فی سبیل اللہ شریعت کی ایک اصطلاح ہے، سبیل اللہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے اگر چہ عام ہے، اس میں ہر کار خیر داخل ہے، کتاب وسنت میں بھی کہیں کہیں اسی عام لغوی معنی میں سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے، لیکن کتاب وسنت میں سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن کے بغیر مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے غزوہ وجہاد ہی مراد ہوتا ہے، قدیم مفسرین وفقہاء کے علاوہ دور جدید کے بعض علماء نے بھی کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا تتبع کر کے "فی سبیل اللہ" کے اس مخصوص معنیٰ کو ثابت کیا ہے، کتب حدیث میں ابواب الجہاد کی حدیثوں کا مطالعہ بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے۔

۲- جمہور فقہاء کی طرف سے استدلال میں وہ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں جو فن حدیث کی متعدد اہم کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة، لغاز في سبيل الله أو العامل عليها أو لغارم أو لرجل إشتراها بماله أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهدى المسكين للغني" (مؤطا امام مالک، سنن ابوداؤد)۔

اس حدیث میں زبان رسالت نے فی سبیل اللہ کے ساتھ "غاز" کی قید لگا کر زکوۃ

Marfat.com

کے مصرف ''فی سبیل اللہ'' کی مراد متعین کردی، فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال کے تمام دلائل کا احاطہ یہاں مقصود نہیں ہے، تفصیلی دلائل کے لئے تفسیر، حدیث اور فقہ کی اہم کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، اوپر کے صفحات میں زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں مختلف اقوال اور ان کے اہم دلائل اختصار کے ساتھ ذکر کئے گئے، مختلف اقوال کے درمیان محاکمہ اور ان کے دلائل کا موازنہ اصحاب علم وبصیرت علماء اور فقہاء پر چھوڑ دیا گیا۔

ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کی خاطر جن نکات کو طے کرنا اور جن سوالات کا منقح کرنا ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہیں:

سوالات:

۱- مصارف زکوٰۃ کو طے کرنے میں سب سے بنیادی حیثیت ''سورہ توبہ'' کی آیت ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ'' (سورہ توبہ/۶۰) ہے، یہ آیت زکوٰۃ کے مصاف کو حصر کے ساتھ بیان کرتی ہے، کلمہ ''انما'' حصر پر دلالت کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعہ مصارف زکوٰۃ کا جو حصر بیان کیا گیا ہے وہ حصر حقیقی ہے، یا حصر اضافی؟ منشأ سوال یہ ہے کہ اگر چہ عہد صحابہ سے لے کر دورِ حاضر تک جمہور مفسرین فقہاء اور علماء، مصارف زکوٰۃ والی آیت کا حصر حقیقی قرار دیتے رہے اور یہ صراحت کرتے رہے کہ اس آیت میں مذکور آٹھ مصرف کے باہر زکوٰۃ کا صرف کرنا قیامت تک کے لئے ناجائز ہے، زکوٰۃ انہی مصارف میں صرف کی جائے گی، لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس حصر کو اضافی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''وعلىٰ هذا فالحصر فى قو له تعالى'' إنما الصدقات'' إضافى بالنسبة إلى ماطلبه المنا فقون فى صر فها فيما يشتهون علىٰ ما يقتضيه سياق الآية

Marfat.com

والسر فی ذلک أن الحاجات غیر محصورة ولیس فی بیت المال فی البلاد الخاصة للمسلمین غیر الزکوٰة کثیر مال۔ فلابد من تو سعه لتکفی نوائب المدینة و الله اعلم" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۴۵)۔

۲- جمہور مفسرین وفقہاء نے آیت مصارف زکوٰۃ میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' سے غازی مراد لیا ہے، ان حضرات نے "لاتحل الصدقات لغنی إلا لخمسة، لغازفی سبیل الله الخ" والی حدیث کے علاوہ ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ کتاب وسنت میں اگر چہ فی سبیل اللہ کا اطلاق مطلق طور پر (کسی قید وقرینہ کے بغیر) ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کے استعمالات کا استقراء وتتبع کر کے یہی بات ثابت کرنی چاہی ہے، کیا آپ جمہور فقہاء کے اس دعویٰ سے متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوا کرتا ہے؟۔

۳- یہ ایک حقیقت ہے کہ قرون اولی میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں۔ صحابہ، تابعین، مفسرین، فقہاء کی غالب اکثریت نے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے: اور دوسرا قول یہ رہا کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی شامل ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آیات احکام میں سے کسی آیت کی تشریح میں قرون اولیٰ میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو کیا ہمارے لئے لازم ہے کہ انھیں دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کریں یا ہم ان دو اقوال کو چھوڑ کر آیت کی تفسیر وتشریح میں کوئی تیسرا، یا چوتھا قول بھی اختیار کر سکتے ہیں؟

۴- فقہائے حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق جو لوگ بھی ہوں بہر حال فی سبیل اللہ کے دائرے میں آنے والے لوگ فقیر ہونے ہی کی صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے، عاملین زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقہائے حنفیہ فقر کی شرط لگاتے

Marfat.com

ہیں، اسی لئے جن فقہائے احناف نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا ہے، یا تمام امور خیر کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے (مثلاً صاحب فتاویٰ ظہیریہ اور علامہ کاسانی) ان کی اس تشریح سے مستحقین زکوٰۃ کے مسئلہ میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں پیدا ہوا، کیوں کہ جب ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے والے لوگ فقر کی شرط کے ساتھ ہی مستحق زکوٰۃ ہوئے تو وہ لوگ زکوٰۃ کے پہلے مصرف فقراء میں متفقہ طور پر داخل ہو چکے، فقہائے حنفیہ کے نزدیک فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط ہونے ہی کی وجہ سے غالباً ان حضرات کے قول پر زیادہ ردوقدح نہیں ہوئی، جنہوں نے فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں اختلاف نتیجہ کے اعتبار سے کوئی حقیقی اختلاف نہیں رہ جاتا، اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کے نزدیک جو لوگ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط نہیں ہے، فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط نہ لگانے کی صورت میں اس کے مصداق کی تعیین میں اختلاف ایک حقیقی اختلاف بن جاتا ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں فی سبیل اللہ کی تشریح میں زیادہ احتیاط اور حساسیت ہے۔ فقہائے مالکیہ اور فقہائے شافعیہ کے یہاں متفقہ طور پر یہ بات ملتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے اور فقہ حنبلی میں دو قول ملتے ہیں:

۱- فی سبیل اللہ سے صرف غازی مراد ہے۔

۲- فی سبیل اللہ میں غزوہ کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔

مذکورہ بالا معروضات کو سامنے رکھ کر آپ تحریر فرمائیں کہ:

(الف) زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا آپ کے نزدیک کیا مصداق ہے؟

فی سبیل اللہ کے دائرہ میں کون کون لوگ آتے ہیں، اس کے دائرہ کی وسعت کہاں تک ہے؟

(ب) جو لوگ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط ہے یا نہیں؟

Marfat.com

۵- مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں، یا نہیں؟ یعنی کیا یہ بات درست ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تعلیل کر کے اشتراک علت کی بنا پر ان آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری قسموں کو مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا جائے اور ان پر زکوٰۃ کا صرف کیا جانا جائز قرار دیا جائے؟۔ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ جہاد عسکری ہی ہے، لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے جہاد قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی وغیرہ پر بھی زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے، کیا آپ کے نزدیک یہ نقطۂ نگاہ قابل قبول ہے؟ اور اصولاً کیا اس کی گنجائش ہے کہ مصارف زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو مصارف زکوٰۃ میں شامل کیا جائے؟

۶- یہ واقعہ ہے کہ دور حاضر میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کے لئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے، دور حاضر کی ترقیات اور جدید وسائل نے دینی کاموں کی ضروریات اور مصارف کو بہت بڑھا دیا ہے، اور یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آج کل مسلمان دینی کاموں کے لئے جو سرمایہ دیتے ہیں اس کا کم وبیش اسی ۸۰ نوے فی صد زکوٰۃ ہی کی رقم سے ہوتا ہے، صدقات نافلہ اور غیر زکوٰۃ کی مدوں میں دینے کا رواج دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے، ان حالات میں دینی کام کرنے والے اداروں (مدارس، اکیڈمیاں، تنظیمیں وغیرہ) کے لئے یہ پابندی بہت دشوار ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مختلف اخراجات اور منصوبوں میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہ کریں، کیا اس دشواری کے پیش نظر آپ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر متاخر، یا معاصر علماء کے تعمیم وتوسیع والے قول کو اختیار کر لیا جائے؟

۷- اگر آپ کے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں تعمیم ہے، یعنی اس کے دائرہ میں غزوہ اور حج کے علاوہ کچھ اور کام بھی آتے ہیں تو یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے، اس کے حدود کیا ہیں؟ اور آپ فی سبیل اللہ کا دائرہ اور جو حدود سمجھتے ہیں، مختصراً اس کے دلائل کیا ہیں؟۔

Marfat.com

تفصیلی مقالات:

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ - سوالات کے مختصر جوابات

مولانا عتیق احمد قاسمی☆

۱- ''سورہ توبہ'' کی (آیت ٦٠) میں زکاۃ کے مصارف حصر کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، میری معلومات اور مطالعہ کی حد تک مذکورہ بالا آیت میں حصر کا حقیقی ہونا اجماعی ہے۔ قرون اولیٰ سے لے کر دور حاضر تک فقہاء مجتہدین، مفسرین اور علماء امت نے اس حصر کو حقیقی قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں علماء امت کی چند تصریحات ذیل میں درج کی جاتی ہیں، آیت مصارف کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا امام شافعیؒ نے لکھا ہے:

''فأحکم الله عزوجل فرض الزکاة فی کتابه، ثم أکّدها، فقال فریضة من الله، ولیس لأحد أن یقسمها علی غیر ما قسمه الله'' (کتاب الأم ٢/٦٠)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

''ولا یجوز صرف الزکاة إلی غیر من ذکرالله تعالی من بناء المساجد والقناطر...... و أشباه ذلک من القرب التی لم یذکرها الله تعالیٰ'' (المغنی ٢/٥٢٧)۔

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو۔

☆ سکریٹری برائے علمی امور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

Marfat.com

آیت بالا میں حصر کے حقیقی ہونے پر اجماع امت کے علاوہ ایک نہایت محکم دلیل رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث بھی ہے:

"قال زیاد إبن حارث الصدائی اتیت رسول الله ﷺ فبایعته فأتاه رجل فقال: أعطنی من صدقة، فقال له رسول الله صلی الله علیه و سلم: ان الله لم یرض بحکم نبی ولا غیره فی الصدقات حتی حکم فیها هو فجزأها ثمانیة أجزاء فإن کنت من تلک الأجزاء أعطیتک" (ابوداؤد: کتاب الزکوۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی)۔

(زیاد ابن حارث صدائیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی، اس کے بعد ایک شخص حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دے دیجیے، رسول اکرم نے اس شخص سے ارشاد فرمایا: صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی، یا غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرمائے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمھیں زکوٰۃ دے دوں گا)۔

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ "سورہ توبہ" کی (آیت ۶۰) میں مصارف زکوٰۃ کا جو حصر بیان کیا گیا ہے وہ حقیقی اور دائمی ہے، ان مصارف سے ہٹ کر زکوٰۃ کو کسی اور محل میں خرچ کرنا کسی دور میں جائز نہیں ہے۔ "حجۃ اللہ البالغۃ" سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے بہ ظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ شاہ صاحبؒ آیت مصارف کے حصر کو اضافی قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اجماع امت اور حدیث صریح کے برخلاف حضرت شاہ صاحبؒ کی اس شاذ رائے کو اختیار نہیں کیا جا سکتا، امت کے اجماعی نقطۂ نظر کے خلاف اس طرح کی شاذ آراء، خواہ کتنے ہی بڑے فقہاء اور علماء کی ہو قابل التفات نہیں ہوتی۔

۲- مجھے جمہور مفسرین وفقہاء کے اس نقطۂ نظر سے پورا اتفاق ہے کہ کتاب وسنت میں

Marfat.com

اگر چہ ''فی سبیل اللہ'' کا اطلاق مختلف دینی کاموں کے لئے کیا گیا ہے، لیکن کتاب وسنت میں جب فی سبیل اللہ کا استعمال مطلق طور پر (**کسی قید وقرینہ کے بغیر**) ہوتا ہے تو اس سے غزوہ وجہاد مراد ہوتا ہے، سوال نامہ میں اس سلسلہ میں ابن الاثیرؒ، ابن جوزیؒ، ابن حجرؒ، ابن قدامہ حنبلیؒ، علامہ نوویؒ کی جو تصریحات پیش کی گئی ہیں وہ اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

۳- آیاتِ احکام میں سے کسی آیت کی تفسیر اگر عہد صحابہؓ سے لے کر صدیوں تک دو ہی **قول** رہے ہیں، تو ان دونوں اقوال سے ہٹ کر کوئی تیسرا قول اختیار کرنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ -نعوذ باللہ- صدیوں تک اس آیت کا صحیح مفہوم ومصداق امت سے مخفی رہا، خصوصاً ایسی آیت جو کثیر الوقوع عملی مسائل سے تعلق رکھتی ہو، اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن کی ادائیگی اس سے متعلق ہو، اگر اس کی اجازت دی گئی تو معانی قرآن میں تحریف کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا اور قرآن بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

۴- الف: میرے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین ہیں۔ ساتویں مصرف میں نہ تو حج شامل ہے اور نہ ہی دوسرے انفرادی، یا اجتماعی کار خیر۔

ب: مجھے فقہاء حنفیہ کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق ہے کہ مجاہدین فقر ہی کی صورت میں زکوٰۃ کا مال لے سکتے ہیں، ہاں اگر ایک شخص فی الوقت صاحب نصاب ہے اور جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہے، لیکن آلات جہاد خریدنے کے لئے اس کا مال کافی نہیں ہے، یعنی اگر وہ اپنے ذاتی مال سے آلات جہاد خریدتا ہے اور سفر جہاد کے انتظامات کرتا ہے تو اس کا مال، یا تو سرے سے ختم ہو جائے گا، یا نصاب سے کم ہو جائے گا، ایسی صورت میں وہ شخص آلات جہاد خریدنے کے لئے مالِ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

۵- مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل نہیں ہے، کیونکہ مصارف زکوٰۃ والی آیت میں حصر حقیقی پایا جاتا ہے، یعنی قرآن پاک کی صراحت کے مطابق **انھیں آٹھ مصارف میں زکوٰۃ صرف کی** جاسکتی ہے جن کا آیت مصارف میں صراحتاً ذکر آگیا ہے، لہٰذا اگر ہم مصارف زکوٰۃ کو قیاس شرعی

Marfat.com

کامحل قرار دیں گے اور اس بات کی اجازت دیں گے کہ مصارف زکوٰۃ کی علت تلاش کر کے ہم آٹھ مصارف کے علاوہ اس کو اور افراد، نیز جماعتوں پر بھی زکوٰۃ صرف کی جائے تو یہ بات خود آیت مصارف کے مفہوم و مدعا کے خلاف ہوگی، جہاد عسکری کو فی سبیل اللہ کا مصداق قرار دے کر جہاد قلمی، جہاد فکری کو بذریعہ قیاس جہاد عسکری سے ملحق کرنا اور جہاد قلمی وغیرہ پر زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دینا اصولاً غلط ہے۔

۶- سوال ۶ کے تحت فی سبیل اللہ کے دائرہ میں توسیع والے قول کو اختیار کرنے کے جو مبررات بیان کئے گئے ہیں وہ میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں، بلاشبہ دور حاضر میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کے لئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے اور کم از کم ہندوستان کی حد تک یہ بھی واقعہ ہے کہ آج کے مسلمان دینی کاموں کے لئے جو سرمایہ دیتے ہیں، اس کا کم وبیش ۸۰، ۹۰ فی صدی مدز کوٰۃ ہی سے ہوتا ہے، لیکن اس دشواری کا حل یہ نہیں ہے کہ فہم آیت کے سلسلہ میں امت کے صدیوں کے نقطۂ نظر کو رد کر کے بالکل بے وزن اور بے دلیل اقوال کو آنکھ بند کر کے اختیار کر لیا جائے، مسلمانوں کے اس رجحان میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ دینی کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور رقم نہیں نکالتے، رہا دینی کام کرنے والے اداروں (مدارس، اکیڈمیاں، تنظیمیں وغیرہ) کی دشواری کا حل اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر ان اداروں کے ذمہ دار اپنے غیر ضروری اخراجات اور جمالیات میں تخفیف کریں اور پوری فکرمندی کے ساتھ جائز حدود میں رہتے ہوئے اپنے اداروں کی مالی مشکلات کا حل تلاش کریں تو انشاء اللہ ایسی راہیں نکل آئیں گی جو شرعاً جائز اور قابل قبول ہونے کے علاوہ اطمینان بخش بھی ہوں، میری یہ بات حد درجہ اجمالی ہے اس کی تفصیل کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔

۷- پہلے سوالات کے ذیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ میرے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین ہیں، اس مصداق میں تعمیم و توسیع جائز نہیں۔

Marfat.com

زکوۃ کا ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کتاب وسنت اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں:

زکوۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے، مالی عبادات میں زکوۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، قرآن پاک میں بار بار نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، زکوۃ اسلامی نظام حیات کا ایک بنیادی عنصر ہے، اس کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق نے مانعین زکوۃ سے جہاد کا حکم دیا۔

زکوۃ اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم ستون ہے، اس کے ذریعہ قوم کے اس ضعیف اور بے سہارا طبقہ کی پرورش ہوتی ہے جو اپنی ضروریات مہیا کرنے سے معذور ہے، زکوۃ کے ذریعہ یتیم بچوں، بیوہ عورتوں، اپاہج اور معذور انسانوں، فقیروں اور مسکینوں کی کفالت ہوتی ہے، لیکن زکوۃ کا اولین اور اہم ترین مقصد خود زکوۃ دینے والے کا تزکیہ وتطہیر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورہ توبہ / ۱۰۳)۔

(ان کے مال سے زکوۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو، اور ان کے حق میں دعاء خیر کرو کہ تمھاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا اولین مقصد خود زکوۃ دینے والے کے باطن کا تزکیہ اور اس کے مال کی تطہیر ہے، تزکیہ باطن سے مراد بخل، حرص اور حب مال وغیرہ کا ازالہ اور غریبوں اور معذوروں کے ساتھ ہمدردی، غم خواری، تعاون اور انفاق کا جذبہ پیدا کرنا ہے، زکوۃ کے اسی پہلو کو مرکزی حیثیت دینے کی وجہ سے اسے عبادات میں شمار کیا گیا ہے، قرآن وسنت میں اس کے احکام ومسائل بہت واضح کردیئے گئے ہیں، اس کی جزوی تفصیلات بھی قرآن وسنت میں محفوظ کردی گئیں، زکوۃ کی آمد وصرف کا معاملہ اسلامی حکومت کے اختیار تمیزی پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ خود خالق کائنات نے اس کی ضروری تفصیلات واضح فرمادی۔

Marfat.com

مصارف زکوۃ قرآن کی روشنی میں:

سورۂ توبہ کی (آیت ٦٠) میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے مصارف کلمہ حصر کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور مد میں زکوۃ کا استعمال جائز نہیں، ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر صدقات (زکوۃ) کے مال میں سے مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف بیان فرمائے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمھیں دے سکتا ہوں (ابوداؤد: کتاب الزکوۃ)۔

سورۂ توبہ کی وہ آیت جس میں مصارف زکوۃ کا بیان ہے وہ درج ذیل ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (سورۂ توبہ/ ٦٠)۔

(صدقات (زکوۃ) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں، اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے) میں، اور خدا کی راہ میں، اور مسافروں (کی مدد) میں (ہی یہ مال خرچ کرنا چاہیے، یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کردیئے گئے ہیں، اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

عہد نبوی سے لے کر عہد حاضر تک اسی آیت کی روشنی میں زکوۃ کے مال کی تقسیم ہوتی رہی، اسلامی حکومتیں اور مسلم اغنیاء انھیں مصارف میں زکوۃ صرف کرتے رہے، اس وقت ہمیں زکوۃ کے انھیں آٹھ مصارف میں سے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کے معنی ومصداق پر بحث کرنی ہے۔

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک بنیادی اصول:

سب سے پہلے یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیئے کہ زیر بحث مسئلہ کوئی نیا مسئلہ

Marfat.com

نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق آیات احکام میں سے ایک آیت کے بعض الفاظ کی تفسیر وتشریح سے ہے، اس لئے ہمیں سب سے پہلے قدیم مفسرین، فقہاء اور محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ انہوں نے سورہ توبہ کی (آیت ۶۰) میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' کا کیا معنی سمجھا، احادیث رسول اور آثار صحابہ اور تابعین سے صراحۃً، یا اشارۃً مصارف زکوۃ میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' کا کیا معنی ومصداق متعین ہوتا ہے، آیات احکام کے ہر ہر پہلو کو صحابہ وتابعین، مفسرین، فقہاء ومحدثین نے خوب خوب واضح کیا ہے، کسی پہلو کو تشنہ بحث نہیں چھوڑا، اسی لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم زیر بحث مسئلہ میں کوئی قطعی فیصلہ دینے سے پہلے احادیث وآثار اور فقہاء مجتہدین کے اجتہادات پر ایک نظر ڈال لیں، اس سلسلہ میں وہ بنیادی حقیقت بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے جس کی نشاندہی شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ''مقدمہ فی اصول التفسیر'' میں کی ہے:

''حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر کو ترک کرکے مخالف مذہب اور تفسیر اختیار کرنے والا خطا کار، بلکہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے، اگرچہ ایسا شخص مجتہد ہی ہو جس کی خطا معاف ہے، یہاں پر مقصود علم کے طریقوں اور دلیلوں، نیز صواب کی راہوں کا بیان ہے، ہمیں اس بات کا علم ویقین ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے قرآن پڑھا، اور یہ لوگ قرآن کی تفسیر اور معانی سے سب سے زیادہ واقف تھے، جس طرح یہ لوگ اس سچائی سے سب سے زیادہ واقف تھے، جس کو لے کر رسول اکرم ﷺ بھیجے گئے تھے، لہذا جس شخص نے ان کے قول کی مخالفت کی، اور ان کی تفسیر کے خلاف قرآن کی تفسیر کی اس نے دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی کی'' (مقدمہ فی اصول التفسیر ۲۴، مطبوعہ دار الآثار الوطنیہ دمشق)۔

حافظ ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا تحریر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام نے رسول اکرم ﷺ سے جس طرح قرآن کے الفاظ سیکھے اسی طرح معانی بھی سیکھے، الفاظ ومعانی کی یہ امانت مسلمانوں کی ہر بعد والی نسل نے پہلی نسل سے حاصل کی، اس لئے آیات قرآنی کا معنی ومصداق طے کرنے سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہم ان کے بارے میں صحابہ، تابعین، مفسرین

Marfat.com

اور فقہاء مجتہدین کا فہم معلوم کریں کہ ان حضرات نے آیت کا کیا مفہوم سمجھا، اور جمہور امت نے آیت کی کس تفسیر کو قبول کیا، تنہا لغت اور ادب کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کرنے والے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور بھیانک گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، احادیث وآثار اور قدیم تفاسیر سے بے نیاز ہو کر تفسیر قرآن کے میدان میں ایک قدم سلامتی کے ساتھ چلنا ممکن نہیں۔

فی سبیل اللہ کی لغوی تشریح:

زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں تفسیری اور فقہی ذخیرے پر نظر ڈالنے سے پہلے آیئے ہم مستند اہل لغت کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ سبیل اللہ سے لغت عرب میں کیا مراد ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری ''النہایہ فی غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''سبیل کا اصل معنی راستہ ہے، اور سبیل اللہ عام ہے جو ہر اس عمل خالص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو، مثلاً فرائض ونوافل کی ادائیگی، مختلف قسم کے نیک کام، اور جب سبیل اللہ مطلق بولا جائے تو عموماً اس سے مراد جہاد ہوتا ہے، حتی کہ کثرت استعمال کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے گویا سبیل اللہ جہاد ہی میں محصور ہے'' (النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۱۵۶)۔

''النہایہ'' کی مذکورہ بالا عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱- لغت کے اعتبار سے سبیل اللہ کا اصل معنی ہر اس عمل خالص کو شامل ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو، لہذا اس میں تمام نیک کام شامل ہو گئے، خواہ انفرادی ہوں، یا اجتماعی۔

۲- سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے قرائن کے بغیر تو اس سے عموماً جہاد مراد ہوتا ہے، جہاد کے مفہوم میں کثرت استعمال کی وجہ سے سبیل اللہ گویا جہاد ہی کے معنی میں محصور ہو گیا، علامہ طاہر پٹنی مجمع بحار الانوار (۳/۲۷) میں ابن الاثیر کی تحقیق کی تائید کی ہے۔

مشہور لغوی علامہ ابن منظور نے اپنی مستند ترین کتاب ''لسان العرب'' میں سبیل اللہ کے تحت لکھا ہے:

Marfat.com

”کل ما أمر الله به من الخير فهو من سبيل الله و إستعمال السبيل فی الجهاد أكثر، لأن السبيل الذی يقاتل فيه علی عقد الدين، و قوله فی سبيل الله أريد به الذی يريد الغزو و لايجد ما يبلغه مغزاه فيعطي من سهمه“ (لسان العرب ۲/۱۹، مطبوعہ دارلسان العرب)۔

(اللہ تعالیٰ نے جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے سب سبیل اللہ میں شامل ہیں، لیکن زیادہ تر سبیل اللہ کا استعمال جہاد کے معنی میں ہوا ہے، کیوں کہ جہاد ہی وہ راستہ ہے جس میں دین کو برپا کرنے کے لئے قتال کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول فی سبیل اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قتال کا ارادہ کرتے ہیں اور میدان جنگ تک پہنچنے کے لئے وسائل نہیں پاتے تو انھیں فی سبیل اللہ کے حصے میں سے دیا جائے گا)۔

قرآن میں سبیل اللہ کے استعمالات:

شیخ یوسف القرضاوی نے قرآن مجید میں سبیل اللہ کے استعمالات پر اچھی بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں سبیل اللہ کا استعمال کبھی ”عن“ کے ساتھ آتا ہے اور کبھی ” فی“ کے ساتھ۔ ” فی“ کے ساتھ ”سبیل الله “کا استعمال زیادہ ہوا ہے، ”عن “کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اس سے پہلے، یا تو فعل ’’صد‘‘ استعمال ہوا ہے، یا ’’ اضلال‘‘۔ فی سبیل اللہ کے ساتھ یہ افعال استعمال ہوئے ہیں:

انفاق، ہجرت، جہاد، قتال، قتل، ضرب، مخمصہ وغیرہ۔

سورہ توبہ کی (آیت نمبر ۶۰) میں فی سبیل اللہ کا استعمال مذکورہ بالا کسی فعل کی ساتھ نہیں ہوا ہے، لیکن صدقہ سے انفاق کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ گویا انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے۔

قرآن پاک میں انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کے استعمالات کا جائزہ لینے سے معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر ''سبیل اللہ'' سے مراد کبھی عام معنی ہوتا ہے جس میں ہر کار خیر اور ہر طرح کی طاعات داخل ہیں، اور کبھی خاص طور پر جہاد مراد ہوتا ہے، کلام کے سیاق وسباق اور قرائن ہی سے یہ دونوں معانی ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ مصارف زکوۃ کی آیت میں فی سبیل اللہ سے عام معنی مراد لینا درست نہیں، کیونکہ اس عموم سے تو فی سبیل اللہ کے دائرے میں اتنی وسعت ہو جائیگی کہ اس کے افراد کا شمار کیا ہوتا اس کے اصناف کا شمار ممکن نہ ہوگا، اور یہ عموم مصارف زکوۃ کے آٹھ میں محصور کرنے کے منافی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ معنی عام کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کے دائرے میں فقراء، مساکین، اور زکوۃ کے تمام مصارف آجائیں گے، پھر ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' اور اس کے ماقبل اور مابعد کے مصارف میں فرق کیا رہا؟ قرآن مجید سراپا بلاغت واعجاز ہے، اسے اس بے فائدہ تکرار سے پاک رکھنا ضروری ہے، لہذا اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' سے معنی خاص مراد لیا جائے تاکہ زکوۃ کا یہ مصرف دوسرے مصارف سے جدا ہو سکے، زمانہ قدیم سے اسی نکتہ کو سمجھ کر ہمارے مفسرین اور فقہاء نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا اور کہا کہ جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے، بہت سی احادیث صحیحہ کے استعمالات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کا معنی متبادر جہاد ہے......... یہ قرائن اس بات کی ترجیح کے لئے کافی ہیں کہ مصارف زکوۃ کی آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے (فقہ الزکوۃ ۲ / ۶۵۲-۶۵۷)۔

فی سبیل اللہ کی تفسیر ایک حدیث کی روشنی میں:

سبیل اللہ کی لغوی بحث سے فارغ ہونے کے بعد آیئے احادیث وآثار اور قدیم تفاسیر کی طرف رجوع کریں، فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے کے سلسلہ میں ہمیں ایک حدیث نبوی سے پوری رہنمائی ملتی ہے، یہ حدیث زکوۃ ہی کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اور فن حدیث کی مستند کتابوں میں مذکور ہے، ناقدین حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

"عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول الله ﷺ: لاتحل الصدقة لغنی إلا لخمسة لعا مل علیها أورجل اشتراها بماله أوغارم أو غاز فی سبیل الله أو مسکین تصدق علیه منها فأهدی لغنی منها" (یہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مستدرک حاکم وغیرہ میں آئی ہے)۔

(حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صدقہ صرف پانچ قسم کے اغنیاء کے لئے حلال ہے:۱۔ عامل صدقہ، ۲۔ جس شخص نے اپنے مال کے بدلہ میں صدقہ کا مال خریدا، ۳۔ مقروض شخص، ۴۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والا، ۵۔ کسی مسکین کو صدقہ کا مال دیا گیا، اس مسکین نے اس میں سے کسی مالدار کو ہدیہ کردیا)۔

اس حدیث کو محدثین نے صحیح اور قابل احتجاج قرار دیا ہے، اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی قید لگا کر زبان نبوت نے زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی مراد واضح کردی، اسی لئے فی سبیل اللہ کے مصداق پر بحث کرتے ہوئے متعدد مفسرین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، فقہاء اور محدثین کے یہاں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بہ طور سند پیش کی جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کے معاصر فقیہ و مجتہد امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ (متوفی ۲۲۴ھ) اپنی مشہور کتاب "کتاب الاموال" میں مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قال أبوعبید: فأرخص ﷺ للغازی أن یأخذ من الصدقة وإن کان غنیا ونراها تأویل هذه الآیة قوله فی سبیل الله" (کتاب الاموال/۶۱۰، ۶۱۱)۔

(ابوعبیدؒ نے کہا کہ اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے غازی کو غنی ہونے کے باوجود زکوۃ لینے کی اجازت دی اور ہم اسی کو قرآن پاک کی آیت (مصارف زکوۃ والی آیت) میں مذکور فی سبیل اللہ کی تفسیر سمجھتے ہیں)۔

مشہور شارح حدیث شیخ ابوسلیمان خطابیؒ "لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة"

Marfat.com

والی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فأما سهم السبيل فهو على عمومه وظاهره في الكتاب وقد جاء في هذا الحديث ما بيّنه و وكّد أمره فلا وجه للذهاب عنه“ (معالم السنن ۲/۲۳۵)۔

(فی سبیل اللہ والا حصہ قرآن پاک میں اپنے ظاہر اور عموم پر معلوم ہوتا ہے، لیکن اس حدیث کے بعض الفاظ نے ”فی سبیل اللہ“ کا معنی واضح کردیا ہے اور اسے مؤکد کردیا ہے، لہذا اس حدیث سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں)۔

علامہ ابن حزمؒ فی سبیل اللہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سبیل اللہ سے مراد راہ حق میں جہاد ہے.........حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صدقہ کسی غنی کے لئے حلال نہیں، سوائے پانچ کے: ۱۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والا، ۲۔ عامل صدقہ، ۳۔ مقروض شخص، ۴۔ وہ شخص جس نے صدقہ کا مال اپنے مال کے بدلے میں خریدا، ۵۔ جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو جسے صدقہ دیا گیا، مسکین نے وہ صدقہ اپنے مالدار پڑوسی کو ہدیہ کردیا.........اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ حج سبیل اللہ (راہ خدا) میں سے ہے، اور حضرت ابن عباس کا فتوی ہے کہ زکوۃ کا مال حج میں دیا جائے گا تو ہم جواب دیں گے کہ ہر کار خیر سبیل اللہ (راہ خدا) میں سے ہے، لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ صدقات کی تقسیم میں فی سبیل اللہ سے مراد نیکی کے تمام کام نہیں ہیں، لہذا یہ جائز نہیں ہے کہ یہاں پر سبیل اللہ سے اس کے علاوہ کوئی اور چیز مراد لی جائے، جسے نص حدیث نے بیان کردیا ہے اور نص حدیث میں بیان کردہ چیز وہی ہے جسے ہم نے ذکر کیا“ (المحلی لابن حزم: جلد ۳، جزء ۶، ص ۱۵۱، دار الفکر بیروت)۔

دور حاضر کے محدثین میں سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ نے بھی ”فی سبیل اللہ“ کے مصداق کی تعیین اسی حدیث کی روشنی میں کی۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ موطا امام مالکؒ کی شرح ”أوجز المسالک“ میں حدیث بالا کے ٹکڑے ”لغاز

Marfat.com

فی سبیل اللہ" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"هذا أحد التفاسير فی قوله تعالى فی مصارف الصدقة: "وفی سبيل الله" قال الباجیؒ: هو الغزو والجهاد قاله المالک وجمهور الفقهاء، وقال ابن حنبل: الحج، قلت: وبالأول قال أبويوسف، وبالثانی قال محمد، وفی البدائع: "فی سبيل الله" عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فی طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا قلت لكن المراد ههنا الأول لتقييد الحديث بغاز فی سبيل الله" (أوجز المسالک ۳/۲۲۳)۔

مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، اور اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ اور جہاد مراد ہے، کیونکہ شریعت کے عرف میں جب سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اکثر وہ جہاد پر محمول ہوتا ہے گویا کہ سبیل اللہ جہاد کے لئے مخصوص ہے، ابن العربی نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے: فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہیں (سبل اللہ) اگرچہ بہت ہیں، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں معلوم کہ یہاں پر سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، جمہور کا قول عطاء بن یسار کی اس حدیث کی وجہ سے بھی راجح ہے جس کی ہم اس وقت شرح کر رہے ہیں، یہ حدیث صحیح ہے اور آیت مصارف میں مذکور فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرتی ہے، لہٰذا فی سبیل اللہ کو مجاہدین پر محمول کرنا واجب ہے، جمہور کے اس استدلال کا کوئی تشفی بخش جواب میں نے مخالفین کی طرف سے نہیں دیکھا (مرقاۃ المفاتیح جز ثالث ۱۱۷، طبع اول)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث مرفوع زکوۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کی تفسیر سے متعلق نہیں ملتی، ہاں اس سلسلہ میں بعض تابعین کے آثار ضرور ملتے ہیں۔

Marfat.com

اس سلسلہ کے دو آثار یہاں نقل کئے ہیں، مشہور مفسر امام ابن جریر طبریؒ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وأما قوله: وفى سبيل الله فإنه يعنى، وفى النفقةفى نصرة دين الله وطريقه وشريعته التى شرعها لعباده بقتال أعدائه وذلک هو غزو الكفار وبالذى قلنا فى ذلک، قال أهل التاويل: ذكر من قال ذلک حد ثنى يونس قال: اخبر نا ابن وهب قال: قال ابن زيد: فى قوله "وفى سبيل الله" قال: الغازى فى سبيل الله" (جامع البیان ۱۴/ ۲۲۰، تحقیق محمود شاکر)۔

علامہ سیوطیؒ "الدرالمنثور" میں لکھتے ہیں:

"وفى سبيل الله أخر ج ابن أبى حاتم عن مقا تل فى قوله "وفى سبيل الله" قال: هم المجاهدون، وأخرج ابن أبى حاتم وأبوالشيخ عن ابن زيد فى قوله (وفى سبيل الله)" (الدرالمنثور ۳/ ۲۵۲)۔

ابن جریر طبری کی روایت میں جو ابن زید مذکور ہیں ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مراد ہیں، موصوف تابعین میں سے ہیں، علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان" میں طبقہ تابعین کے مختلف مفسرین کا ذکر کیا ہے، اس فہرست میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا نام بھی شامل ہے، ان مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فهولاء قدماء المفسرين و غالب أقوالهم تلقوها عن الصحابة" (الاتقان ۲/ ۴۱۸)۔

(یہ لوگ قدمائے مفسرین ہیں، ان کے اکثر اقوال صحابہ کرام سے سیکھے ہوئے ہیں)۔

حافظ ابن تیمیہؒ "مقدمہ فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:

"أعلم الناس بالتفسير أهل مكة، لأنهم اصحاب ابن عباس كمجاهد وعطاء بن أبى رباح وعكرمة مولى ابن عباس وسعيد بن جبير وطاؤس وغيرهم وكذلک فى الكوفة اصحاب ابن مسعود وعلماء أهل المدينة فى التفسير

Marfat.com

مثل زید بن اسلم الذی أخذ عنه ابنه عبد الرحمن بن زید و مالک بن انس"۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابن ابی حاتمؒ کے حوالہ سے جو پہلی روایت نقل کی ہے اس میں مقاتل سے مقاتل بن سلیمان مراد ہیں، امام شافعیؒ نے ان کی تفسیر کو صالح قرار دیا ہے، لیکن ناقدین رجال کی نظر میں ان کی شخصیت بہت کچھ مختلف فیہ ہے، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور مقاتلؒ بن سلیمان کے مذکورہ بالا اقوال و آثار کو اس بناء پر زیادہ تقویت مل جاتی ہے کہ جمہور فقہاء و مجتہدین نے فی سبیل اللہ کی وہی تفسیر اختیار کی ہے جو ان دونوں حضرات سے منقول ہے۔

فی سبیل اللہ اور مفسرین اسلام:

جمہور مفسرین کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد دین کی سربلندی کے لئے کفار سے قتال ہے اور فی سبیل اللہ کے مصداق راہ خدا میں غزوہ و قتال کرنے والے مجاہدین ہیں، قدیم تفاسیر میں مستند ترین تفسیر ابن جریر طبری کی "جامع البیان" مانی جاتی ہے، جامع البیان بعد میں لکھی جانے والی تمام تفاسیر کا بنیادی ماخذ ہے، طبری کا دستور یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں اگر اختلاف ہوتا ہے تو عموماً مختلف اقوال کو ذکر کر کے کسی قول کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن انھوں نے فی سبیل اللہ کے بارے میں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا ہے، ابن جریر کی تفسیر درج ذیل ہے:

"فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کے دشمنوں یعنی کفار سے قتال کر کے اللہ کے دین، راستے اور اللہ کی شریعت کی نصرت کی راہ میں خرچ کرنا ہے، غرضے کہ اس سے **مراد کفار سے جنگ** کرنا ہے، ہم نے فی سبیل اللہ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہی تفسیر دوسرے **علماء تفسیر نے بھی بیان کی** ہے، مجھ سے یونس نے بیان کیا کہ انھیں ابن وہب نے خبر دی کہ ابن زید نے فرمایا فی سبیل اللہ کا مصداق راہ خدا میں جہاد کرنے والا شخص ہے" (جامع البیان فی تفسیر القرآن ۶/ ۱۱۴، جزء ۱۰، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)۔

اس کے بعد ابن جریر نے ذو احادیث درج کی ہیں، جن سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، قرآن کی کوئی بھی مستند تفسیر اٹھا کے دیکھ لیجئے ہر ایک میں آپ کو یہی ملے گا کہ جمہور مفسرین

Marfat.com

ومجتہدین کے نزدیک ''فی سبیل اللہ'' سے مراد راہ خدا میں غزوہ وقتال کرنے والے مجاہدین ہیں۔ ہاں صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور مجتہدین میں امام محمد بن حسن شیبانی، امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق بن راہویہ کا یہ قول تفسیر وفقہ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حج کرنے والے افراد بھی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل ہیں۔

مشہور مفسر وفقیہ قاضی ابن العربی (متوفی ۵۵۴ھ) نے اپنی مایہ ناز کتاب ''احکام القرآن'' میں فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''امام مالک نے فرمایا: اللہ کی راہیں بہت ہیں، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں معلوم کہ اس مقام پر اللہ کی تمام راہوں میں سے راہ خدا میں جہاد مراد ہے، ہاں احمد بن حنبل اور اسحٰق سے منقول ہے کہ فی سبیل اللہ سے حج مراد ہے، میرے نزدیک ان دونوں کے قول کا صحیح محمل یہ ہے کہ جہاد کے ساتھ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، کیونکہ وہ بھی نیکی کا کام ہے، فی سبیل اللہ کی یہ تفسیر بند دروازہ کھول دیگی، قانون شریعت میں شگاف ڈال دیگی اور استدلال کی لڑی کو بکھیر دیگی، حج کی مد میں زکوۃ دینے کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں آئی ہے'' (احکام القرآن لابن عربی ۹۶۹/۲)۔

یہ اقتباس ان لوگوں کے لئے بڑا فکر انگیز ہے جو فی سبیل اللہ کا لفظی عموم دیکھ کر سلف کے اجماع سے آنکھیں بند کر کے ہر کار خیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی مشہور تفسیر ''الجامع الأحکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''قوله تعالى: ''وفى سبيل الله'' وهم الغزاة وموا ضع الر باط يعطون ماينفقون فى غزوهم كانوا أغنياء أوفقراء وهذا قول أكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالك رحمه الله، وقال ابن عمر: الحجاج والعمار ويؤثر عن أحمد وإسحاق رحمهما الله أنهما قالا: سبيل الله الحج'' (الجامع لاحکام القرآن جز ثانی ۱۸۵/۴)۔

Marfat.com

مشہور مفسر وفقیہ امام جصاص رازی ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین نے عموماً فی سبیل اللہ کی تفسیر میں دو قول نقل کئے ہیں، پہلا قول جمہور مفسرین وفقہاء کا ہے، جس کے مطابق فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۳۲۹/۴)۔

فقہاء کے اقوال وآراء:

کتب تفسیر کے مذکورہ بالا اقتباسات سے فقہاء مجتہدین کی فی سبیل اللہ کے بارے میں آراء واضح ہو چکی ہیں، پھر بھی ہم کتب فقہ وغیرہ سے چند مزید اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے فقہاء مجتہدین کے اقوال اور دلائل زیادہ آئینہ ہو کر سامنے آجائے، مشہور فلسفی وفقیہ ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) نے فی سبیل اللہ کے بارے میں مجتہدین امت کے مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا: اس سے مراد جہاد ورباط کی جگہیں ہیں، امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے، بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد حج اور عمرہ کرنے والے لوگ ہیں، امام شافعیؒ نے فرمایا: اس کا مصداق وہ غازی ہے جو صدقہ نکالنے کی جگہ کا رہنے والا ہو'' (بدایۃ المجتہد ۲۷۷/۱ مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی)۔

مشہور حنبلی فقیہ صاحب ''الشرح الکبیر علی متن المقنع'' نے زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

امام احمد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ حج فی سبیل اللہ کے اندر آتا ہے کہ نہیں؛ **ایک روایت یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم حج میں صرف نہیں کی جائیگی، یہی مسلک امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، ابو ثورؒ اور ابن المنذرؒ کا ہے، اور یہی مسلک زیادہ صحیح ہے، کیونکہ سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، قرآن میں جہاں جہاں سبیل اللہ**

Marfat.com

استعمال کیا گیا ہے معدودے چند جگہوں کو چھوڑ کر اس سے جہاد ہی مراد ہے، لہذا ضروری ہے کہ مصرف زکوۃ کے سلسلہ میں جو سبیل اللہ مذکور ہے اسے بھی جہاد پر محمول کیا جائے، کیونکہ یہ ظاہر وہی مراد ہے، دوسری بات یہ ہے کہ زکوۃ صرف دوطرح کے لوگوں پر خرچ کی جاتی ہے: ۱۔ جوخود محتاج ہو، مثلاً فقراء، مساکین، مکاتب، مدیون۔

۲- وہ شخص جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، مثلاً عامل صدقہ، غازی، مولفۃ قلوب، اصلاح ذات البین کے لئے تاوان بھرنے والا، فقیر کے حج سے مسلمانوں کا کوئی نفع نہیں ہے، نہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے، فقیر کو خود اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس پر حج فرض نہیں ہے۔ امام احمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ فقیر کو اتنا دیا جائے جس سے وہ حج فرض ادا کر سکے، یا اس کی ادائیگی میں سہارا بن سکے، حج کی مد میں زکوۃ دیا جانا حضرت ابن عباس سے مروی ہے، ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حج سبیل اللہ (راہ خدا) میں سے ہے، یہی اسحٰق کا قول ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی سبیل اللہ (راہ خدا) کے لئے وقف کی، اس شخص کی بیوی نے حج کرنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی بیوی کو اس اونٹنی پر حج کرنے بھیج دو، کیونکہ راہ خدا (سبیل اللہ) میں سے ہے، لیکن امام احمد کی پہلی روایت قابل ترجیح ہے، جہاں تک حدیث بالا کا تعلق ہے تو اس میں کیا استحالہ ہے کہ حج راہ خدا (سبیل اللہ) میں سے ہو، لیکن آیت میں سبیل اللہ سے مراد حج نہ ہو، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا (۲/۷۰۱)۔

نیز دیکھئے: مشہور محدث وفقیہ امام نووی شافعی کی مایہ ناز کتاب (المجموع شرح المہذب ۶/۱۵۸-۱۵۹)۔

فی سبیل اللہ اور فقہائے حنفیہ:

فی سبیل اللہ کے بارے میں فقہاء حنفیہ کی آراء کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک عاملین زکوۃ اور ''مؤلفۃ قلوب'' کے علاوہ زکوۃ کے تمام مصارف میں استحقاق زکوۃ کے لئے فقر کی شرط ہے، یعنی فی سبیل اللہ کا مصداق جس طبقہ کو بھی

Marfat.com

قرار دیا جائے وہ فقر اور حاجت مند ہونے ہی کی صورت میں زکوۃ کا مستحق ہوگا، اس لئے فی سبیل اللہ کے مصداق کے بارے میں فقہاء احناف کے درمیان جو بھی اختلاف ہو وہ زکوۃ کے تعلق سے لفظی اختلاف ہو کر رہ جاتا ہے، اس تمہید کے بعد فی سبیل اللہ کے بارے میں فقہاء کا مسلک لکھا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

''امام ابو یوسف کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق محتاج غازی ہیں، کیونکہ مطلق بولے جانے کی صورت میں وہی متبادر ہوتے ہیں، امام محمد کے نزدیک اس کا مصداق ضرورت مند حاجی ہیں، کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک اونٹ راہ خدا میں نذر کیا تو اسے حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس پر حج کرنے والے کو سوار کرے، مالدار غازیوں کو ہمارے نزدیک زکوۃ نہیں دی جائے گی، کیونکہ مصرف زکوۃ فقراء ہی ہیں'' (ہدایہ ۱/۱۸۵، نیز دیکھئے: عمدۃ القاری ۹/۴۵)۔

ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' میں تمام ائمہ احناف کے نزدیک فقر کی شرط لگانے کے بعد شیخین (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف) اور امام محمد کا اختلاف زکوۃ کے بارے میں زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز نہیں رہ جاتا، پھر بھی فقہاء احناف نے عموماً شیخین کے قول کو صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے (دیکھئے: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تصنیف ''اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک'' ۳/۲۲۳، حاشیہ طحطاوی علی الدر ۱/۴۶۵، فتح القدیر لابن الہمام ۲/۱۰۵)۔

میرے مطالعہ و تحقیق کی حد تک فقہاء احناف میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں تعمیم کرنے والے پہلے شخص ملک العلماء علاء الدین ابو بکر بن مسعود (متوفی ۵۸۷ھ) ہیں، ملک العلماء کاسانی صاحب ''ہدایہ'' شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کے معاصر ہیں۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''و أما قوله تعالى: ''وفي سبيل الله'' عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله و سبيل الخيرات إذا كان محتاجا'' (بدائع الصنائع ۲/۴۵)۔

Marfat.com

(اللہ تعالی کے قول وفی سبیل اللہ سے مراد تمام امور خیر ہیں، لہذا اس میں ہر شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت اور امور خیر میں سعی کرے بہ شرطیکہ وہ شخص محتاج ہو)۔

کاسانی کے بعد دوسرے شخص صاحب ''فتاوی ظہیریہ'' ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد (متوفی ۶۱۹ھ) ہیں، انھوں نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالب علموں کو قرار دیا، بعد کے فقہاء نے بر سبیل تذکرہ ان دونوں کی رائے بھی نقل کر دی، لیکن ترجیح جمہور کے مسلک کو دی جاتی رہی۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جمہور مفسرین وفقہاء کے مقابلہ میں ان دونوں حضرات کی رائیں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، خصوصا ایسی حالت میں جب کہ جمہور کے مسلک کی تائید بعض احادیث مرفوعہ اور آثار سے ہوتی ہے اور اگر ان رایوں کو قابل لحاظ قرار دیا جائے تو بھی اس تعیم سے زکوۃ کے مسئلہ میں کوئی حقیقی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ملک العلماء کاسانی وغیرہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہوئے وہ سب زکوۃ کے پہلے مصرف (فقراء) میں پہلے سے داخل تھے، اسی وجہ سے شیخ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

''''بدائع''، میں سبیل اللہ کی جو تفسیر تمام کار ہائے خیر اور طاعات سے کی گئی ہے اس میں صاحب بدائع نے کسی شخص کو زکوۃ کا مالک بنانے کی شرط لگائی ہے، لہذا کسی رفاہ عامہ کی مد میں زکوۃ نہیں دی جاسکتی اسی طرح یہ بھی شرط لگائی ہے کہ جس شخص کو زکوۃ دی جائے وہ فقیر ہو، لہذا یہ رائے بھی سبیل اللہ کے مفہوم میں تنگی کرنے والوں کے دائرے سے باہر نہیں ہے'' (فقہ الزکوۃ ۲/۶۴۴)۔

فی سبیل اللہ اور اجماع امت:

زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' پر اگر ہم ایک اور پہلو سے غور کریں تو کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنے میں زیادہ آسانی ہوگی، وہ پہلو یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں یہ بات متفق علیہ اور اجماعی رہی کہ مسجد کی تعمیر، رفاہی کاموں اور مختلف متعین نیک کاموں (مثلاً تکفین میت) میں زکوۃ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے، اب اگر ہم فی سبیل اللہ کو عام کر کے تمام

Marfat.com

رفاہی کاموں اور نیک کاموں کو اس کے دائرے میں لے آئیں تو اس سے صدیوں تک برقرار اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔

تعمیر مسجد وغیرہ میں زکوۃ صرف کرنے کا عدم جواز بیان کرتے ہوئے امام شافعی کے معاصر امام ابوعبید قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

''فأما قضاء الدين عن الميت و العطية في كفنه و بنيان المساجد و احتفار الأنهار و ما أشبه ذلك من أنواع البر، فإن سفيان و أهل العراق و غيرهم من العلماء يجمعون على أن ذلك لا يجزي من الزكوة، لأنه ليس من الأصناف الثمانية........ و قد أجمعت العلماء أن لايعطي من الزكوة في دين ميت'' (کتاب الأموال ر ۷۰۳ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

صاحب ''الافصاح عن معانی الصحاح'' عون الدین ابو المظفر یحیی بن محمد بن ہبیرہ (متوفی ۵۶۰ھ) اس بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کرتے ہیں:

''ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین میں زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں اگر چہ یہ سب کار خیر ہیں کیونکہ زکوۃ چند مصارف کے لئے متعین کردی گئی ہے'' (الافصاح عن معانی الصحاح ۱ر۲۳۱)۔

ابن ہبیرہ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ زاہد الکوثریؒ لکھتے ہیں:

''ابن ہبیرہ کی مراد یہ ہے کہ ان کاموں میں زکوۃ صرف کرنے کے عدم جواز پر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ان حضرات کا اتفاق ان سے پہلے گزرے ہوئے فقہاء صحابہ و تابعین کے اتفاق کا نتیجہ ہے'' (مقالات الکوثری ر ۱۸۹)۔

علامہ ابن حزم ظاہری ''المحلی'' میں فی سبیل اللہ کی بحث میں لکھتے ہیں:

''لا خلاف في أنه لم يرد كل وجه من وجوه البر في قسمة الصدقات'' (المحلی لابن حزم ۶ر۱۵۱)۔

Marfat.com

(یہ بات متفق علیہ ہے کہ صدقات کی تقسیم میں ''سبیل اللہ'' سے مراد نیکی کے تمام کام نہیں ہیں)۔

تعمیر مسجد وغیرہ میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے کے عدم جواز پر اجماع نقل کرنے کے بعد چاروں معروف و مروج فقہی مسالک کی مستند کتابوں سے اس مسئلہ کے بارے میں ایک ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

مشہور حنفی فقیہ ملک العلماء کاسانی ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں:

''اسی سے معلوم ہوا کہ مسجدوں، رباطوں اور سقایوں کی تعمیر، پلوں کی درستگی، مردوں کی تکفین وتدفین میں زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان میں تملیک بالکل نہیں پائی جاتی'' (بدائع الصنائع ۲/۳۹)۔

فقہ مالکی کی مستندترین کتاب ''الخرشی علی مختصر سیدی خلیل'' میں تحریر ہے:

''اوپر ذکر کردہ مدوں کے علاوہ کسی اور مد میں زکوۃ کا صرف کرنا جائز نہیں، مثلاً مسجدوں یا پلوں کی تعمیر یا مردوں کی تکفین، قیدیوں کی رہائی یا ان کے علاوہ دوسرے اجتماعی مصالح'' (۲/۲۱۶)۔

فقہ شافعی کے مشہور متن ''فتح المعین'' میں ہے:

''و لا یصرف من الزکوۃ شئ لکفن میت أو بناء مسجد'' (فتح المعین بشرح قرۃ العین/ ۵۲)۔

(زکوۃ میں سے کچھ بھی میت کی تکفین یا مسجد کی تعمیر میں صرف نہیں کیا جائے گا)۔

مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالی کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ دوسرے کاموں میں زکوۃ صرف کرنا درست نہیں، مثلاً مسجدوں، پلوں، سقایوں کی تعمیر، راستوں کی درستگی، دریا کے پشتوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، مہمانوں کی خاطر داری اور اس طرح کے دوسرے نیک کام جنھیں اللہ تعالی نے مصارف زکوۃ میں ذکر نہیں فرمایا'' (المغنی ۲/ ۵۲۷)۔

Marfat.com

اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' میں مجاہدین کے داخل ہونے پر امت کا اجماع ہے، جو حضرات فی سبیل اللہ کے دائرے میں حاجیوں کو شامل کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی مجاہدین فی سبیل اللہ میں آتے ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی کا جو اقتباس مفسرین کے اقوال و آراء کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے، حافظ ابن تیمیہ اور ابن قدامہ حنبلی وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''فأما الجهاد فهو أعظم سبيل الله بالنص و الإجماع و كذلك الحج في الأصح'' (فتاوی ابن تیمیہ ۱۴/ ۴۳، مطبوعہ دارالافتاء، ریاض)۔

(جہاد سبیل اللہ کا عظیم ترین فرد ہے نص اور اجماع کی بناء پر، اسی طرح صحیح تر قول کے مطابق حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے)۔

ابن قدامہ حنبلی صاحب ''المقنع'' کے قول '' السابع في سبيل الله'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لا خلاف في استحقاقهم و بقاء حكمهم و لا خلاف في أنهم الغزاة، لأن سبيل الله عند الإطلاق هو الغزو'' (الشرح الکبیر علی المقنع ۱/ ۲۴۹)۔

ان تصریحات کو نقل کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ دور حاضر کے بعض مصنفین نے فی سبیل اللہ کو عام کرنے کے جوش میں یہ دعوی کر دیا کہ فی سبیل اللہ کے دائرے میں مجاہدین کا شامل ہونا بھی مختلف فیہ رہا ہے، اس سلسلے میں خاص طور پر دو نام پیش کئے جاتے ہیں، صحابہ میں حضرت ابن عمر کا اور فقہاء مجتہدین میں امام محمد بن الحسن شیبانی کا، یہاں پر ہم حضرت ابن عمر اور امام محمد بن الحسن سے ایسی صراحتیں نقل کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک بھی مجاہدین فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

حافظ ابو محمد عبدالغنی نے تخریج کی ہے ...... عبد الرحمٰن بن ابی منعم (جن کی کنیت ابوالحکم ہے) بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ایک خاتون حاضر ہوئیں اور حضرت ابن عمر سے دریافت کیا: اے ابوعبدالرحمٰن میرے شوہر نے اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی وصیت کی تھی (میں اسے کہاں خرچ کروں؟) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اس کی وصیت کے مطابق وہ مال فی سبیل اللہ خرچ کرو، میں نے عرض کیا: اس خاتون کے سوال کا آپ نے تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اے ابن ابی منعم! تمھاری کیا رائے ہے؟، کیا میں خاتون کو یہ حکم دوں کہ وہ مال ان فوجیوں کو دے جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ابن ابی نعم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا، پھر آپ عورت کو وہ مال کہاں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: میں اسے حکم دیتا ہوں کہ یہ مال صالحین کی جماعت کو دے، یعنی بیت اللہ کے حاجیوں کو، وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، شیطان کے وفد کی طرح نہیں ہیں (حضرت ابن عمر نے یہ باتیں تین بار فرمائی) میں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن شیطان کا وفد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: جو لوگ ان امراء کے پاس جا کر چغلیاں کھاتے ہیں، مسلمانوں کی جھوٹی شکایتیں کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انھیں انعامات اور عطیوں سے نوازا جاتا ہے'' (الجامع لاحکام القرآن جز ۲، ۴/۱۸۵)۔

اس روایت سے دو باتیں بہت کھل کر واضح ہو جاتی ہیں:

۱- عہد صحابہ میں فی سبیل اللہ کا مصداق عموماً مجاہدین کو سمجھا جاتا تھا، اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ابن ابی نعم کے ٹوکنے پر فوراً یہ سمجھا کہ وہ اس زمانہ کی عام رائے کے مطابق فی سبیل اللہ کا مصداق صرف فوجیوں کو سمجھتے ہیں، اور جب حضرت ابن عمر نے وہ مال وصیت فوجیوں کو دینے کی مخالفت کی تو ابن ابی نعم نے حیرت سے پوچھا کہ پھر وہ مال آپ کہاں خرچ کرنے کا حکم دیں گے۔

۲- اس روایت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت ابن عمرؓ فی سبیل اللہ کی مد میں

Marfat.com

وصیت شدہ مال فوجیوں کو دینے کی مخالفت اس لئے نہیں کر رہے تھے کہ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ میں مجاہدین شامل نہیں تھے، بلکہ زمین میں فتنہ وفساد مچارہے تھے اور رہزنی کر رہے تھے۔

حضرت ابن عمر کے نزدیک مجاہدین فی سبیل اللہ میں شامل تھے اس کا بہت واضح ثبوت مؤطا امام مالک کی ایک روایت سے ملتا ہے:

''مالک عن نافع عن عبد الله بن عمر أنه كان إذا أعطى شيئا في سبيل الله يقول لصاحبه إذا بلغت وادي القرى فشانك به'' (موطا امام مالک کتاب الجہاد، نیز اس حدیث کی تشریح کے لئے دیکھئے: اوجز المسالک ۸/ ۲۴۳)۔

(امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ کسی کو فی سبیل اللہ کوئی چیز دیتے تھے تو اس سے کہتے کہ جب وادی القری پہنچ جانا تو اس مال میں جس طرح چاہو تصرف کرنا)۔

کتب فقہ میں امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الحاج کو قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین نہیں ہیں، دوسرے ائمہ کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بھی غزوہ وجہاد کرنے والے فی سبیل اللہ کا اولین مصداق ہیں، امام محمدؒ نے اپنی مشہور کتاب ''موطا امام محمد'' میں ''لا تحل الصدقة لغني'' والی حدیث روایت کرنے کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا یہ موقف اور نقطہ نظر بہت واضح طور پر سامنے آتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ (زکوۃ) کسی مالدار کے لئے حلال نہیں ہے سوائے پانچ کے: (۱) راہ خدا میں جہاد کرنے والا، (۲) زکوۃ وصول کرنے والا، (۳) مقروض شخص، (۴) وہ شخص جس نے اپنے مال سے زکوۃ کا مال خریدا، (۵) جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اس مسکین کو زکوۃ کا مال ملا اور اس نے وہ مال اپنے مالدار پڑوسی کو ہدیہ کر دیا، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کو ہم اختیار کرتے ہیں، ہاں غازی کو اگر مال زکوۃ کی ضرورت نہ ہو اور اپنی تونگری

Marfat.com

کے ذریعہ جہاد کر سکتا ہو تو اس کے لئے کچھ بھی مال زکوۃ لینا مستحب نہیں، اسی طرح اگر مقروض شخص کے پاس اتنا مال ہو جس سے قرض ادا کر سکتا ہو، اس کے بعد بھی اس کے پاس اتنا مال بچے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہو تو اس کے لئے کچھ بھی مال زکوۃ لینا مستحب نہیں، یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی قول ہے'' (موطا امام محمد کتاب الزکوۃ)۔

اس اقتباس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک غازی زکوۃ لے سکتا ہے اور یہ حقیقت بھی دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ زکوۃ کے آٹھوں مصارف میں غازی صرف مصرف فی سبیل اللہ میں داخل ہو سکتا ہے کسی اور مصرف میں نہیں آسکتا ہے۔

فی سبیل اللہ کی تعمیم کا نظریہ:

دور حاضر میں جو حضرات فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کے داعی ہیں ان کی طرف سے امام فخر الدین رازیؒ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے جمہور مفسرین وفقہاء کا قول نقل کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اللہ تعالی کے قول وفی سبیل اللہ کے ظاہری الفاظ غازیوں میں انحصار ثابت نہیں کرتے، اسی کو دیکھتے ہوئے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے تمام نیکی کے کاموں میں زکوۃ صرف کرنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً مردوں کی تکفین، قلعوں اور مسجدوں کی تعمیر، کیونکہ اللہ تعالی کا قول فی سبیل اللہ سب کے لئے عام ہے'' (التفسیر الکبیر ۱۶/ ۱۱۳)۔

امام رازیؒ نے قفال کی تفسیر کے حوالہ سے بعض فقہاء کی رائے نقل کی، اس کی تائید میں ایک حرف بھی نہیں لکھا، نہ ان بعض فقہاء کے ناموں کی نشاندہی کی جس سے ان کا مرتبہ ومقام جانا جاسکے، نہ قفال ہی کا پورا نام لکھا۔

ہمیں حیرت ہے کہ جو حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء مجتہدین کی متفقہ رائے کے مقابلہ میں تفسیر کبیر کا یہ اقتباس بڑی گھن گرج کے ساتھ پیش کرتے ہیں انھوں نے یہ تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ قفال سے کون سی شخصیت مراد ہے، وہ کس دور کے تھے اور ان کے کیا

Marfat.com

رجحانات تھے، نیز وہ بعض گم نام فقہاء کون ہیں جن کی رائے قفال نے نقل کی ہے؟

شیخ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکوۃ'' کی فہرس الأعلام (شخصیات کا انڈکس) میں مذکورہ بالا قفال کے بارے میں لکھا ہے:

''لعله القفال الصغير عبد الله بن احمد المتوفى ۴۱۷ھ''۔

(شاید قفال سے مراد قفال صغیر عبداللہ بن احمد متوفی ۴۱۷ھ ہیں)۔

میرے خیال میں شیخ یوسف القرضاوی کی یہ قیاس آرائی درست نہیں، اس لئے کہ قفال صغیر کے حالات وتصنیفات میں کسی تفسیر کا ذکر نہیں آتا، امام رازیؒ سے قبل تین قفال گزرے ہیں: (۱) محمد بن علی اسماعیل القفال الکبیر متوفی ۳۶۵ھ، (۲) عبداللہ بن احمد القفال الصغیر متوفی ۴۱۷ھ، (۳) محمد بن احمد بن حسین متوفی ۵۰۷ھ۔ ان میں سے دوسرے اور تیسرے قفال کے حالات وتصنیفات میں کسی تفسیر کا ذکر نہیں آتا، ہاں قفال کبیر محمد بن علی بن اسماعیل متوفی ۳۶۵ھ کے حالات میں ان کی تفسیر قرآن کا ذکر آتا ہے، لہذا میرا خیال یہ ہے کہ امام رازیؒ نے جس قفال کا حوالہ دیا ہے وہ یہی قفال کبیر ہیں، میرے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ داودی نے ''طبقات المفسرین'' میں امام نوویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قفال کبیر کا ذکر تفسیر، حدیث، اصول، کلام میں بار بار آتا ہے، اس کے برخلاف قفال صغیر مروزی کا ذکر صرف علم فقہ میں آتا ہے، داودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے قفال کبیر کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں بہت سی باتیں لکھی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: طبقات المفسرین ۲/۱۹۷، طبقات الشافعیہ الکبری ۳/۲۰۱، تحقیق محمود محمد الطناحی، مقالات الکوثری ص ۱۹۱)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر کو ترک کر کے مخالف مذہب اختیار کرنے والا خطا کار بلکہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے، اگرچہ ایسا شخص مجتہد ہی ہو، اس کی خطا معاف ہو۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ وہ بعض فقہاء کون ہیں جن کا قول قفال نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے؟ اس کی تحقیق اب تک کوئی نہیں کر سکا، خدا جانے قفال نے ان بعض فقہاء کا نام

Marfat.com

ذکر کیا ہے، یا نہیں؟ قفال کی تفسیر دستیاب نہیں ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جاسکے، قفال کبیر سے پہلے کے فقہاء مجتہدین کی تصنیفات، آراء، اجتہادات کا عظیم الشان ذخیرہ بحمد اللہ اسلامی کتب خانوں میں محفوظ ہے، تحقیق وتلاش کی ہفت خواں طے کرنے کے باوجود فی سبیل اللہ میں تعمیم کرنے والے قفال کبیر سے متقدم کسی فقیہ، یا مجتہد کا نام پیش نہیں کرسکے جس نے وضاحت کے ساتھ فی سبیل اللہ کو بالکل عام قرار دیا ہو۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ قفال کبیر کو ان بعض فقہاء کی بات سمجھنے میں مغالطہ ہوا، جس طرح مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ متوفی ۶۲۰ھ غلط فہمی کا شکار ہوئے، ابن قدامہ حنبلی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المغنی'' میں جمہور فقہاء کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ زکوۃ کو آٹھ مصارف کے علاوہ کسی اور کار خیر میں خرچ کرنا درست نہیں، مثلاً مساجد، پلوں، راستوں کی تعمیر اور درستگی، میت کی تجہیز وتکفین وغیرہ، اس کے بعد ابن قدامہ نے انس بن مالک اور حسن بصری کی طرف یہ رائے منسوب کی ہے کہ زکوۃ کا مال پلوں اور راستوں کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں تعمیم کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ نے انس بن مالک اور حسن بصری کے مقولہ: ''ما أعطيت فى الجسور والطرق فهى صدقة ماضية'' کا یہی مطلب سمجھا کہ پلوں اور راستوں میں زکوۃ کا مال صرف کرنا درست ہے، لیکن مشہور مجتہد ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ نے ''کتاب الاموال'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ انس بن مالک اور حسن بصری کے مذکورہ مقولہ کی روایت کی ہے، ابراہیم نخعی، شعبی وغیرہ سے بھی اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں، اور اس مقولہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ سڑکوں اور پلوں پر متعین عاشر (حکومت کی طرف سے زکوۃ وعشر وغیرہ وصول کرنے والے) اموال تجارت اور اموال ظاہرہ میں سے جو کچھ وصول کرتے ہیں اس سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جاتی ہے، میمون بن مہران کا مسلک یہ تھا کہ اس سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ''باب من قال يحتسب بما أخذ العاشر'' میں درج کیا ہے اور ان روایات کا وہی مفہوم سمجھا ہے جو ابو عبید قاسم بن سلام نے بیان

Marfat.com

کیا، اس لئے بے تردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابن قدامہ حنبلی سے انس بن مالک اور حسن بصری کا مقولہ سمجھنے میں غلطی ہوئی، کیا بعید ہے کہ قفال کبیر کو بھی بعض فقہاء کی اسی طرح کی عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہو اور اسی کو بنیاد بنا کر انھوں نے تعمیم والا نظریہ بعض فقہاء کی طرف منسوب کر دیا ہو، یہ شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ کتب تفسیر وحدیث وفقہ کی طرف کافی مراجعت کے باوجود ہمیں کہیں نہیں ملا کہ قفال کبیر کے معاصر، یا متقدم کسی فقیہ نے تمام امور خیر کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو۔

بعض شاذ آراء:

قاضی عیاض مالکی کے بارے میں علامہ نوویؒ نے ''شرح مسلم'' میں اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ انھوں نے بعض علماء کی طرف مصالح عامہ میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز منسوب کیا ہے، اس موقع پر ہم امام نوویؒ کا اقتباس نقل کرنے کے بعد اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں، امام نوویؒ کی عبارت خاصی طویل ہے لیکن اس موضوع پر بھرپور ہے، لہذا طویل ہونے کے باوجود اسے نقل کیا جاتا ہے:

''قوله (إن النبی ﷺ أعطى عقله) أی دیته وفی الروایة الأخرى فوداه رسول الله ﷺ من قبله وفی روا یة من عنده فقوله وداه بتخفیف الدال دفع دیته، وفی روایة: فکره رسول الله ﷺ أن یبطل دمه فوداه مائة من إبل الصدقة إنما وداه رسول الله ﷺ قطعا للنزاع وإصلاحا لذات البین، فان أهل القتیل لایستحقون إلا أن یحلفوا أو یستحلفوا المدعی علیهم وقد امتنعوا من الأمرین وهم مکسورون بقتل صاحبهم فأراد ﷺ جبرهم وقطع المنازعة وإصلاح ذات البین بدفع دیته من عنده، وقوله فوداه من عنده: یحتمل أن یکون من خالص ماله فی بعض الأحوال صادف ذلک عنده، ویحتمل أنه من مال بیت المال ومصالح المسلمین، أما قوله فی الروایة الأخیرة من إبل

Marfat.com

الصدقة؛ فقد قال بعض العلماء: إنها غلط من الرواة؛ لأن الصدقة المفروضة لاتصرف هذاالمصرف بل هي لأصناف سماهم الله تعالى، وقال الإمام أبواسحاق المروزى من أصحابنا: يجوز صرفها من إبل الزكاة لهذاالحديث فأخذ بظاهره، وقال جمهور أصحابنا وغيرهم: معناه اشتراه من أهل الصدقات بعد أن ملكوها ثم دفعهاتبرعا إلى أهل القتيل، وحكى القاضي عن بعض العلماء: أنه يجوز صرف الزكاة في مصالح العامة، وتأول هذاالحديث عليه وتأوله بعضهم على أن أولياء القتيل كانوا محتاجين ممن تباح لهم الزكاة، وهذا تأويل باطل: لأن هذاقدر كثير لايدفع إلى الواحد الحامل من الزكاة بخلاف أشراف القبائل، ولأنه سماه دية، وتأوله بعضهم على أنه دفعه من سهم المؤلفة من الزكاة استئلافا لليهود لعلهم يسلمون، وهذا ضعيف؛ لأن الزكاة لايجوزصرفها إلى كافر فالمختار ماحكيناه عن الجمهور أنه اشتراها من إبل الصدقة " (الجامع الصحیح للمسلم مع شرح النووی: جلد ۶، جز ۱۱، ص ۱۴۷، ۱۴۸، طبع دوم دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔

امام نوویؒ کے اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دیت والی حدیث سے مصالح مسلمین میں زکوۃ صرف کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، دیت والے واقعہ کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی تھی، اس حدیث کے بعض طرق میں جو یہ بات ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ مقتول کی دیت کے طور پر دیئے اسے محدثین نے، یا تو راوی کی غلطی قرار دی، یا اس میں تاویل کی ،قاضی عیاض مالکیؒ نے ان بعض علماء کے نام کی نشاندہی نہیں کی جنھوں نے دیت والے واقعہ کو بنیاد بنا کر مصالح مسلمین میں زکوۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیا، ظاہر ہے کہ کسی ایسے شخص کی رائے کو کیا اہمیت دی جاسکتی ہے جسکا نام تک معلوم نہیں، خصوصا ایسی صورت میں جبکہ وہ رائے اجماع امت کے خلاف ہو، اور کمزور دلیل پر مبنی ہو، ابواسحاق مروزی چوتھی صدی ہجری کے مشہور فقیہ

Marfat.com

ہیں، زکوۃ کی رقم سے دیت ادا کرنے کے بارے میں ان کی رائے اسی حدیث پر مبنی ہے جس پر علامہ نووی نے تفصیلی کلام کیا ہے، امام نووی کی بحث سے امام ابواسحاق مروزی کے استدلال کی کمزوری واضح ہوچکی، خود فقہاء شافعیہ میں سے کسی ایک نے بھی اس مسئلہ میں ابواسحاق مروزی کی تائید نہیں کی، علماء اور فقہاء کی اس طرح کی شاذ آراء کی اتباع درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں امام اوزاعی کی یہ فکر انگیز تنبیہ ہمیشہ مدنظر رہنی چاہئے۔

”من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الإسلام“ (حاشیہ الموافقات للشاطبی ۴؍۱۴۴)۔
(جس شخص نے علماء کی نادر آراء کو اختیار کیا وہ اسلام سے باہر ہوگیا)۔

فی سبیل اللہ اور حج:

زکوۃ کے ساتویں مصرف ”فی سبیل اللہ“ کے بارے میں ابتداء اسلام سے دو مسلک معروف رہے، جمہور صحابہ اور اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین کو بتایا اور بعض صحابہ اور بعض فقہاء کے نزدیک مجاہدین کے ساتھ حجاج بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں، ان دو مسالک میں سے پہلے مسلک کو امت میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی، لیکن دوسرا مسلک بھی کسی نہ کسی درجہ میں تاریخ اسلام کے تقریبا ہر دور میں موجود رہا، اگرچہ بعض ادوار میں اس کو اختیار کرنے والے اس درجہ کمیاب تھے کہ بعض باخبر اور صاحب نظر فقہاء کو دوسرا مسلک متروک ومہجور محسوس ہونے لگا، چنانچہ امام شافعیؒ کے معاصر مشہور مجتہد ابوعبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ نے زکوۃ کی رقم حاجیوں کو دینے کے جواز کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

”قال أبو عبيد: وليس الناس على هذا ولا أعلم أحدا افتى به أن تصرف الزكاة إلى الحج وإنما افترق هو والعتق، لأنه ليس بمسمّى فى الأصناف الثمانية إلا بالتأول، وأما العتق فهو مسمّى وهو قوله تبارك وتعالى: وفى الرقاب“ (کتاب الاموال ۱؍۶۰۱، ۶۰۲)۔

Marfat.com

نواب صدیق حسن صاحب کے نظریہ کا جائزہ:

فی سبیل اللہ کے بارے میں کئی سو سال تک یہی دو مسلک معروف و مروج رہے، اس سلسلہ میں تیسرا قول کئی سو سال کے بعد وجود میں آیا، جسے امام رازیؒ نے قفال کے حوالہ سے بعض گمنام فقہاء کی طرف منسوب کیا، اس قول میں فی سبیل اللہ کے لغوی عموم کا سہارا لے کر ہر کار خیر کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے، یہ قول علمی لحاظ سے اس قدر کمزور ہے کہ اس کا ضعف بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن دور حاضر میں مختلف اسباب کی بناء پر اس قول کو رواج حاصل ہو رہا ہے، اس لئے مختصراً اس کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے، میری معلومات کی حد تک فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کی سب سے بھرپور وکالت نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی کتاب ''الروضۃ الندیہ'' میں کی ہے، اس لئے نواب صاحب کا استدلال پیش کر کے اس کا علمی جائزہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

یہاں پر فی سبیل اللہ سے مراد اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہے، جہاد اگرچہ خدا تک رسائی کا سب سے عظیم راستہ ہے، لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ والا حصہ جہاد کے لئے مخصوص ہے بلکہ زکوۃ کے اس حصہ کا ان تمام کاموں میں خرچ کرنا درست ہے جو راہ خدا میں شامل ہوں، لغت کے اعتبار سے یہی آیت کا معنی ہے اور صحیح نقل شرعی نہ ہونے کی صورت میں لغوی معانی پر انحصار کرنا واجب ہے .... سبیل اللہ (راہ خدا) میں خرچ کرنے کی ایک صورت ان علماء پر خرچ کرنا ہے جو مسلمانوں کے دینی امور انجام دے رہے ہیں، خواہ وہ مالدار ہوں، یا فقیر، کیونکہ اللہ کے مال میں ان کا حصہ ہے، بلکہ اس مد میں خرچ کرنا زیادہ اہم ہے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارثین اور دین کے حاملین ہیں........ انھیں کے ذریعہ دین اسلام اور شریعت محمدی ﷺ کی حفاظت ہوتی ہے۔

علماء صحابہ اتنا عطیہ لیا کرتے تھے جو ان کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوا کرتا، جس سے وہ لوگ اپنے پاس آنے والے فقراء وغیرہ کی ضرورتیں بھی پوری کرتے تھے، یہ بات مشہور ہے کہ

Marfat.com

بعض علماء صحابہ ایک لاکھ درہم سے زائد لیا کرتے تھے اور زکوۃ کا مال بھی ان اموال میں سے ہوتا تھا جو مذکورہ بالا طریقے پر مسلمانوں میں تقسیم کئے جاتے تھے، حضرت عمر نے جب یہ کہتے ہوئے لینے سے عذر کیا کہ جو لوگ مجھ سے زیادہ حاجت مند ہیں انھیں دے دیجئے، تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اشراف نفس اور سوال کے بغیر تمھارے پاس جو مال آئے اسے لے لو، اور جو مال اس طرح نہ آئے اس کے پیچھے اپنے آپ کو نہ تھکاؤ، جیسا کہ ''صحیح بخاری'' میں آیا ہے، اور معاملہ ظاہر ہے (الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۶-۲۰۷)۔

نواب صدیق حسن خاں کے دلائل کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ بات ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے اپنی تفسیر ''فتح البیان'' میں جمہور فقہاء کے قول کو اختیار کیا ہے، انھوں نے پہلے جمہور کا یہ قول نقل کیا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی اور مرابط ہیں، اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق ابن راہویہؒ کا قول ذکر کیا، پھر تحریر فرمایا:

''بعض لوگوں نے کہا کہ فی سبیل اللہ (راہ خدا) کا لفظ عام ہے، لہذا اسے کار خیر کے **کسی خاص قسم میں محدود کرنا** درست نہیں، بلکہ اس میں کار خیر کی تمام صورتیں داخل ہیں، پہلا قول **(جمہور کا قول) قابل ترجیح** ہے، کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے'' (تفسیر فتح البیان ۴/۱۲۴)۔

''فتح البیان'' اور ''الروضۃ الندیہ'' کے سنین اشاعت اور بعض دوسرے قرائن سے یہ بات **تقریبا یقینی** ہے کہ نواب صاحب نے تفسیر ''فتح البیان، الروضۃ الندیہ'' کے بعد تصنیف کی ہے، لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نواب صاحب نے ''الروضۃ الندیہ'' میں پیش کردہ تعمیم کے نظریہ سے اپنی تفسیر میں رجوع کرلیا، لیکن دور حاضر میں فی سبیل اللہ کی تعمیم کرنے والے چونکہ بڑی بلند آمیز کے بعد ''الروضۃ الندیہ'' میں پیش کردہ نواب صاحب کے دلائل کا اعادہ کرتے ہیں، اس لئے آئندہ صفحات میں ان دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب کے استدلال کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ سبیل اللہ لغت کے اعتبار سے عام ہے، اس میں ہر وہ **عمل داخل ہے جو اللہ تعالی کو خوش کرنے والا ہو اور** شریعت نے **سبیل اللہ کو کوئی**

Marfat.com

خاص مفہوم نہیں دیا ہے، یعنی فی سبیل اللہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ میں سے نہیں ہے، لہذا اسے لغوی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

نواب صاحب کی اس دلیل کا پہلا مقدمہ بالکل درست ہے، بلاشبہ سبیل اللہ لغت کے اعتبار سے عام ہے اس میں ہر کار خیر شامل ہے، لیکن اس دلیل کا دوسرا مقدمہ غلط ہے، یہ سمجھنا کہ شریعت نے فی سبیل اللہ کو کوئی خاص مفہوم نہیں دیا ہے اور یہ لفظ اصطلاحات شرع میں سے نہیں ہے غلط ہے، آیات واحادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب وسنت میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے (کسی قید اور قرینہ کے بغیر) تو اس سے غزوہ وجہاد مراد ہوتا ہے۔

علامہ ابن الاثیرؒ لکھتے ہیں:

"وإذا أطلق سبيل الله فهو الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة الاستعمال كأنه مقصور عليه" (النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۳۳۸)۔

علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں:

"إذا أطلق ذكر سبيل الله فالمراد به الجهاد" (فتح الباری ۷/۴۷)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"المتبادر إلى الأفهام أن سبيل الله تعالى هو الغزو وأكثر ما جاء في القرآن العزيز كذالک" (المجموع ۶/۲۱۲)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"المتبادر عند إطلاق لفظ في سبيل الله الجهاد" (فتح الباری ۷/۲۹)۔

فقہاء، محدثین، مفسرین کی اس طرح کی بے شمار عبارتیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، حدیث کی کتابوں میں "کتاب الجہاد" کا مطالعہ کیا جائے تو ایسی بہت سی حدیثیں ملیں گی جن میں فی سبیل اللہ کو مطلق استعمال کیا ہے اور محدثین اس سے جہاد مراد لیتے ہیں اور علماء امت نے ہمیشہ ان احادیث میں فی سبیل اللہ سے جہاد کا مفہوم سمجھا، مثال کے طور پر چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

Marfat.com

۱–"عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لغدوة فی سبیل الله أوروحة خير من الدنيا وما فيها" (بخاری کتاب الجہاد)۔

۲– "عن أبی سعود الأنصاری قال: جاء رجل بناقة مخطومة، فقال: هذه فی سبيل الله، فقال رسول الله ﷺ: لک بها يوم القيامة سبع مائة ناقة كلها مخطومة" (صحیح مسلم کتاب الإمارۃ)۔

۳– "عن أبی عبس قال: قال رسول الله ﷺ: ما اغبرتاقدماعبد فی سبیل الله فتمسه النار" (صحیح بخاری کتاب الجہاد)۔

۴– "عن خريم بن فاتک رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من أنفق نفقة فی سبیل الله كتبت بسبعمائة ضعف رواه النسائی والترمذی وقال: حديث حسن" (الترغیب والترہیب کتاب الجہاد، ج ۲)۔

۵–"عن أبی سعيد الخدر ی رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مامن عبد يصوم يوما فی سبيل الله الإباعد الله بذلک اليوم وجهه عن النا ر سبعين خريفاً رواه البخاری والترمذی والنسائی" (حوالہ سابق)۔

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ کتب احادیث کے "ابواب الجہاد" میں ایسی حدیثیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہوا ہے اور اس سے محدثین نے عسکری جہاد مراد لیا ہے۔

متعدد احادیث سے دور نبوی اور دور صحابہ کا یہ عرف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام فی سبیل اللہ بول کر جہاد مراد لیا کرتے تھے، اس سلسلے کی ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے۔

امام منذریؒ نے "الترغیب والترہیب" میں، "معجم طبرانی" کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ایک روز رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، صحابہ کرام نے ایک بھرپور جوانی اور طاقت والے شخص کو دیکھا تو کہا: "لو كان شبابه و جلده

Marfat.com

فی سبیل اللہ'' (کاش اس کی جوانی اور قوت راہ جہاد میں صرف ہوتی) صحابہ کرامؓ نے اپنے اس جملہ میں فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا۔

فی سبیل اللہ کے لغوی عموم سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے علامہ زاہد الکوثری نے اس کی تفصیل لکھی ہے (دیکھئے: مقالات الکوثری ر ۱۹۲-۱۹۳)۔

اگر ان حقائق سے صرف نظر کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اور مطلق استعمال ہونے کی صورت میں اس سے جہاد مراد ہوتا ہے تو بھی مصارف زکوۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ سے معنی عام مراد نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ کتاب وسنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال معنی عام (ہر نیک کام) معنی خاص (جہاد) دونوں کے لئے ہوا ہے، فی سبیل اللہ کے ان دونوں معانی کو اگر یکساں حیثیت دی جائے اور معنی خاص (جہاد) کو حقیقت شرعیہ کا مقام نہ دیا جائے تو بھی آیت مصارف میں معنی خاص (جہاد) مراد لینے کو مختلف اسباب کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔

۱-آیت مصارف (سورہ توبہ کی آیت: ۶۰) میں حصر کے ساتھ زکوۃ صرف کرنے کی آٹھ مدیں متعین کی گئی ہیں، حصر کے ساتھ زکوۃ کے آٹھ مصارف متعین کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت زکوۃ صرف کرنے کے لئے کچھ حدود متعین کرنا چاہتی ہے اور بندشیں لگانا چاہتی ہے، اگر زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو معنی عام پر محمول کرتے ہوئے اس میں ہر کار خیر کو شامل کر لیا گیا تو حصر کے ساتھ زکوۃ کے آٹھ مصارف متعین کرنا بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور مصارف کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جائے گا کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس دائرہ سے باہر رہ جائے۔

۲-سورہ توبہ کی (آیت ۶۰) میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں، ان میں ساتواں نمبر فی سبیل اللہ کا ہے، اس کے بعد آٹھویں مصرف ''ابن السبیل'' کا ذکر کیا گیا ہے، اگر فی سبیل اللہ کو معنی عام (ہر نیک کام) پر محمول کیا جائے تو باقی ساتوں مصارف اسی میں شامل ہو جائیں گے اور نتیجہ کے اعتبار سے زکوۃ کا صرف ایک مصرف ہو جائے گا، یعنی فی سبیل اللہ، ایسی

Marfat.com

صورت میں باقی سات مصارف کا تذکرہ زائد از ضرورت ہوگا اور قرآن پاک میں بے جا تکرار لازم آئیگا، اس لئے بھی لازم ہے کہ زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے معنی خاص ''جہاد'' مراد لیا جائے۔

۳- اگر مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ سے معنی عام مراد ہوتا تو کلام عرب کے اسلوب کے اعتبار سے یہ لازم تھا کہ اس کا ذکر سب سے ابتداء میں، یا سب سے آخر میں کیا جاتا، کیونکہ عربی زبان کا معروف اسلوب یہی ہے کہ اگر چند مخصوص امور اور ایک امر عام کا بذریعہ عطف ایک ساتھ ذکر ہوتا ہے تو امر عام کو یا تو بالکل شروع میں لاتے ہیں، یا سب سے آخر میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے، یعنی تخصیص کے بعد تعیم ہوتی ہے، یا تعیم کے بعد تخصیص ہوتی ہے، عربی زبان کے لئے یہ اسلوب بالکل نامانوس ہے کہ امر عام کا ذکر چند خاص افراد کے درمیان کیا جائے، امر عام سے پہلے چند مخصوص امور کا ذکر ہو اور امر عام کے بعد بھی کسی فرد خاص کا ذکر لایا جائے۔

۴- مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ سے معنی عام مراد نہ ہونے کا ایک واضح قرینہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وہ روایت ہے جس کا ذکر بار بار ہو چکا ہے، اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ ''غاز'' کی قید نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ فی سبیل اللہ سے معنی خاص جہاد مراد ہے۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ قرآن سے معانی مراد لینے کے بارے میں چند ضابطے علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''الاتقان'' سے نقل کر دیے جائیں۔ علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:

''وكل لفظٍ احتمل معنيين فصاعدًا فهو الذى لايجوز لغير العلماء الاجتهاد فيه وعليهم اعتماد الشواهد والدلائل دون مجرد الرأى .

فإن كان أحد المعنيين أظهر وجب الحمل عليه إلا أن يقوم دليل على أن المراد هو الخفى .

وإن استويا والاستعمال فيهما حقيقة لكن فى أحدهما حقيقة لغوية أوعرفية وفى الأخر شرعية فالحمل على الشرعية أولى إلا أن يدل دليل على إرادة اللغوية كما فى وصل عليهم أن صلوتك سكن لهم .

Marfat.com

ولو كان فى أحدهما عرفية والآخرلغوية فالحمل على اللغوية أولى" (الاتقان فی علوم القرآن ۲ر۴۰۱)۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''الروضہ الندیہ'' میں زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس پر تنقید کرتے ہوئے صاحب ''تفسیر المنار'' سید رشید رضا لکھتے ہیں:

'' اس لفظ ''سبیل اللہ'' کا عموم ہر اس امر مشروع کو شامل ہے جس سے اللہ کی رضامندی مقصود ہو، اللہ کا کلمہ بلند کر کے اس کا دین قائم کر کے اچھی طرح اس کی بندگی کر کے اس کے بندوں کو نفع پہنچا کر، اس میں وہ مالی و جانی جہاد داخل نہیں جو ریا کاری اور شہرت طلبی کے لئے ہو، اس عموم کا اسلاف و اخلاف میں سے کوئی قائل نہیں اور نہ عموم یہاں مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ اخلاص جس کے نتیجہ میں کوئی عمل راہ خدا میں شمار ہوتا ہے باطنی چیز ہے، اسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، لہذا حکومت کے مالی حقوق اس پر دائر نہیں ہو سکتے، اگر یہ کہا جائے کہ مومن کی ہر طاعت میں اصل یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے ہوگی، لہذا ظاہر کو دیکھتے ہوئے حقوق میں اس کی رعایت کی جائے تو اس کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ ہر نمازی، روزہ دار، صدقہ دہندہ، تلاوت قرآن کرنے والا، اللہ کو یاد کرنے والا، راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے والا، اپنے اس عمل کے نتیجہ میں شرعی زکوۃ کا مستحق ہو گیا خواہ مال دار ہی ہو، یہ بات بھی اجماع امت کے خلاف ہے اور اس عموم کا مراد ہونا مستحقین زکوۃ آٹھ مصارف میں منحصر ہونے کے منافی ہے، کیونکہ اس صورت میں صرف ایک ہی قسم فی سبیل اللہ کے اصناف بے حدود شمار ہو جائیں گے، افراد کا تو کہنا ہی کیا، اور جب اس کا معاملہ سلاطین و امراء کے سپرد کر دیا جائے گا تو وہ لوگ اپنی خواہشات نفس سے اس میں ایسے تصرفات کریں گے کہ زکوۃ کی فرضیت کا مقصد فوت ہو جائے گا (التفسیر المنار ار ۵۰۳، ۵۰۴)۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنے استدلال میں دوسری بات یہ پیش کی ہے کہ علماء پر خرچ کرنا فی سبیل اللہ کی اہم ترین مد ہے کیوں کہ علماء وارثین انبیاء، حاملین دین، محافظین

Marfat.com

اسلام ہیں، اللہ کے مال میں ان کا حق ہے اور علماء صحابہ بیت المال سے عطیات لیا کرتے تھے، نواب صاحب کی یہ باتیں دلیل کی حیثیت نہیں رکھتیں، کوئی شخص الٹ کر پوچھ سکتا ہے کہ کیا وارثین انبیاء اور حاملین دین ہونے کی حیثیت سے علماء کا اعزاز یہی ہے کہ فقر واحتیاج کے بغیر زکوۃ کے مال سے اپنے کو ملوث کریں، جبکہ زکوۃ کو اوساخ الناس ،لوگوں کا میل کچیل قرار دیا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ کی معنوی وراثت کا تقاضا یہی ہے کہ علماء ہر حال میں زکوۃ کو اپنا حق سمجھیں اور اسے لینے میں اعزاز وخوشی محسوس کریں، علماء صحابہ بیت المال سے عطیات لیا کرتے تھے، اسے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں زکوۃ کی رقم دی جاتی تھی اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زکوۃ کا مال وہ لوگ فقر واحتیاج کے بغیر لیتے تھے، نواب صاحب کا دعوی اس وقت ثابت ہوتا جب وہ کم ازکم ایک واقعہ ایسا پیش کرتے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی صحابی کو اسکے مالدار ہونے کے باوجود محض اس کی علمی ودینی خدمات کی بناء پر مال زکوۃ میں سے دیا ہو۔

نواب صاحب مرحوم کی تحریر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین میں بیت المال میں ہر مد اور مصرف کا مال ایک ہی جگہ جمع کر دیا جاتا تھا، خواہ عشر وزکوۃ کا مال ہو، یا غنیمت وخمس کا مال ہو، یا بطور خراج وجزیہ حاصل ہونے والا مال ہو، بیت المال میں مختلف ذرائع آمدنی کا الگ الگ حساب کتاب نہیں تھا، بلکہ سب کو ایک ہی میں خلط ملط کر دیا جاتا تھا، اسلام کے عہد زریں میں اسلامی بیت المال کی یہ تصویر بڑی مغالطہ انگیز اور تاریک ہے، قرآن وسنت میں بیت المال کے مختلف ذرائع آمدنی سے حاصل ہونے والے مالوں کی الگ الگ مدیں بتا دی گئی ہیں، ہر قسم کے مال کے مصارف شریعت میں متعین کر دئے گئے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خلفاء راشدین کتاب وسنت کی تصریحات کو پس پشت ڈال کر بیت المال میں آنے والا ہر مال اکٹھا جمع کرتے رہیں اور پھر جب مصرف میں خرچ کرنے کی ضرورت پڑے اسی مشترکہ فنڈ سے خرچ کیا کریں، لہذا اگر کسی کے بارے میں ثابت ہو کہ اسے بیت المال سے کچھ دیا گیا تو ہم یقین سے کہہ سکیں کہ زکوۃ کی رقم بھی اس میں شامل تھی۔

Marfat.com

حدیث وتاریخ کے ذخیرے پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ عہد نبوی ہی سے بیت المال میں جمع ہونے والے مختلف مالوں کا الگ حساب وکتاب رہتا تھا، حضرت عمر بن خطابؓ نے بیت المال کے نظام کو اور زیادہ منظم کیا، انھیں خطوط پر اسلامی بیت المال کی آمد وصرف کا عمل بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا، بنو عباس کے دور میں الگ الگ مدوں کا حساب وکتاب رکھنے میں کچھ بے احتیاطی ہونے لگی تو قاضی ابو یوسفؒ نے ''کتاب الخراج'' میں خلیفہ وقت ہارون رشید کو اس طرح متوجہ کیا۔

علماء صحابہ کو بیت المال سے جو بڑے بڑے عطیئے ملتے تھے اس کے بارے میں نواب صاحب نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ یہ عطیے زکوۃ کی رقم سے دیئے جاتے تھے، یا اس میں زکوۃ کی رقم بھی شامل ہوتی تھی، جبکہ علماء، قضاۃ اور اسلامی حکومت کے کارندوں پر صرف کرنے کے لئے جزیہ وخراج وغیرہ کی رقم بڑی مقدار میں بیت المال میں موجود رہتی تھی، نیز ان عطیات میں سے ایک بڑا حصہ اہل بیت نبوی کے لئے مقرر تھا، حضرت علی، حضرات حسنین، حضرت عباس اور ازواج مطہرات کے لئے حضرت عمر نے جو عطیئے مقرر کیے تھے ان کی تفصیل طبقات ابن سعد اور ''کتاب الخراج'' میں دیکھی جاسکتی ہے، اگر یہ عطیات زکوۃ کی مد سے دیئے جاتے ہوں، یا زکوۃ کی رقم بھی اس میں شامل رہتی ہو تو شرعا اس کی گنجائش کہاں تھی کہ اہل بیت نبوی کو اس میں سے دیا جائے، خانوادہ نبوت کے افراد اسے قبول کرنا کیسے گوارہ کرتے، تفسیر وحدیث، سیرت وتاریخ کے ناپیدا کنار ذخیرے سے ایک حوالا بھی ایسا پیش کرنا ممکن نہیں ہے جس میں صراحت ہو کہ نبی ﷺ یا خلفاء راشدین کے عہد میں کسی صاحب نصاب عالم وقاضی کو اس کی دینی خدمت کی بناء پر زکوۃ کے مال میں سے دیا گیا ہو، یا مال زکوۃ سے دینی خدمت گاروں کی تنخواہیں مقرر کی گئی ہوں۔

شیخ یوسف القرضاوی کے نظریہ کا جائزہ:

دور حاضر میں زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں ایک نیا نظریہ

Marfat.com

وجود میں آیا ہے جو دور حاضر کے مشہور مصنف شیخ یوسف القرضاوی کی دریافت ہے، فی سبیل اللہ کی بحث ختم کرنے سے پہلے اس نئے نظریئے کا جائزہ بھی ضروری ہے، شیخ یوسف القرضاوی اس بات کی پرزور مخالفت کرتے ہیں کہ زکوۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کو معنی عام پر محمول کیا جائے لیکن پھر وہ دوسرے انداز سے ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہیں، موصوف کے نقطۂ نظر کا خلاصہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے:

میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کرنے کا قائل نہیں ہوں کہ اس میں تمام نیکیاں اور ملت کے تمام اجتماعی کام آجائیں، اسی طرح میں سبیل اللہ کا دائرہ اتنا تنگ کرنے کا بھی قائل نہیں ہوں کہ وہ عسکری جہاد میں محدود ہو جائے، جہاد جس طرح عسکری ہوتا ہے اسی طرح فکری، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے اور جہاد ان تمام قسموں میں مالی تعاون اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے، زمانہ ماضی میں مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء نے اگر فی سبیل اللہ والا حصہ مجاہدین اور سرحدوں کے محافظین کی تیاری اور امداد کے لئے مخصوص کر دیا تھا تو ہم دور حاضر میں ان مجاہدین ومرابطین کے ساتھ ایک دوسرے نوع کے مجاہدین اور مرابطین کو شامل کرتے ہیں، یعنی ان لوگوں کو جو تعلیمات اسلام اور دعوت اسلام کے ذریعہ دلوں اور دماغوں کے میدان میں جہاد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبان اور قلم اسلامی عقائد واحکام کے دفاع کے لئے وقف ہیں۔

جہاد کے معنی میں وسعت پیدا کرنے کے سلسلے میں ہمارے دلائل:

۱- اسلام میں جہاد عسکری جہاد میں منحصر نہیں ہے، حدیث صحیح میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا سب سے افضل جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ظالم بادشاہ کے پاس حق بات کہنا، رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے: مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

Marfat.com

۲- ہم نے اسلامی سرگرمیوں اور جہاد کی جن صورتوں کا ذکر کیا اگر وہ نصوص قرآن وسنت کی بناء پر جہاد کے مفہوم میں داخل نہ بھی ہوں تو انھیں قیاس کے ذریعہ جہاد سے ملحق کرنا ضروری ہے، کیونکہ ان دونوں سے مقصود اسلام کی طرف سے دفاع اور نصرت، دشمنان اسلام کا مقابلہ اور دنیا میں کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے (فقہ الزکوۃ ۲/ ۶۵۷، ۶۵۸)۔

شیخ یوسف القرضاوی کے دلائل کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ان کا تجزیہ قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ جمہور فقہاء ومفسرین نے آیت مصارف میں مذکور فی سبیل اللہ کی تفسیر مطلق جہاد کے ساتھ نہیں کی ہے، بلکہ غزو وقتال کے ساتھ کی ہے، غزو وقتال کا اطلاق صرف عسکری جہاد پر ہوتا ہے، قلمی اور لسانی جہاد کے لئے عہد نبوت میں غزو وقتال کا استعمال نہیں ہوتا تھا، فقہاء اسلام نے فی سبیل اللہ کا مصداق غازیوں کو قرار دیا، حضرت ابوسعید خدریؓ کی وہ روایت جو ''سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ'' وغیرہ میں موجود ہے اور جس سے فی سبیل اللہ کی تفصیل میں مدد مل جاتی ہے، اس میں بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے الفاظ نہیں، بلکہ غازٍ فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں، اس کے علاوہ خود شیخ یوسف القرضاوی نے جن احادیث کے استعمالات سے فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کے نظریہ کی تردید کی ہے ان میں فی سبیل اللہ عسکری جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے، قلمی، فکری اور ثقافتی جہاد کے لئے نہیں، ذخیرۂ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن وقیود کے بغیر ہوتا ہے تو عسکری جہاد مراد ہوتا ہے، امت مسلمہ نے ہمیشہ فی سبیل اللہ کے اطلاق سے عسکری جہاد ہی سمجھا ہے، امت کے اجماعی فہم کو بھی اگر حجت نہ مانا گیا تو پورا دین تحریف وتشکیک کی زد میں آجائے گا اور ضروریات دین تک کے انکار کی راہ کھل جائے گی، کتب احادیث کے ''ابواب الجہاد'' میں ایسی حدیثیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہوا ہے اور اس سے محدثین نے عسکری جہاد مراد لیا ہے، خود شیخ یوسف القرضاوی نے بھی ایسی بہت سی حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔

Marfat.com

یہ بات ثابت ہونے کے بعد جمہور مفسرین وفقہاء نے آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر غزو وقتال سے کی ہے، مطلق جہاد سے نہیں کی، شیخ یوسف القرضاوی کے نظریہ کی عمارت زمین پر آرہتی ہے، یوسف القرضاوی صاحب کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ جمہور نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا ہے اور اسلام میں جہاد صرف عسکری حرب وضرب میں محصور نہیں بلکہ حق کو غالب اور سربلند کرنے کے لئے جو فکری، لسانی، قلمی کوششیں کی جائیں وہ بھی جہاد کے دائرے میں آتی ہیں، لہٰذا دین کی راہ میں کسی بھی نوع کا جہاد کرنے والے زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے دائرے میں آتے ہیں، اس استدلال کی پہلی اینٹ ہی اپنی جگہ سے کھسک گئی، کیونکہ احادیث وآثار میں، نیز مفسرین وفقہاء کی تصریحات میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق صرف عسکری جہاد کو قرار دیا گیا، ہر نوع کے جہاد کو نہیں، لہٰذا خواہ فی سبیل اللہ کو پہلے ہی مرحلے میں عام قرار دیا جائے، یا فی سبیل اللہ سے صرف جہاد مراد لے کر جہاد کے دائرے کو وسیع تر قرار دیا جائے دونوں کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے، جمہور امت کے فہم وفکر کی مخالفت جس طرح پہلی شکل میں ہے اسی طرح دوسری میں بھی جمہور امت کے مسلک سے کھلی ہوئی برگشتگی اور ایک نئے قول کی ایجاد ہے، قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھنا اور لکھنا کہ وہ صرف عسکری جہاد سے آشنا تھے، لسانی، قلمی اور فکری جہاد کا انکے یہاں تصور نہیں تھا محض اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کرنا ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں جہاد کے ایسے ایسے محاذ کھلے ہوئے تھے جن کا ہم تصور نہیں کرسکتے، اسلاف کے انھیں مجاہدات اور متنوع جہاد کے بدولت اسلام اپنی اصل شکل میں اب تک موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہے گا، غرضے کہ جہاد کی وہ تمام شکلیں جنھیں بڑے زور وشور کے ساتھ کیا جارہا ہے دور حاضر کی پیداوار نہیں ہے، تاریخ کے ہر دور میں لسانی فکری اور قلمی جہاد کے مختلف محاذ کھلے ہوئے تھے اور علماء اسلاف ان محاذوں پر اپنی علمی وفکری توانائیاں صرف کررہے تھے، اس کے باوجود ان سب نے زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق صرف عسکری جہاد کو قرار دیا، جہاد کی دوسری قسموں کو فی سبیل اللہ میں شامل قرار نہیں دیا۔

Marfat.com

شیخ یوسف القرضاوی صاحب کے استدلال کے ساتھ ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں، انھوں نے بہ زعم خود یہ بنیاد قائم کر کے کہ جمہور نے فی سبیل اللہ کی تفسیر مطلق جہاد سے کی ہے اپنے نظریہ کے دو دلائل ذکر کئے ہیں، پہلی دلیل یہ ہے کہ اسلام میں جہاد عسکری جہاد میں محدود نہیں، نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا سب سے افضل جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا''، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین سے اپنی جانوں، مالوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو''۔

اس سلسلے میں ہم عرض کریں گے کہ قرآن وسنت میں جن چیزوں پر وقتاً فوقتاً جہاد کا اطلاق کیا گیا، ان سب کو اگر ہم زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں شامل کریں گے تو وہی صورت حال پیش آجائے گی، جو فی سبیل اللہ کی تعمیم میں پیدا ہوئی تھی، یعنی ہر دین دار مسلمان اس مصرف میں شامل ہو جائے گا۔

''صحیح بخاری'' کی روایت ہے جس کی راویہ حضرت عائشہؓ ہیں کہ ازواج مطہرات نے حضور اکرم ﷺ سے جہاد کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**نعم الجهاد الحج**'' حج کیا ہی اچھا جہاد ہے (صحیح البخاری: کتاب الجہاد، باب جہاد النساء)۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا: ''**المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله**'' حقیقی مجاہد وہ شخص ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے (مسند احمد بن حنبل: جلد ۶، فضالہ ابن عبید انصاری، مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔

اس حدیث کی رو سے نفس پر گراں ہوتے ہوئے اسلامی احکام کی تعمیل حقیقی جہاد ہے، لہٰذا جو شخص بھی نفس کے میلانات اور خواہشات کو کچل کر پنج وقتہ نمازیں ادا کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، یا کوئی اور کار خیر کرتا ہے وہ مجاہد ہے اس کا یہ عمل جہاد ہے، بھلا بتایئے، جہاد کے مفہوم میں اس توسیع کے بعد کون مسلمان زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے باہر رہ جائے گا۔

اگر جہاد سے مراد دین کی نصرت کا عمل ہو تو بھی اس میں کوئی تخصیص پیدا نہیں ہو سکتی،

Marfat.com

کیونکہ ہر وہ مسلمان جو اسلامی احکام کی پابندی کرتا ہے اور اپنے دائرے میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ کی کوشش کرتا ہے وہ دراصل ادائے فرض کے ساتھ دین کی نصرت بھی کر رہا ہے، غرضیکہ شیخ القرضاوی صاحب کی توسیع کی آڑ میں فی سبیل اللہ کی تعمیم کا جو راستہ کھلا ہے اس کے لئے کوئی بندش لگانا اور خط فاصل کھینچنا دشوار تر ہوگا، اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مجاہدین کے اقسام کا شمار کرنا مشکل ہوگا، یہ عموم مصارف زکوٰۃ آٹھ میں منحصر ہونے کے منافی ہوگا، کتاب اللہ میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گا، غرضے کہ شیخ یوسف القرضاوی نے تعمیم کے نظریہ پر جو تنقید کی ہے اسی کا مستحق ان کا یہ نظریہ توسیع قرار پایا۔

جہاد کی حقیقت:

مصارف زکوٰۃ کی بحث سے قطع نظر یہ حقیقت واضح کر دینا مناسب ہے کہ کتاب وسنت میں اگر چہ جہاد کا لفظ مختلف دینی اعمال کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن کتاب وسنت میں مجاہد اور جہاد کے استعمالات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا لفظ شریعت کی ایک اصطلاح بن چکا ہے اور قرآن وسنت، نیز فقہاء کی عبارتوں میں جب کسی قید وقرینہ کے بغیر مطلق اس کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے وہی اصطلاحی معنی مراد ہوتا ہے، کسی لفظ کے اصطلاح شرعی بن جانے کے بعد قرآن وسنت میں اس کا لغوی معنی اسی وقت مراد لیا جا سکتا ہے جب کہ اصطلاحی معنی مراد نہ ہونے پر واضح قرینہ پایا جاتا ہو، یا اصطلاحی معنی مراد لینا وہاں ممکن نہ ہو۔

صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج وغیرہ کی طرح جہاد بھی شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، یہ لفظ اگر چہ مختلف آیات واحادیث میں اپنے لغوی معانی میں بھی استعمال ہوا ہے، لیکن اکثر وبیشتر اس کا استعمال ہوگا تو اس سے جہاد کا اصطلاحی معنی مراد ہوگا، جہاد کا اصطلاحی معنی جاننے کے لئے علماء محققین کی بے شمار تحریروں میں سے چند تحریریں ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) کا پایہ علوم اسلامیہ خصوصاً علوم حدیث میں جس قدر بلند ہے اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں، ذخیرۂ احادیث پر ان کی طرح وسیع اور گہری

Marfat.com

نظر رکھنے والے پوری اسلامی تاریخ میں بہت چند ہونگے، موصوف اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

''جہاد جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے، لغت میں اس کا اصل معنی مشقت ہے، جہدت جہاداً کا معنی ہے: میں مشقت میں پڑ گیا، شریعت کی اصطلاح میں جہاد کا مفہوم ہے کفار سے قتال میں پوری طاقت صرف کرنا، جہاد کا اطلاق نفس، شیطان اور فساق کے خلاف مجاہدہ کے لئے بھی ہوتا ہے'' (فتح الباری ۶ / ۳، کتاب الجہاد والسیر)۔

مشہور فقیہ و فلسفی ابن رشد اندلسی کے نام سے کون ناواقف ہوگا، موصوف کی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' فقہ اسلامی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے، ان کے دادا ابن رشد الجدّ اپنے دور کے جلیل القدر فقیہ و قاضی تھے، ان کی مشہور کتاب ''المقدمات الممہد ات'' اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے، ابن رشد الجدّ کے فتاوی بھی کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، موصوف نے اپنی کتاب ''المقدمات الممہد ات'' میں جہاد کا لغوی معنی اور اس کے مختلف استعمالات بیان کرنے کے بعد تحریر کیا ہے:

''لہذا ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالی کے لئے اپنے آپ کو تھکایا اس نے راہ خدا میں جہاد کیا، لیکن مطلق بولے جانے کی صورت میں جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم صرف یہ ہوگا: کفار سے تلوار کے ذریعہ جہاد کرنا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں، یا ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں جزیہ ادا کریں'' (مقدمات ابن رشد ر ۲۸۵)۔

حدیث کے مشہور شارح ملا علی قاریؒ صاحب ''مرقاۃ المفاتیح'' جہاد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لغت میں جہاد مشقت کے معنی میں آتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں جہاد کا مفہوم ہے کفار سے قتال میں پوری طاقت صرف کرنا براہ راست قتال کر کے، یا قتال کرنے والوں کا مال، یا رائے سے تعاون کر کے یا ان کا جتھا بڑھا کر، یا کسی اور طریقہ سے'' (مرقاۃ المفاتیح ۷ / ۲۶۲ طبع ملتان)۔

Marfat.com

بلند متکلم وفقیہ ابن ہمام صاحب ''فتح القدیر'' رقم طراز ہیں:

''الجهاد هو دعوة الكفار إلى الدين وقتالهم إن لم يقبلوا''۔

(جہاد کا مطلب ہے کفار کو دین اسلام کی طرف بلانا اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے قتال کرنا)۔

علماء محققین کی ان چند عبارتوں سے جہاد کا شرعی اصطلاحی معنی واضح ہو جاتا ہے، محدثین نے ''کتاب الجہاد'' کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت جو حدیثیں درج کی ہیں ان کا تعلق دین میں کی جانے والی تمام کوششوں سے نہیں، بلکہ راہ خدا میں غزو وقتال سے ہے، اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جہاد ایک شرعی اصطلاح ہے جسے ہمارے محدثین اسی اصطلاحی مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں، فقہاء نے ''کتاب الجہاد'' یا ''کتاب السیر'' میں جہاد کے موضوع پر جو بحثیں کی ہیں ان سے جہاد کا ایک شرعی اصطلاح ہونا آئینہ ہو جاتا ہے۔

''أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر''۔

(سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے)۔

اس طرح کی حدیثوں سے یہ ثابت کرنا کہ جہاد عسکری جہاد میں محصور نہیں، استدلال کرنے والوں کی عجلت اور سطحیت کی غمازی کرتا ہے، ذخیرۂ احادیث پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ زبان نبوت نے سیکڑوں بار مطلق جہاد بول کر عسکری جہاد ہی مراد لیا ہے، لیکن جہاد کے عمل کی جو عظمت اور اس کا جو بے پناہ ثواب کتاب وسنت میں بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسرے عمل کی غیر معمولی اہمیت بیان کرنی چاہی تو اسے جہاد کے ساتھ تشبیہ دے دی، اور کبھی کبھی تشبیہ میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے عین جہاد قرار دے دیا، افضل الجہاد والی وہ حدیث جس سے شیخ یوسف القرضاوی نے اپنے دعوی پر استدلال کیا ہے اس میں، یا تو جہاد لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا، یا اسے تشبیہ واستعارہ کا طرز بیان قرار دیا جائیگا، اس حدیث کو سمجھنے میں آپ کو زیادہ آسانی ہوگی اگر آپ درج ذیل احادیث کو بھی پیش نظر رکھیں:

Marfat.com

"أفضل الرباط انتظار الصلوة ولزوم مجالس الذكر" (المطالب العالیہ ۱/۱۰۲ حدیث نمبر ۳٦٧)۔

"أفضل الجهاد حج مبرور" (بخاری کتاب الجہاد)۔

"أفضل الصدقة إصلاح ذات البين" (مجمع الزوائد ۸/۸۰)۔

"أفضل الإيمان حسن الخلق" (مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان)۔

"أفضل الهجرة أن تهجر ما كره الله" (کنز العمال حدیث نمبر: ۴٦۲٦۳)۔

ان تمام احادیث کا پیرایہ بیان وہی ہے جو "افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" کا ہے، لیکن کیا ان احادیث کی بناء پر کوئی شخص یہ دعوی کرسکتا ہے کہ ہجرت، صدقہ، رباط وغیرہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ نہیں ہیں جن کا ایک خاص متعین مفہوم ہے، ان تمام احادیث میں تشبیہ واستعارہ کا بلیغ اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور بعض دوسرے دینی کاموں کو ہجرت، جہاد، رباط اور صدقہ کے ساتھ انتہائی بلیغ پیرایہ میں تشبیہ دی گئی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر بالفرض مفسرین اور فقہاء نے فی سبیل اللہ کی تفسیر مجاہد اور جہاد سے کی ہوتی تو بھی اس توسیع کی گنجائش نہیں تھی جسے شیخ یوسف القرضاوی نے اختیار کیا ہے۔

شیخ یوسف القرضاوی نے اپنے نظریہ توسیع کے سلسلے میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ ہم نے اسلامی سرگرمیوں اور جہاد کی جن صورتوں کا ذکر کیا ہے اگر وہ نصوص قرآن وسنت کی بناء پر جہاد کے مفہوم میں داخل نہ بھی ہوں تو انھیں قیاس کے ذریعہ جہاد سے ملحق کرنا ضروری ہے، کیونکہ دونوں کا مقصد اسلام کی طرف سے دفاع، اسلام کی نصرت، دشمنان اسلام کا مقابلہ اور دنیا میں کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے۔

یہ استدلال واقعی لاجواب ہے، اگر عبادات کو بھی ہم نے قیاس واستنباط کا تختہ مشق بنا دیا تو عبادات کی شکل وصورت مسخ ہوکر رہ جائیگی اور عبادات اپنی معنویت کھو بیٹھیں گی، اس طرح

Marfat.com

کی تعلیلات سے مصارف زکوۃ میں اضافہ کرنے سے زکوۃ کو آٹھ مصارف میں منحصر کرنے کا خداوندی مقصد ہی فوت ہوجائے گا، اس سلسہ میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ مصارف زکوۃ قیاس واستنباط کا موضوع نہیں بن سکتے، کیونکہ ''سورہ توبہ'' کی (آیت ۶۰) میں زکوۃ کے آٹھ مصارف حصر کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ صرف انھیں آٹھ مصارف میں صرف ہوسکتی ہے ان کے علاوہ کسی اور کام میں زکوۃ صرف کرنا درست نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے قیاس واجتہاد کے ذریعہ کچھ اور مدوں کو مصارف زکوۃ میں شامل کردیا تو زکوۃ کے مصارف آٹھ میں محصور کہاں رہے، خلاصہ یہ ہے کہ سورہ توبہ کی (آیت ۶۰) پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ مصارف زکوۃ کی تعلیل کرکے اشتراک علت کی بناء پر ان آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری مدوں کو مصارف زکوۃ میں شامل کرنا درست نہیں۔

اصول فقہ کی تمام کتابوں میں قیاس کی بحث میں صحت قیاس کے لئے کچھ شرطیں ذکر کی جاتی ہیں، ان میں سے متعدد شرطیں مصارف زکوۃ میں نہیں پائی جاتیں، مشہور حنفی اصولی وفقیہ امام سرخسیؒ (متوفی ۴۹۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''اصول سرخسی'' میں قیاس کے لئے پانچ شرطیں ذکر کی ہیں، ان میں سے شرط نمبر ا یہ ہے کہ اصل مقیس علیہ جس پر قیاس کیا جارہا ہو، کا حکم اسی کے ساتھ خاص نہ ہو، اور شرط نمبر ۵ یہ ہے کہ تعلیل علت دریافت کرکے قیاس کرنا، کی وجہ سے نص کے کسی لفظ کو باطل کرنا لازم نہ آتا ہو (اصول سرخسی ۱۴۹/۲، ۱۵۰)۔

مصارف زکوۃ کے مسئلہ میں صحت قیاس کی یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں، اس لئے کہ سورہ توبہ کی (آیت ۶۰) صاف طور پر بتارہی ہے کہ زکوۃ کا مصرف ہونا انھیں آٹھ مدوں کے لئے خاص ہے، لہذا شرط نمبر ایک مفقود ہوئی، نیز اگر مصارف زکوۃ کی علت تلاش کرکے کچھ نئی مدوں کو ان پر قیاس کریں تو نص (سورہ توبہ کی آیت ۶۰) کے بعض الفاظ کا ابطال لازم آتا ہے، یعنی ''اِنما'' جو حصر کے لئے ہے، کے تقاضے پر عمل نہیں ہوتا، لہذا شرط نمبر پانچ مفقود ہوئی، قیاس کی یہ شرطیں اصول فقہ کی تمام متداول کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

Marfat.com

ان دو شرطوں کو امام غزالیؒ نے ''شفاء الغلیل ''میں بیان کیا ہے (دیکھئے: شفاء الغلیل ۶۴۲)۔

ہمارے فقہاء نے عبادات کے مسائل میں قیاس سے کام لینے میں غیر معمولی احتیاط برتی ہے، بعض مجتہدین نے عبادات میں قیاس کو بروئے کار لانے سے مکمل اجتناب کیا ہے، اور بعض نے عبادات میں قیاس تو کیا، لیکن اس کا دائرہ بہت محدود رکھا، اس سلسلہ میں مشہور مالکی فقیہ واصولی علامہ شاطبیؒ نے ''الموافقات'' کے (جلد دوم، صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۴) پر اچھی بحث کی ہے، امام غزالیؒ نے بھی اس موضوع پر اچھی روشنی ڈالی ہے (ملاحظہ ہو: شفاء الغلیل، صفحہ ۲۳، ۲۴)۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ
زکوٰۃ کا ایک اہم مصرف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

قرآن مجید نے زکوٰۃ کے جو مصارف ہشت گانہ بیان کئے ہیں، ان میں ایک ''فی سبیل اللہ'' ہے، فی سبیل اللہ سے متعلق تین اہم مباحث ہیں۔

اول یہ کہ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟۔

دوسرے اس مد میں بھی مالک بنانے کی شرط ہے، یا نہیں؟

تیسرے اس مد میں فقر واحتیاج ضروری ہے یا نہیں؟۔

پہلے نقطہ پر سلف صالحین میں بہت کم اختلاف ہے، لیکن دوسرے اور تیسرے نکات پر ائمہ مجتہدین کے دور سے اختلاف رہا ہے، اس وقت ان تینوں نکات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

فی سبیل اللہ میں کچھ لوگ مطلق توسع کے قائل ہیں، بعض حضرات ایک گونہ تحدید کے، اور جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک اس کا دائرہ نہایت محدود ہے، اس لئے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اہل علم کی آراء پیش کی جائیں گی، پھر متوسعین اور جمہور کی دلیلیں، اس کے بعد ان دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا تا کہ کسی نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، مؤسس وناظم ''المعہد العالی الاسلامی'' حیدرآباد۔

Marfat.com

جمہور فقہاء کی رائے:

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں، حنفیہ کی رائے طحاوی نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

''قوله في سبيل الله هو منقطع الغزاة والحجاج'' (طحاوی ۲/۴۷۲)۔

یہی بات مجمع الانہر میں کہی گئی ہے (مجمع الانہر ۱/۲۲۱)۔ شافعیہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی سیوطی نے ان الفاظ میں کی ہے:

''القائمين با لجهاد لمن لا فئی لهم ولو أغنياء''۔

کار جہاد انجام دینے والے جن کا وظیفہ مقرر نہ ہو گو وہ مالدار ہوں۔

قرطبی نے مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ --''في سبيل الله وهم الغزاة'' (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۸۰) حنابلہ کے یہاں بھی مجاہدین اس کا مصداق اولین ہیں:

'' أمافي سبيل الله فمنهم الغزاة الذين لا حق لهم في الديون عند الإمام أحمد '' (الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۸۵)۔

یہاں تک کہ امام مالکؒ نے فرمایا فی سبیل اللہ کا لفظ گو اپنے معنیٰ کے اعتبار سے عام ہے، مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں مجاہدین ہی اس کا مصداق ہیں:

''سبيل الله كثيرة ولكنى لا أعلم خلافا في أن المراد بسبيل الله ههنا الغزو من جملة سبيل الله'' (احکام القرآن لابن العربی ۲/۹۶۹)۔

عینی قائل ہیں:

''وقال الكاكي: منقطع الغزاة وهوالمراد من قوله في سبيل الله عند أبي حنيفه وأبي يوسف والشافعي ومالک، و عند أحمد ومحمد:منقطع الحاج'' (عینی علی الہدایہ ۱/۳۵)۔

ائمہ مجتہدین تک ہمیں فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعین میں صرف دو مواقع پر توسع نظر

Marfat.com

آتا ہے، ایک یہ کہ مالکیہ کے یہاں مجاہدین کی مدد کے علاوہ آلات جہاد کی فراہمی اور دفاعی تیاریوں پر بھی اس کے خرچ کی اجازت ہے (دیکھئے: صادی علی الجلالین)، جس کا ذکر آگے آئے گا، اور امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق نیز امام محمدؒ کے نزدیک ایسے حاجی کو بھی اس مد سے دیا جا سکتا ہے جو حج فرض ہونے کے بعد استطاعت حج سے محروم ہو گیا ہو، لیکن حنفیہ نے عام طور پر امام محمدؒ کے اس قول کو قابل ترجیح نہیں کہا ہے، اکثر متون میں اس کو صیغۂ تمریض (قیل) کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، نسفی حصکفی، اسبیجابی اور اکثر فقہاء نے اس رائے کو معتمد نہیں مانا ہے (ردالمحتار ۲/۶۰)۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے درمیان زکوٰۃ کے مسئلہ میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں یہ وسعت اور تنگی محض لفظی اختلاف کا درجہ رکھتی ہے، کہ حنفیہ کے یہاں مجاہد ہو، یا حاجی اس کے مصرف زکوٰۃ ہونے کے لئے ''فقر'' ضروری ہے اور فقر بجائے خود استحقاق زکوٰۃ کے لئے کافی ہے (البحر الرائق ۲/۲۴۲)۔ امام احمد سے بھی ایک قول فی سبیل اللہ سے حجاج مراد ہونے کا منقول ہے (قرطبی ۸/۱۸۵، بعض اقوال اس سے بھی مختلف ہیں، دیکھئے: الاتحاف علی الاحیاء ۴/۲۴۸)، اور کہا جاتا ہے کہ یہی ان کی معروف واظہر رائے ہے۔

''وقال أحمد في أظهر الروايتين: الحج من سبيل الله'' (رحمۃ الأمہ/۱۱۲)۔

متوسعین:

بعد کے فقہاء میں ایک گروہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے جس نے فی سبیل اللہ کے معنی میں عموم و وسعت کی راہ اختیار کی ہے، ان میں سرفہرست چھٹی صدی کے نامور فقیہ و عالم ملک العلماء کاسانی کا نام نامی آتا ہے وہ فرماتے ہیں:

''وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيد خل فيه كل من سعى في طاعة الله و سبيل الخيرات'' (بدائع الصنائع ۲/۴۴)۔

مگر علامہ کاسانیؒ نے ایک ہاتھ سے فی سبیل اللہ کے مفہوم میں جو وسعت برتی تھی، دوسرے ہاتھ سے اسے یہ قید لگا کر واپس بھی لے لیا کہ ''إذا كان محتاجاً''۔

Marfat.com

جب حاجت اور فقر کی شرط پر زکوٰۃ دی جائے گی تو عملاً اس مصرف میں وہی تحدید باقی رہے گی، جو دوسرے فقہاء کے یہاں ہے، تاہم شاید کا سانی کی اس تشریح سے فائدہ اٹھا کر صاحب ''فتاویٰ ظہیریہ'' نے طلبۂ علوم دینیہ کو اس مد کا مصداق قرار دیا ہے (تاتارخانیہ ۲/۲۷۰، البحرالرائق ۲/۲۴۲)، لیکن عام طور پر فقہاء نے طلبہ کے لئے بھی فقر واحتیاج کی قید برقرار رکھی ہے، اسی لئے عملاً زکوٰۃ کے اس مد کے سلسلہ میں ان حضرات کی آراء سے کوئی حقیقی توسع پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے حصکفی نے کہا ہے کہ تعبیر ومراد کا یہ فرق صرف وصیت واوقاف کے باب میں ظاہر ہوگا۔

''وثمرة الاختلاف في نحو الأوقاف'' (درمختار علی ہامش الرد ۲/۶۱)۔

جن فقہاء کے ہاں فی سبیل اللہ والے مد میں فقر واحتیاج کی شرط نہیں، ان کے ہاں البتہ فی سبیل اللہ کے معنیٰ میں توسع حقیقی طور پر اثر انداز ہوگا، اس سلسلہ میں غالباً سب سے پہلے مشہور شافعی عالم قفال نے بعض فقہاء سے توسع نقل کیا ہے اور کہا کہ

''أنهم أجازوا صرف الصدقات إلىٰ جميع و جوه الخير من تكفين الموتىٰ و بناء الحصون وعمارة المسجد، لأن قوله: ''و في سبيل الله'' عام في الكل'' (مفاتیح الغیب ۱۶/۱۱۳)۔

تفسیر مواہب الرحمٰن میں بھی صاحب رائے کی وضاحت کے بغیر بعض فقہاء سے اس طرح کی رائے نقل کی گئی ہے (ص ۱۵۰)۔

امام فخر الدین رازی نے اسی قول کو نقل کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دبے لفظوں میں انھوں نے اس کی تائید بھی کی ہے:

''إعلم أن ظاهر اللفظ في قوله: ''وفي سبيل الله'' لايوجب القصر علىٰ كل الغزاة'' (حوالہ مذکور)۔

افسوس کہ قفال نے ان فقہاء کا نام بھی ذکر نہ کیا جو لغوی معنیٰ کے اعتبار سے اس مد میں وسعت کے قائل تھے، شاید ایسا اس لئے ہوا ہو کہ اس زمانہ میں یہ قول ''شذوذ'' کا درجہ رکھتا تھا اس

Marfat.com

لئے انھوں نے اس کو قابل ذکر بھی نہ سمجھا ہو، اس کے بعد تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک اس رائے کی کوئی تائید ہوتی نظر نہیں آتی، سوائے اس کے کہ بعض مصنفین نے مذاہب و آراء کی نقل کے ذیل میں ایک ایسی رائے کی حیثیت سے اس کا ذکر کر دیا، جس کے حاملین اور قائلین بھی پردۂ ابہام میں ہوں، پھر گیارہویں صدی کے مشہور محقق اور محدث علامہ مرتضٰی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے اس کی تائید میں چند سطریں لکھیں، فرماتے ہیں:

"یمکن أن یرید المجاهدین و الإنفاق منها فی الجهاد؛ لأنه یطلق علیه هذاالإسم عرفا ویمکن أن یرید سبیل الخیر کلها المقربة إلی اللّٰه" (اتحاف ۴/ ۲۵)۔

پھر اپنے مذاق متصوفانہ کی وجہ سے اس میں وہ عموم برتا کہ مجاہدین کارزار سے لے کر مجاہدۂ نفس کرنے والوں تک اس کا دائرہ وسیع کر دیا اور پیاسے جانوروں اور درختوں کی بھی اس مدزکواۃ سے محرومی گوارا نہ کی (دیکھئے: حوالہ مذکور)۔

اس کے بعد کم درجہ کی توسیع علامہ صنعانیؒ کے ہاں ملتی ہے، انھوں نے مجاہدین پر قیاس کرتے ہوئے قضاۃ، مفتیین اور مدرسین کو بھی اسی زمرہ میں رکھا ہے:

"ویلحق به من کان قائماً بمصلحة عامة من مصالح المسلمین کالقضاء والافتاء والتدریس و إن کان غنیاً" (سبل السلام ۲/ ۶۴۳)۔

ہر چند کہ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے صراحۃً اس مد کی کوئی ایسی تشریح نہیں کی ہے جو وسعت کو بتاتی ہو، لیکن ان کی بعض عبارتوں سے مترشح ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں وہ تحدید وحصر کے قائل نہیں، بلکہ قرآن مجید کی تعبیر کو محض حصرِ اضافی مانتے ہیں (دیکھئے: حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۱۰۶ مع اردو ترجمہ)۔

سترہویں صدی کے صنعتی اور فکری انقلاب کے بعد مغرب بڑی قوت سے اسلام پر حملہ زن ہوا اور اس نے عالم اسلام پر استقلال کے ساتھ ساتھ اسلام پر بھی فکری اور نظری یلغار اپنے

Marfat.com

تمام تر وسائل کے ساتھ شروع کردی، دوسری طرف اسلام کے خادمین اور اس کے فکری و علمی محافظین کا رشتہ حکومت وسلطنت سے کٹ کر رہ گیا اور وسائل و ذرائع سے محرومی ان کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن گئی کہ ان حالات میں کہ باطل پورے مادی وسائل کے ساتھ علم وقلم کی شمشیر بے نیام لے کر بڑھ رہا ہے، اسلامی سلطنتیں مغربی تہذیب کے سامنے سپر انداز ہو چکی ہیں اور ان کے بیش قدر ذرائع میں ثقافت وتہذیب کے نام پر بددینیوں کے لئے تو وافر حصہ ہے، لیکن حفاظت اسلام کے لئے نہ صرف کوئی حصہ نہیں، بلکہ وہ اک جرم کا درجہ رکھتا ہے، ان حالات میں وہ اسلام کی فکری مورچہ بندی اور اہلِ باطن کی صف شکنی اور مدافعت کے لئے کہاں سے وسائل لائیں؟

اس صورتحال نے پورے جذبۂ اخلاص کے ساتھ ان کو یہ راہ بتائی کہ فی سبیل اللہ کے معروف مفہوم کی بجائے اس کے وسیع لغوی معنیٰ کو اختیار کرتے ہوئے زکوٰۃ سے اس ضرورت کی تکمیل کی جائے، اسی لئے اس صدی سے پہلے جہاں محقق علماء کے یہاں اس رائے کو ایسا شذوذ سمجھا جاتا تھا کہ یہ تک کسی نے نہیں لکھا کہ اس وسعت کا قائل کون ہے؟ اس صدی میں عالم اسلام کے وہ علماء جو اسلام کے قلب وجگر اور زبان ودہن بن کر اسلام کی فکری سربلندی کا اثبات کرتے رہے اور ''کلمة الله تعلو او لا تعلی'' کا ذریعہ بننا ان کو نصیب ہوا، انہوں نے ہی وسعت وکشائش کا آوازہ بلند کیا، یہ ہیں صاحب المنار علامہ رشید رضا مصری جنہوں نے غالباً سب سے پہلے اس نقطۂ نظر کو دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کیا، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام (ترجمان القرآن ۳/۱۹۳)، نواب صدیق حسن خاں ماضی قریب کے علماء میں مولانا سید احمد عروج قادری، موجودہ اہل علم میں مولانا امین احسن اصلاحی (تدبر قرآن ۳/ ۵۹۲)، اور بعض دوسرے علماء۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی جن کی ''فقہ الزکوٰۃ'' اسلامی کتب خانہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے، نے اس تحدید وتوسیع کے درمیان ایک اعتدال کی راہ نکالی کہ فی سبیل اللہ سے مراد ہیں گو مجاہدین ہی، لیکن جہاد سے صرف جہاد بالسیف ہی مراد نہیں ہے، جہاد بالقلم اور جہاد باللسان

Marfat.com

وغیرہ بھی اس میں داخل ہے، ہر چند کے قرضاوی صاحب نے رشید رضا کی بے روک ٹوک توسیع پر نقد کر کے یہ راہ وسط نکالی ہے، لیکن جہاد کے مفہوم میں اس عموم کے بعد حقیقت یہی ہے کہ رشید رضا اور قرضاوی صاحب کی رائے میں عملاً کوئی بڑا فرق نہیں رہ پاتا۔

جمہور کے دلائل

جمور فقہاء میں جو مد کو مجاہدین اور غزاۃ تک محدود مانتے ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- ''انما'' کا لفظ عربی زبان میں حصر کو بتلاتا ہے اور فی سبیل اللہ کو لغوی معنیٰ کے اعتبار سے عام رکھا جائے تو پھر مصارف زکوٰۃ میں کوئی تحدید باقی نہیں رہتی۔

۲- زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی تعیین اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تمام مدات میں نوعیت کا اختلاف پایا جائے، لیکن فی سبیل اللہ میں اگر اس درجہ عموم روا رکھا جائے تو ادنیٰ تکلف کے بغیر بقیہ ساتوں مصارف بھی فی سبیل اللہ کے تحت آجاتے ہیں۔

۳- احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ مصارف میں تحدید اور انحصار ہی شارع کا منشأ ہے اور فی سبیل اللہ میں عموم کے بعد اس منشأ کی تکمیل ممکن نہیں، ابوداؤد شریف میں مروی ہے:

''عن زیاد بن حارث الصدائی قال: اتیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فبایعتہ و ذکر حدیثا طویلا فأتاہ رجل فقال: إعطنی من الصدقة، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ان اللّٰہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزأھا ثمانیة أجزاء، فإن کنت من تلک الأجزاء أعطیتک حقک'' (ابوداؤد ۲/۲۳۰ کتاب الزکوٰۃ)۔

۴- فی سبیل اللہ کی حیثیت ایک اصطلاح شرع کی ہے، لہٰذا جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مجاہدین فی سبیل اللہ ہی مراد ہوں گے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے فرمایا:

Marfat.com

''سبیل الله كثيرة ولكن لا أعلم خلافافى أن المراد بسبيل الله ههنا الغزوفى سبيل الله'' (احکام القرآن لابن عربی ۲/۹۶۹)۔

اس طرح کی تصریحات دوسرے اہل علم کے یہاں بھی موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۵-غور کیا جائے تو چوتھی صدی ہجری تک فی سبیل اللہ کے مصداق میں دو کے سوا کوئی تیسرا قول نہیں ملتا، ایک مجاہدین اور متعلقات جہاد، دوسرے حجاج، گویا ائمہ مجتہدین کے دور میں اس پر اجماع منعقد ہو چکا، اس کے بعد کسی اور رائے کا اظہار گویا خرقِ اجماع کے مترادف ہے۔

۶- مصارف زکوٰۃ کی آیت سے پہلے قرآن مجید میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اور ''انفروا خفافاً وثقالاً'' کی ترغیب دی گئی ہے، قرآن مجید کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ کے ذکر کے بعد جب دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ان دونوں میں کوئی مناسبت اور باہمی ربط ہوا کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں (الاساس فی التفسیر للشیخ السید حوصی ۴/۲۳۱۲)۔

متوسعین کی دلیلیں:

۱-فی سبیل اللہ اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے عام ہے اور کتاب وسنت میں جو عام وارد ہوں وہ اپنے عموم پر باقی رہتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود ہو، امام رازیؒ نے اسی عموم سے استدلال کیا ہے (تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳، نیز ملاحظہ ہو: اتحاف السادہ للزبیدی ۴/۲۵۰)۔

۲-اگر فی سبیل اللہ سے مجاہدین ہی مراد ہوں تو ان پر ان دوسرے لوگوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح عامہ کو انجام دیتے ہوں، جیسے قضاۃ، اہل افتاء مدرسین وغیرہ، علامہ صنعانی نے اس طرف اشارہ کیا ہے (سبل السلام ۲/۶۳۴) اور صنعانی کا خیال ہے کہ اسی طرف امام بخاری کا میلان تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی ''صحیح'' میں ایک عنوان اس طرح قائم

Marfat.com

فرمایا: ''باب رزق الحاکم والعاملین علیھا'' (قاضی اور عاملین زکوٰۃ کے کفاف کا بیان) ......غرض اعلاء کلمۃ اللہ کی علت میں اشتراک کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی اس زمرہ میں رکھ کر ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۳-قرآن مجید نے بعض مصارف پر لام داخل کیا ہے جو'' تملیک'' کے معنی میں ہوتا ہے، گویا ان مصارف میں افراد واشخاص کی حاجت روائی اور ان کو مالک بنانے کی طرف اشارہ ہے جب کہ بعض مصارف پر ''فی'' داخل کیا گیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مد سے اشخاص وافراد بذاتِ خود مراد نہیں ہیں، بلکہ شریعت کی کچھ خاص مصلحتیں پیشِ نظر ہیں، زکوٰۃ کے ذریعہ ان کی تکمیل کی جائے، لہٰذا جہاد فی سبیل اللہ کی مصلحت اور مقصود جن ذرائع سے بھی پورا ہوتا ہو، پورا کیا جائے گا۔

۴-مصارف زکوٰۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر اس کے دو مقاصد ہیں، ایک مقصد فقراء کی حاجت کو پورا کرنا ہے، دوسرا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، فقراء ومساکین ابن سبیل غارمین اور عاملین وغیرہ پہلے مقصد کو پورا کرتے ہیں، جبکہ'' مؤلفۃ القلوب'' اور فی سبیل اللہ سے دوسرے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، فی زمانہ چوں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد بالسیف سے بڑھ کر جہاد بالقلم کی ضرورت ہے اور آج کارگاہِ مقابلہ صحافت، ادب، تصنیف وتالیف اور علم وفن بن چکا ہے، اس لئے شریعت کے اس منشاء ومصلحت کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت برتی جائے۔

۵-قرن اول میں فی سبیل اللہ سے بعض صحابہ نے حج مراد لیا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حجاج وعمار ہیں، اسی طرح کا قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے، نیز امام بخاریؒ نے ابولاس سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو صدقہ کا اونٹ عطا فرمایا تھا (احکام القرآن للقرطبی ۸/۸۵، نیز صحیح بخاری کتاب الزکوۃ) ...... اس سے معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کا مد مجاہدین میں منحصر نہیں ہے۔

Marfat.com

۶-......فقہاء متاخرین کے یہاں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ انہوں نے طلبۂ علوم دینیہ کو بھی اس مد میں شمار کیا ہے، فقہاء مالکیہ نے تو بہ بانگ دہل غنی طلبہ کو بھی اس مد میں شامل رکھا اور وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ بھی مجاہدین ہیں، چنانچہ علامہ صاوی کا بیان ہے:

''مذهب مالک أن طلبة العلم المنهمكين فيه لهم الأخذ من الزكاة ولو غنيا إذا انقطع حقهم من بيت المال، لأنهم مجاهدون'' (حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ۲/ ۱۵۴)۔

لیکن خود فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی ایسی صراحتیں مل جاتی ہیں کہ غنی طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، علامہ حصکفیؒ نے صاحب ''واقعات'' سے نقل کیا ہے:

''إن طالب العلم يجوزله أخذ الزكوٰة، ولو غنيا إذا فرّغ نفسه بإفادة العلم و استفادته لعجزه عن الكسب''(درمختار علی ہامش الرد ۲/۵۹، نیز ملاحظہ ہو، مراقی الفلاح/ ۴۷۵)۔

۷-...... مصارف صدقات کی آیت میں ''انما'' حصر حقیقی کے لئے نہیں ہے، بلکہ حصر اضافی کے لئے ہے، چوں کہ منافقین آرزومند تھے کہ صدقات میں سے ان کو دیا جائے، جیسا کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں مذکور ہے، قرآن ان کے استحاق کی نفی کرنا چاہتا ہے تو قرآن مجید کا منشاء صرف منافقین کے استحقاق کی نفی کرنا ہے، مطلق حصر وتحدید مقصود نہیں (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۱۰۶ مصارف الزکوۃ)۔

جمہور کی دلیل پر ایک نظر:

اب ہم ایک نظر ان دلائل پر ڈالیں گے جو فریقین کی جانب سے پیش کی گئی ہیں۔

جمہور کی طرف سے فی سبیل اللہ میں مجاہدین کی تخصیص پر استدلال کہ اس سے پہلے جہاد کا مضمون آیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ یہاں بھی فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہو، محض

Marfat.com

ایک قرینۂ بعید کا درجہ رکھتا ہے، منافقین گو نماز و روزہ بہ ظاہر کر لیتے تھے، لیکن سب سے زیادہ جہاد سے راہ فرار اختیار کرتے تھے، اس لئے ترغیب جہاد کے بعد روئے سخن منافقین کی طرف ہوا، اور چوں کہ منافقین مفت خوری کے متمنی رہتے تھے، اس لئے ایک طرف ان کے اس مزاج و مذاق کی مذمت کی گئی اور دوسری طرف یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ زکوٰۃ و صدقات کے مصرف کون لوگ ہیں؟ اس طرح فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تحدید و حصر کے بغیر بھی آیت کے سیاق و سباق سے اس کا ربط قائم رہتا ہے۔

متوسعین کے دلائل پر ایک نظر:

۱- دوسرے گروہ کی سب سے قوی دلیل فی سبیل اللہ کا لفظی اعتبار سے عموم و اطلاق ہے، لیکن اگر جمہور کے نقطۂ نظر کے مطابق اس کو ایک شرعی اصطلاح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس دلیل میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ اصطلاحات شرعیہ میں الفاظ کے عموم و اطلاق اور اس کے حقیقی لغوی معنی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

۲- ''مجاہدین'' پر مصارف زکوٰۃ کے باب میں دوسروں کو قیاس کرنا اس لئے قرین صواب نہیں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات میں اصل ''تعبد'' ہے اور تعبدی احکام میں اصولی طور پر قیاس کو دخل نہیں۔

۳- ''لام'' اور ''فی'' سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کے مدات میں شارع نے صرف اشخاص کی ضرورت کو سامنے رکھا ہے، دوسری قسم کے مدات میں مصالح بھی پیش نظر ہیں، لیکن خود قرآن مجید کی تعبیر سے واضح ہے کہ ان مدات میں بھی مجرد مصلحت مقصود نہیں ہے، بلکہ افراد کے واسطہ سے مصلحت کی تکمیل مقصود ہے، غور کیا جائے کہ فک رقاب کا مسئلہ ہو، ابن سبیل کا مد ہو، یا غارمین کا، ہر جگہ افراد و اشخاص کے ذریعہ مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے فی سبیل اللہ والی مصلحت بھی افراد و اشخاص کے واسطہ سے مکمل کی جائے گی، محض رفاہی اور دینی افعال و اعمال کے ذریعہ نہیں، اسی لئے جو لوگ فی سبیل اللہ سے مجاہدین مراد لیتے ہیں ان کے ہاں اصل عبارت

Marfat.com

"وفی الغزاۃ فی سبیل اللہ" قرار پائے گی۔

علامہ زمخشریؒ نے تعبیر میں "لام" سے "فی" کی طرف عدول کی اچھی عقدہ کشائی کی ہے (دیکھئے: الکشاف ۲/۱۵۹، ۱۵۸)۔

آلوسی نے اس پر اس نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ پہلے چار مصارف میں خود ان کو مالک بنایا جاتا ہے، جب کہ بعد کے چاروں مصارف میں خود اس کو مالک بنانا مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی مصلحتوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے، تو اس لئے "لام تملیک" پہلے چاروں مصارف کے لئے زیادہ مناسب وموزوں تھا (روح المعانی ۱/۱۲۴)۔

۴- اس میں شبہ نہیں کہ مصارف زکوٰۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقراء کی حاجت روائی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے دوگانہ مقاصد ہیں اور جہاد بالسیف کے علاوہ بھی اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے مختلف ذرائع ہیں، لیکن ظاہر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کی حیثیت ایک حکمت ومصلحت کی ہے اور احکام کی بنیاد حکمت پر نہیں ہوتی علت پر ہوتی ہے، علت جیسے "عاملین" میں عمل عامل" اور "غارمین" مقروض ہونا یا بعض فقہاء کی رائے پر دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے مالی بار کو برداشت کرنا ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ جہاد ہے اور جہاد کا اصطلاحی مفہوم "جہاد بالسیف" ہے، اس لئے حکم کی بنیاد واساس اس پر رہے گی۔

۵- فی سبیل اللہ میں امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق حجاج کو داخل کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اثر پر مبنی ہے، لیکن خود ابن عمرؓ کے اثر کو بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس سے مصرف زکوٰۃ والے "فی سبیل اللہ" میں عموم قرین صواب نظر نہیں آتا، قرطبیؒ نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اصل میں ایک شخص نے اپنے مال کے ایک حصہ کی "فی سبیل اللہ" وصیت کی تھی، خاتون نے آکر حضرت ابن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے فرمایا: "فھو کما قال فی سبیل اللہ" اس مجمل جواب سے خاتون کی الجھن دور نہ ہوئی، اس لئے عبدالرحمٰن بن ابی نعیم نے جوان کے ساتھ تھے مکرر توجہ دلائی، ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اسے کہوں

Marfat.com

کہ ان فوجیوں کے دے دے جو زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں اور راہ گیروں کو لوٹتے ہیں، عبدالرحمٰن نے دریافت کیا، پھر آپ اس کو کس مد میں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں، ابن عمرؓ نے فرمایا، صالحین کے حوالہ کرنے کا، یعنی حجاج بیت اللہ کو، کہ وہ اللہ کے مہمان ہیں (الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۵۸)۔

غور کیا جائے کہ یہاں زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہ ''نذر'' ہے، اس میں جہاد اور دوسرے کار خیر دونوں کی گنجائش تھی، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے زمانہ کے فوجیوں کی بے راہ روی دیکھتے ہوئے ان کو مشورہ دیا کہ حجاج پر خرچ کر دیا جائے۔ ''نذر'' کی بنیاد اصل میں عرف پر ہوتی ہے جس میں دونوں معنیٰ کی گنجائش ہے اور فی سبیل اللہ کی حیثیت مصارف زکوٰۃ میں اصطلاح شرعی کی ہے، اس لئے دونوں میں فرق ظاہر ہے، چنانچہ امام احمدؒ سے ان کے بعض تلامذہ نے اس قول سے رجوع نقل کیا ہے (ارشاد الساری ۳/۵۷)۔ گو بعض دفعہ ائمہ کا مرجوع عنہ قول ہی معروف ہو جاتا ہے اور قبول عام حاصل کر لیتا ہے اس کی واضح مثال ''آمین'' کے جہر و سر میں امام شافعیؒ کی رائے ہے، آمین میں جہر آپ کا مرجوع عنہ قول ہے، مگر وہی فقہاء شوافع کے ہاں معمول و معتمد ہے، امام احمدؒ نے بھی اس طرح کے نذر کے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے جو عہد نبوی ﷺ میں پیش آیا (الاتحاف ۴/۲۴۸)۔ لیکن فقر و احتیاج کی قید کے بعد، جیسا کہ ذکر ہوا، امام محمدؒ کا اختلاف محض تعبیر کے اختلاف کا درجہ رکھتا ہے۔

۶- طلبہ کے سلسلہ میں جہاں تک حنفیہ کی بات ہے تو قول صحیح و معتمد یہی ہے کہ ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے بھی فقر و حاجت کی شرط ہے، گو بعض مصنفین نے بعض غنی طلبہ کو بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے، لیکن اس کو کبھی فقہ حنفی میں اعتبار و قبول حاصل نہ ہو سکا، یہ ان کے اصول کے خلاف ہے جو صراحۃ حنفی کی تمام ہی متون و شروح میں منقول ہے کہ سوائے ''عاملین'' کے تمام ہی مدات میں فقر و حاجت کی شرط کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ شامیؒ کہتے ہیں:

''وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحمد

Marfat.com

...... والأوجه تقييده بالفقير" (ردالمختار ۲/۵۹ طبع نعمانیہ)۔

رہ گیا مالکیہ کا طلبہ علوم دینیہ کو غناء کے باوجود زکوۃ کا مستحق قرار دینا، تو ان کے ہاں واقعی اس میں توسع معلوم ہوتا ہے اور یہ واقع ہے کہ ائمہ اربعہ میں اسی مسئلہ میں نسبتہً مالکیہ کے یہاں ایک گونہ وسعت نظر آتی ہے۔

۷- شاہ ولی اللہ صاحب کی تمام تر جلالتِ شان اور ذکاوتِ موہوبہ کے باوجود اس بات میں ان سے اتفاق ممکن نہیں کہ مصارف زکوۃ کی اس آیت میں ''انما'' محض حصر اضافی ہے اور مصارف زکوۃ میں فی نفسہٖ عموم ہے، مقصود صرف منافقین کی نفی ہے، اس لئے کہ ''ابوداؤد'' کی روایت آچکی ہے اور مفسرین کے یہاں اور بھی روایات موجود ہیں، جو اس بات کو بے غبار کرتی ہیں کہ اس آیت سے شارع تعالیٰ کا منشاء مصارف کی تحدید و تعیین ہے، یہاں تک کہ خود مہبط وحی کو بھی اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ بطور خود حق داروں کی تعیین اور مقررہ اصناف میں اضافہ و توسیع کریں۔

مسئلہ کی اصل اور بنیاد:

اصل میں اس مسئلہ میں جو بات اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن کی تعبیرات عام طور پر اس کے لغوی میں استعمال ہوتی ہیں اور یہی اس کے ''عربی'' ''مبین'' ہونے کا تقاضہ ہے، لیکن بیسیوں اصطلاحات ہیں جن کو قرآن ایک خاص معنیٰ و مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔ صلوٰۃ و صوم، زکوۃ و حج، طہارت، معروف و منکر، دین و شریعت وغیرہ، یہ اس کی خاص اصطلاحات ہیں، جب سیاق و سباق، صِلات، اس سے متعلق افعال اور اس کے لغوی معنیٰ اس کی شہادت نہ دیتے ہوں تو ان کو خاص انھیں اصطلاحی معنوں پر محمول کیا جائے گا...... اب سوال یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی حیثیت کیا ہے؟ جن لوگوں نے اس میں عموم برتا ہے، انھوں نے اس کو سادہ لغوی معنیٰ پر محمول کیا ہے اور جن حضرات نے مجاہدین فی سبیل اللہ کی تحدید کی ہے، انہوں نے اس کو ایک شرعی اور قرآن کی اصطلاح کی نظر سے دیکھا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ علامہ کاسائیؒ، قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق مجاہدین کے ساتھ اس کی تخصیص پر یہی استدلال کرتے ہیں کہ:

"لأن سبیل الله إذا أطلق فی عرف الشرع یراد به ذالک" (بدائع الصنائع ۲/۴۶)۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

"لأن فی سبیل الله" عند الإطلاق إنما ینصرف إلی الجهاد فإن کل مافی القرآن من ذکر سبیل الله إنما یرید به الجهاد إلا الیسیر فیجب أن یحمل ما فی الآیة علیٰ ذلک" (المغنی ۶/۴۷۰)۔

لغت کی مشہور کتابوں میں بھی یہی بات کہی گئی ہے؟؟.......... ابن اثیر محمد مرتضی الزبیدی نے سے ناقل ہیں:

"وإذا أطلق فی الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کأنه مقصور علیه" (تاج العروس ۷/۳۶۶، نیز ملاحظہ ہو: النہایہ ۲/۱۵۶)۔

لسان العرب میں کہا گیا ہے:

"وإذا أطلق فی الغالب فهو واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کأنه مقصور علیه" (لسان العرب ۱۱/۳۲۰)۔

شارح ہدایہ علامہ عینیؒ کا بیان ہے:

"سبیل الله عبادة عن جمیع القرب لکن عند الإطلاق یصرف إلی الجهاد" (البنایہ علی الہدایہ ۲/۱۲۵۸)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا ہے:

"الطاعات کلها فی سبیل الله ولکن عند الإطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس" (المبسوط ۳/۱۰)۔

Marfat.com

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا کہ قرآن میں جہاں کہیں فی سبیل اللہ کے لئے معنی جہاد سے انحراف کا قرینہ موجود نہ ہو، وہاں فی سبیل اللہ سے یہی معنی مراد ہوتا ہے، ہاں کسی خاص فعل کے سیاق میں، یا صلات کی تبدیلی کی وجہ سے کہیں اس سے مختلف معنی مراد لیا گیا تو وہ اس کے مغائر نہیں، جیسے صلوٰۃ ایک اصطلاح شرعی ہے، لیکن بعض لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" (توبہ:۱۰۳) یہاں صلوٰۃ بہ معنیٰ دعاء وارد ہوا ہے۔

جہاد بھی ایک شرعی اصطلاح ہے:

یہی بات ان حضرات سے بھی کہنی ہے جو فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لے کر خود جہاد کے معنی میں توسع برتتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ جہاد کے لغوی معنیٰ مطلق سعی وکوشش کے ہیں، اس لحاظ سے دین کی سربلندی کی ہر کوشش فی الجملہ جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے، **اسی مادۂ** اشتقاق کی رعایت سے نصوص میں بعض مقامات پر زبان وقلم کے ذریعہ ہونے والی دینی **مساعی پر** بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن یہ صورتیں اصطلاحی جہاد بہرحال نہیں ہیں، یہ ویسے ہی ہے کہ جیسے آپ ﷺ نے مسلم کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (صحیح مسلم کتاب الایمان، حدیث نمبر ۶۵ الکتب الستۃ وشروحہا)۔

اور مومن کے بارے میں فرمایا گیا:

"لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه" (صحیح مسلم کتاب الایمان، حدیث نمبر ۷۳ الکتب الستۃ وشروحہا)۔

یا ارشاد ہوا: "المهاجر من هجر مانهى الله عنه"۔

ظاہر ہے کہ ان روایات میں اسلام اور ہجرت کے بعض تقاضوں کی طرف کمال لطافت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، یہی حال ان روایات کا ہے جن میں قلم ولسان کی مساعی اور سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کی جرأت اظہار کو جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے، امام غزالیؒ نے اسماء شرعیہ کے

Marfat.com

متعلق صحیح لکھا ہے کہ اس میں گو معنی لغوی سے مکمل عدول وانحراف نہیں ہوتا، لیکن شریعت اس کے مصداق میں تصرف بھی ضرور ہی کرتی ہے اور بعض دفعہ اس کے عموم واطلاق میں تخصیص سے کام لیتی ہے (دیکھئے: المستصفی ۱/ ۳۳۰)۔

پس جہاں کہیں شارع نے جہاد کی اصطلاح استعمال کی ہو، وہاں ضرور ہے کہ جہاد بالسیف ہی مراد ہو، سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی صراحت یا ایسا واضح قرینہ موجود ہو، جو یہاں کنایہ واستعارہ کا متقاضی ہو، اس لئے اس آیت میں بھی جہاد کے معنی میں عموم صحیح نظر نہیں آتا، اسی لئے بہت سے فقہاء نے جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے "غزو فی سبیل الله" کی اصطلاح استعمال کی ہے، امام مالکؒ کا قول گذر چکا ہے۔ "المراد بسبيل الله ههنا الغزو في سبيل الله" (احکام القرآن لابن عربی ۲/ ۹۶۹)۔ ابن کثیرؒ کا بیان ہے:

"الغزاة الذين لاحق لهم في الديوان" (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۸۰)۔

زمخشریؒ لکھتے ہیں:...... فقراء الغزاة (کشاف ۱/ ۱۵۸)...... قاضی بیضاویؒ نے تال کا لفظ استعمال کیا ہے (احکام القرآن ۸/ ۱۸۵)۔ قرطبیؒ کہتے ہیں:

"وهم الغزاة وموضع الرباط يعطون ماينفقون في غزوهم كانوا أغنياء أو فقراء" (الجامع لاحکام القرآن ۸/ ۱۸۵)۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

"فالأكثر علىٰ أنه يختص بالغازی" (فتح الباری ۳/ ۲۳۲)۔

خود حدیث میں بھی غازی ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے (دیکھئے: ابوداؤد، ابن ماجہ، امام مالک)۔

نصوص میں جہاد بالقلم، جہاد باللسان اور بالنفس وغیرہ پر جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن میرے حقیر علم کے مطابق غزوہ کا اطلاق اس قسم کی مساعی پر نہیں کیا گیا ہے، اس لئے واقعہ ہے کہ مذکورہ آیت فی سبیل اللہ سے جہاد اصطلاحی ہی مراد ہے نہ کہ مطلق دین کے لئے مساعی اور جدوجہد۔

Marfat.com

زکوۃ کی اس مد میں تملیک؟

زکوۃ کے سلسلے میں اس بات پر قریب قریب ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاق ہے کہ رفاہی کاموں، مدارس و مساجد کی تعمیر اور پلوں کی مرمت، مردوں کی تجہیز و تکفین اور اس طرح کے کاموں میں زکوۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی، فقہاء حنفیہ کے علاوہ علامہ ابن قدامہؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے (المغنی ۲/ ۲۸۰، البحر الرائق ۲/ ۲۴۳، درمختار ۲/ ۶۲)۔ البتہ مالکیہ غالباً مقصد جہاد کے لئے تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے۔ محمد بن عبدالحکم نے مال زکوۃ سے زرہ، ہتھیار اور آلاتِ حرب کی خریداری وغیرہ کی اجازت دی ہے (احکام القرآن ۸/ ۱۸۶)۔ علامہ محمد علیش مالکی نے اس مد سے جاسوس کو بھی دینے کی اجازت دی ہے اور گو عام فقہاء نے رفاہی تعمیرات، فصیل بندی اور کشتی سازی وغیرہ کے لئے اس مد سے خرچ کرنے کو منع کیا ہے مگر ابن عبدالحکم نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے (منح الجلیل علی مختصر خلیل ۱/ ۳۷۵، ۳۷۴)۔

فقہاء نے زکوۃ میں تملیک کی شرط کتاب وسنت کی تعبیرات کو سامنے رکھ کر لگائی ہے، اس سلسلہ میں یہ نکات قابل ذکر ہیں:

۱- قرآن مجید نے مصارف زکوۃ کو آغاز "لام" سے کیا ہے جو تملیک کے لئے آتا ہے۔

۲- قرآن مجید نے متعدد مواقع پر کہا ہے: و آتوا الزکوٰۃ...... "ایتاء" اعطاء (دے دینے) کے معنی میں ہے (مفردات القرآن للاصفہانی/ ۸)، جو اس بات کا متقاضی ہے کہ مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے، جیسے مہر سے متعلق ارشاد ہوا: "وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً" (سورۂ نساء:۴) یہاں بھی "ایتاء" تملیک کے معنی میں ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"تؤخذ من أغنياء هم و تقسم فی فقراء هم"۔

تقسیم کا لفظ تملیک کو مستلزم ہے۔

Marfat.com

یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ فی سبیل اللہ والی مد میں بھی زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور دفاعی امور و مصالح پر یہ رقم مجاہدین کے واسطہ سے خرچ کی جائے گی۔

رہ گئی یہ بات کہ اس مد خاص میں ''لام'' کی بجائے ''فی'' کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ تو علامہ زمخشریؒ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ''فی'' عربی زبان میں ظرف پر داخل ہوتا ہے اور ظرف مظروف کا احاطہ واستیعاب کر لیتا ہے، اس طرح ظرف کے ساتھ تعبیر تاکید بلیغ اور اہتمام خاص کو بتاتی ہے، چوں کہ پہلے چاروں مدات کے مقابلہ کے بعد چاروں مدات کی نوعیت زیادہ اہم تھی، اس لئے ان پر ''فی'' داخل کیا گیا، خصوصیت سے سبیل اللہ میں تو محض عطف پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ''رقاب'' اور غارمین کے ذکر کے بعد مستقل طور پر فی سبیل اللہ فرمایا گیا (ملخصا الکشاف ۲/ ۱۵۹، ۱۵۸)۔

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط:

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ غنی مجاہدین کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے، شافعیہ یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ وہ مجاہدین مستقل تنخواہ دارانہ ہوں، بلکہ رضا کارانہ خدمت کرتے ہوں (المنہاج القویم للہیثمی ر ۱۱۵، فتح المعین ر ۵۳)۔ حنفیہ کے یہاں مجاہدین کے لئے بھی فقر شرط ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گذری کہ پانچ اشخاص کے لئے باوجود غنی ہونے کے زکوۃ حلال ہے اور انھیں میں آپ نے غازی فی سبیل اللہ کو بھی شمار فرمایا۔ حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے غنی کے لئے زکوۃ کو حرام قرار دیا ہے۔ ''لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی قوی سوی'' (ترمذی) ایک اور روایت میں ہے: ''لا حظ فیها لغنی ولا دقوی مکتسب'' (ابوداؤد)۔

''حضرت معاذؓ کو آپ نے یمن بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ اغنیاء سے زکوۃ لی جائے اور فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ پس گویا فقر استحقاق زکوۃ کے لئے بنیادی شرط ہے۔

Marfat.com

حنفیہ نے اس روایت کا مختلف طریقوں سے جواب دینے کی کوشش کی ہے جس میں ''مجاہد'' کو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے (دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح ۲/۴۵۰، اتحاف ۲۴۹/۴، فتح القدیر ۲۰۹/۲)۔ مگر قوی تر جواب وہ ہے جو امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی حضری زندگی کے اعتبار سے غنی ہو، اس کو مکان میسر ہو، اثاثہ جات ہوں، خادم ہو، سواری ہو، دو سو درہم سے زیادہ رقم ہو، لیکن اب جب وہ سفر جہاد پر کمر بستہ ہو تو سفر اور بالخصوص سفر جہاد کے اعتبار سے حاجت مند ہو جاتا ہے، ذرائع سفر مطلوب ہیں، آلات حرب کی ضرورت ہے توشہ سفر بھی درکار ہے تو ایسے شخص کو جو اپنے وطن میں رہتے ہوئے غنی تھا، حاجت و فقر کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے (احکام القرآن ۳۲۹/۴)۔

جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر فی سبیل اللہ اور دوسرے مدات میں بھی فقر کی شرط پر ہی زکوٰۃ دینی جائز ہو تو مصارف ہشت گانہ کا ذکر بے معنیٰ ہوگا، ایسی صورت میں تو صرف فقراء اور عاملین کا ذکر کافی ہو جاتا۔ (حنفیہ عاملین کو غنی ہونے کے باوجود اجرت کا حقدار قرار دیتے ہیں)، لیکن اس سوال کا جواب زکوٰۃ کے دوسرے ہی مصرف ''مساکین'' میں موجود ہے کہ اگر تمام مصارف میں کھلی ہوئی مغائرت ہی ضروری ہو، تو یہ فقراء و مساکین کے درمیان بھی نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ فقر و حاجت زکوٰۃ کی بنیادی مصلحت ہے، لیکن چونکہ بعض صورتوں میں کوئی خاص وصف پایا جاتا ہے، اس لئے اس کا خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا، مسکین کے پاس کچھ مال ہوتا ہے، لیکن ناکافی، اس لئے اس کا ذکر کیا گیا کہ استحقاق زکوٰۃ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل ہی مال و جائداد سے محروم ہو، غلام کا ذکر کیا گیا کہ ممکن ہے کہ ایک مکاتب، یا قیدی فی نفسہ غنی ہو، لیکن اپنی گلوخلاصی کے لئے حاجت مند ہو۔ ''غارمین'' کی صراحت کی گئی کہ بعض اوقات ایک شخص مالک نصاب ہوتا ہے، لیکن اداء قرض میں فقیر و محتاج ہوتا ہے، مسافر اپنی جائے سکونت کے اعتبار سے غنی ہوتا ہے، لیکن سفر کی عارضی حالت میں مبتلاء فقر ہوتا ہے، پس غور کیا جائے تو سوائے ''عاملین'' و ''مؤلفۃ القلوب'' کے تمام مصارف میں شریعت نے فقر کو بنیاد بنایا ہے، البتہ چونکہ ان صورتوں

Marfat.com

میں فقر کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے، یا زکوٰۃ کے ذریعہ فقر کا مداوا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مصلحت دینی کی تکمیل بھی پیش نظر ہوتی ہے، اس لئے قرآن نے ان کا مستقل ذکر مناسب سمجھا، اب ان تمام مصارف کی طرح حنفیہ "مجاہدین" کی صورت میں بھی فقر کی قید لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو منشاء ربانی کے خلاف سمجھا جائے۔

تاہم حنفیہ پر ابھی یہ بار جواب باقی رہتا ہے کہ وہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "لاتحل الزکوٰۃ لغنی ولا لقوی مکتسب" وہاں غنی کے ساتھ اس شخص کے لئے بھی زکوٰۃ حلال قرار نہیں دی گئی جو توانا اور کمانے پر قادر ہو، مگر احناف ایسے محتاج شخص کے لئے زکوٰۃ جائز قرار دیتے ہیں اور "لا تحل" کو اس کے حق میں زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں تو کیا دوسرے فقہاء کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ دونوں قسم کی حدیثوں کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے وہ "غنی" کے حق میں بھی اس کو اسی معنی پر محمول کریں، یا اس حدیث کے عموم میں دوسری حدیث سے تخصیص و استثناء کریں؟

بہر حال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں بحث و نظر کی گنجائش موجود ہے!!

خلاصۂ بحث:

پس ان مباحث کا خلاصہ یہ کہ

۱۔ "فی سبیل اللہ" سے مجاہدین فی سبیل اللہ ہی مراد ہیں اور یہ قریب قریب اجماعی رائے ہے۔

۲۔ "مجاہدین" سے اصطلاحی جہاد کرنے والے مراد ہیں، نہ کہ زبان و قلم وغیرہ کے ذریعہ دعوت اسلام اور حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے علماء۔

۳۔ "فی سبیل اللہ" کے مد میں بھی ائمہ اربعہ کے نزدیک تملیک ضروری ہے، صرف مالکیہ سے اس میں قدرے توسع منقول ہے۔

Marfat.com

۴۔ ”فی سبیل اللہ“ میں بھی حنفیہ کے یہاں فقر کی قید ملحوظ ہے، اکثر فقہاء کو اس سے اختلاف ہے اور طرفین کے پاس اپنے نقطہ نظر کے لئے معقول دلیلیں موجود ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ اور اس کے مصداق کی تعیین

مفتی سید مصلح الدین ☆

مصارفِ زکوٰۃ:

اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ آیت کریمہ: "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الخ" میں بیان فرمادئے ہیں، مصارف صدقات والی مذکورہ بالا آیت سے اگلی آیات میں تقسیم صدقات کے بارہ میں رسول اکرم ﷺ پر بعض منافقین کے اعتراضات وجوابات کا ذکر تھا، جس میں منافقین نے آں حضرت ﷺ پر یہ الزام تراشی کی تھی کہ آپ ﷺ معاذ اللہ صدقات کی تقسیم میں ناانصافی کرتے ہوئے اپنی مرضی سے جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے مصارف صدقات کی تعیین فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات متعین فرمادی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں؟ اور رسول اللہ ﷺ تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے، چنانچہ حضرت زیاد بن حارث صدائیؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔

حضرت زیاد بن الحارثؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ فرمارہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ لشکر نہ بھیجیں، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب مطیع

☆ دار العلوم بڑودہ۔

Marfat.com

وفرمابردار ہوکر آجائیں گے، پھر میں نے اپنی قوم کو ایک خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہوگئے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: "یا أخاصداء المطاع فی قومہ" میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ان کو ہدایت ہوگئی اور یہ سب مسلمان ہوگئے، پھر یہ فرماتے ہیں کہ ابھی اسی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں کچھ سوال کرنے کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے اس کو یہ جواب دیا: "تقسیم صدقات کو اللہ تعالی نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرمادئے۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں" (احکام القرآن للقرطبی ۴/۱۰۷)۔

تعیین نصاب ومقدار زکوۃ ثابت بالسنۃ ہے:

ارشاد خداوندی ہے:

"وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (سورۂ ذاریات: ۱۹)۔

یعنی مالداروں کے مال میں اللہ تعالی نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لئے رکھ دیا ہے جو ان فقراء کا حق ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقراء کا یہ حق اللہ تعالی کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس میں کمی بیشی کرے، اللہ تعالی نے اس معین حق کی تشریح وتوضیح کا کام نبی کریم ﷺ کو سپرد فرمادیا، اور اسی لئے آپ ﷺ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی طور پر بتلادینے پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروقؓ اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ زکوۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کے واسطہ سے متعین کرکے بتلادیئے ہیں، زمان ومکان کے اعتبار سے اس کے اندر کمی بیشی یا ترمیم وتنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ابتداء اسلام میں زکوۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقدر نہ تھی، نصابوں کا

Marfat.com

تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور پھر محکمانہ انداز میں زکوٰۃ وصدقات کی وصول یابی کا نظام تو فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔

آیت کریمہ میں مذکورہ مصارف کے علاوہ اور کسی کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں (دیکھئے: تفسیر طبری ۱۰/۱۶۶، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۴/۱۰۷)۔

مصارف زکوٰۃ والی آیت کو لفظ ''انما'' سے شروع کیا گیا ہے، عربی زبان میں یہ لفظ حصر وانحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا آیت کریمہ کے ابتدائی کلمہ نے ہی یہ بات واضح کردی کہ تمام صدقاتِ واجبہ صرف ان ہی مصارف میں استعمال ہو سکتے ہیں، جن کو آگے آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے، ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر: جہاد کی تیاری، مساجد ومدارس وغیرہ کی تعمیر ودیگر رفاہی کاموں میں صدقاتِ واجبہ صرف نہیں ہو سکتے، یہ سب امور بھی ضروری ہیں اور ان میں خرچ کرنے کا بڑا ثواب ہے، مگر صدقات فرض کہ جن کی مقداریں متعین کردی گئی ہیں ان کو ایسے امور میں نہیں لگایا جاسکتا۔

آیت کریمہ میں لفظ الصدقات کا مفہوم ومصداق صرف صدقات فرض ہیں:

اس آیت کریمہ میں بہ اجماع صحابہ وتابعین، بلکہ بہ اجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے، لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کے اعتبار سے عام ہے، نفلی صدقہ پر بھی بولا جاتا ہے اور نفلی صدقہ کے لئے اس کا استعمال عام ہے اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے (دیکھئے: صحیح مسلم ۱/۳۲۵)۔

اسی طرح لفظ صدقہ، صدقۂ فرض پر بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بہت سی جگہ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے: ''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' (سورۃ توبہ: ۱۰۳)۔ اور زیر بحث آیت کریمہ: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' وغیرہ میں، بلکہ علامہ قرطبیؒ وغیرہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور وہاں پر نفلی صدقہ مراد ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو وہاں صدقۂ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

5/9

Marfat.com

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل:

ہمارا موضوع ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم ومصداق ہے، بناء بریں دیگر مصارف زکوٰۃ میں سے ہر ایک کی تشریح خارج از موضوع ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے مصارفِ ثمانیہ میں اسے اگلے چار مصارف کو ''لام'' حرف جر کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، لام تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لہذا اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف ان ہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، پھر ان آٹھ مصارف میں سے آخری چار مصارف کو ذرا عنوان بدل کر لام کی جگہ ''فی'' حرف جر کے ساتھ استعمال کیا ہے، زمخشری نے ''تفسیر کشاف'' میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ حرف ''فی'' ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا معنی یہ ہوئے کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ حاجت مند ہونا ہے۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم ومصداق:

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے، یہاں پھر حرف ''فی'' کا اعادہ کیا گیا ہے، صاحب ''تفسیر کشاف'' فرماتے ہیں کہ اس اعادہ سے اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ مصرف اگلے تمام مصارف سے افضل وبہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت وعبادت میں اعانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو، مگر اب اس کے پاس مال نہ رہا ہو جس سے وہ حج فرض ادا کر سکے، یہ دونوں کام خالص دینی عبادت وخدمت ہیں، اسلئے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی ہے۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ کے مصداق میں ائمہ تفسیر وفقہاء کرام کی عبارتیں درج ذیل ہیں:

”وأما في سبيل الله منهم الغزاة الذين لاحق لهم في الديوان وعند الإمام أحمدؒ والحسنؒ واسحقؒ: الحج من سبيل الله“ (تفسیر ابن کثیر ۳۶۶/۲)۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں: فی سبیل اللہ سے مراد غازی اور مجاہدین ہیں کہ جب یہ لوگ جہاد میں جانا چاہیں تو جہاد کے سلسلہ میں معاون امور نفقہ، لباس، ہتھیار، سواری اور بار بر داری کے جانور وغیرہ ان کو دیئے جائیں، حضرت عطاء وابو سعید خدریؓ کی مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں ان کے مالدار ہونے کے باوجود ان کو استحقاق ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک فی سبیل اللہ کے سہم میں اسے اس شخص کو نہ دیا جائے جو حج کے لئے جانا چاہتا ہو، اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک فی سبیل اللہ کے سہم میں سے حج میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ کی یہی رائے ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کا بھی یہی مسلک ہے، اور بعضوں نے لفظ ”فی سبیل اللہ“ کے عموم کے پیش نظر اس کو غازی اور مجاہد کے ساتھ مخصوص نہ قرار دیتے ہوئے فی سبیل اللہ کے سہم کو میت کے کفن، پلوں اور قلعوں کی تعمیر، تعمیر مساجد وغیرہ تمام امور خیر میں استعمال کرنا اور خرچ کرنا جائز قرار دیا ہے، مگر جمہور امت کے اجماع کی بناء پر قول اول ہی صحیح ہے (تفسیر خازن ۹۲/۳، نیز دیکھئے: تفسیر طبری ۱۶۴/۱۱، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۱۷/۴)۔

یہاں تک ائمہ تفسیر کی عبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے منقطع الغزاۃ یا منقطع الحاج مراد ہے، آگے فقہاء کرام کی عبارتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ ”مبسوط“ میں فرماتے ہیں:

”فی سبیل اللہ سے فقیر مجاہدین مراد ہیں، امام ابو یوسفؒ کا یہ قول ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں: ایسے فقیر حاجی مراد ہیں، جو حجاج سے منقطع ہو گئے ہوں، اس لئے کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ قرار دے دیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس پر حاجی کو سوار کرنے کا حکم دیا، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات داخل

Marfat.com

ہیں، مگر اس لفظ کو مطلقاً بولنے کی صورت میں اس سے غازی اور مجاہد ہی مراد ہوتے ہیں (مبسوط السرخسی ۳/۱۰)۔

اسی طرح ملک العلماء علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"فی سبیل اللہ تمام عبادات کا نام ہے، لہٰذا اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور امور خیر میں جدوجہد کرتا ہو، بشرطیکہ وہ محتاج ہو، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد فقیر غازی ہے، کیونکہ اصطلاح شریعت میں فی سبیل اللہ کا لفظ مطلقاً بولے جانے کی صورت میں یہی مراد ہوتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے منقطع الحاج مراد ہے (بدائع الصنائع ۲/۴۶، نیز دیکھئے: فتح الباری ۳/۳۳۲، درمختار ورد المحتار ۲/۶۷ وغیرہ)۔

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل تمام صورتوں میں فقر و حاجت مندی شرط ہے:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں مذکور ہیں فقر واحتیاج کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس میں کوئی حصہ نہیں:

بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو جو حج یا جہاد کے لئے درپیش ہے، تو اگرچہ بہ قدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسے کہ ایک حدیث میں کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و محتاج ہی قرار پائے گا کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے، وہ اس کے پاس موجود نہیں۔

علامہ ابن الہمامؒ نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے: آیت صدقات میں جتنے مصارف مذکور ہیں، ہر ایک کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر واحتیاج کی بنا پر مستحق ہیں، لفظ فقیر و مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل کے الفاظ بھی اسی طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بنا پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین (محصلینِ صدقات) کو بطور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اس لئے اس میں غنی اور فقیر برابر ہیں۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں رفاہی امور داخل نہیں:

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے وہ عام مفہوم کے اعتبار سے ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے، بعض لوگ اسی لفظی عموم کے پیش نظر غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے آیت مصارف میں لفظ ''فی سبیل اللہ'' دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام امور کو داخل قرار دیا جو کسی حیثیت سے نیکی اور عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں، پل، سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات وغیرہ ان سب امور کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا، جو سراسر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ متبوعین، ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے فی سبیل اللہ کے لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، جیسا کہ درج بالا عبارتوں سے بہ خوبی واضح ہے۔

اور جن فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و محتاج تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہے، ان کا استحقاقِ زکوٰۃ ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کئے جانے پر موقوف نہیں ہے، لیکن ائمہ اربعہ وفقہاء امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہِ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس وغیرہ کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف ان کی تصریحات ان کتابوں میں موجود ہیں کہ مالِ زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے ''مبسوط'' میں اس کی صراحت کی ہے،

(دیکھئے: مبسوط ۲/۲۰۸، نیز بدائع الصنائع ۲/۴۳، کتاب الاموال/۶۰۳، المغنی لابن قدامہ)۔

فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے ''شرح مختصر الخلیل'' میں وضاحت کی ہے کہ اصناف ثمانیہ کے علاوہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

ائمہ تفسیر وفقہاء امت کی مذکورہ بالا تصریحات سے قطع نظر صرف ایک بات پر غور کر لینا ہی اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے، اگر مصرف زکوۃ میں اتنا عموم ہو، تا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو قرآن کریم میں ان آٹھ مصارف کا بیان (نعوذ باللہ) بالکل فضول اور لغو ہو جاتا۔

علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ "تقسیم صدقات کو اللہ تعالی نے کسی نبی وغیر نبی کے حوالہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا: بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے" (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۱۰۷/۸)۔

اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات ونیکیاں داخل ہو کر مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو معاذ اللہ ارشاد نبوی بالکل غلط قرار پاتا ہے، بناء بریں معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو عموم کسی ناواقف کو سمجھ میں آتا ہے وہ مراد باری نہیں، بلکہ مراد وہ ہے جو رسولِ کریم ﷺ کے بیان اور صحابہ کرام اور تابعین وفقہاء کرام کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔

تحصیل زکوٰۃ کے سلسلہ میں مہتمم وسفراء مدارس وغیرہ کی شرعی حیثیت:

مدارس اسلامیہ کے مہتمم یا کسی انجمن وادارہ کے صدر، سکریٹری یا ان کی جانب سے بھیجے جانے والے وہ سفیر جو ان اداروں کے لئے چندہ کے طور پر زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے ان مدارس واداروں تک پہنچاتے ہیں، کیا ان کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل کر کے یا ان پر قیاس کر کے زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟، علاوہ ازیں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ان ارباب حل وعقد کا مال زکوٰۃ پر صرف قبضہ ہی کافی ہے یا ان لوگوں کا اس مال زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ میں استعمال وخرچ کر دینا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل قرار دینا یا ان پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ آیت کریمہ میں تیسرا مصرف "العاملین علیھا" بیان کیا گیا ہے، یہاں عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ، عشر

Marfat.com

وغیرہ، لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور تھے، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اسی خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے، قرآن کریم کی اس آیت کریمہ نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

تحصیل صدقات وزکوٰۃ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے:

اس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا فریضہ براہ راست حضور اکرم ﷺ کے سپرد فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" (سورۂ توبہ: ۱۰۳)۔

یعنی اے نبی! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعاء کیجئے۔

آیت کے شان نزول سے متعلق واقعہ تفاسیر کی کتابوں میں مذکور ہے (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۳۸۶/۲، تفسیر خازن ۱۱۸/۳، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۵۵/۴، ۱۵۶)۔

اس آیت کریمہ: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً" میں اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے ایک خاص جماعت سے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، "تفسیر قرطبی، احکام القرآن للجصاص، تفسیر مظہری" وغیرہ میں اسی کو ترجیح دیا گیا ہے اور قرطبی وجصاص نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس آیت میں شان نزول وہی مذکورہ بالا واقعہ قرار دیا جائے، تب بھی اصول قرآنی کی رو سے یہ حکم عام ہی رہے گا، اور قیامت تک کے مسلمانوں پر حاوی ہوگا، کیونکہ قرآن کریم کے بیشتر احکامات خاص خاص واقعات میں نازل ہوئے ہیں، مگر ان کا دائرہ عمل کسی کے نزدیک شان نزول سے متعلق واقعہ تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ جب تک کوئی دلیل تخصیص نہ ہو، وہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام اور شامل ہی قرار دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ

Marfat.com

پوری امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں اگر چہ خطاب خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کو ہے، مگر تحصیل زکوٰۃ کا یہ حکم نہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ آپ ﷺ کے زمانہ تک محدود، بلکہ ہر وہ شخص جو حضور اکرم ﷺ کے قائم مقام مسلمانوں کا امیر حاکم ہوگا وہ اس حکم کا مامور ومخاطب ہوگا، اس کے فرائض میں یہ امر داخل ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی زکوٰۃ وصول کرنے اور مصرف پر خرچ کرنے کا نظم کرے۔

صدیق اکبرؓ کے ابتدائی دور خلافت میں جو مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کرنے کا واقعہ پیش آیا اس میں بھی مانعین زکوٰۃ میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو علانیہ طور پر اسلام سے باغی ومرتد ہو گئے تھے، اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے، مگر انکار زکوٰۃ کا یہ بہانہ کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو ہم سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا حکم آپ ﷺ کی حیات تک تھا، ہم نے برابر اس کی تعمیل کی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابو بکرؓ کو ہم سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا کیا حق ہے؟ اور شروع شروع میں حضرت فاروق اعظمؓ کو ان سے جہاد کرنے میں تردد اسی لئے پیش آیا کہ یہ مسلمان ہیں اور ایک آیت کو بنیاد بنا کر زکوۃ سے بچنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے، مگر صدیق اکبرؓ نے پورے عزم وجزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، اس سے جہاد کریں گے۔

اشارہ اس طرف تھا کہ جو لوگ حکم زکوٰۃ کو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص کرنے اور آپ ﷺ کے بعد اس کے ساقط ہو جانے کے قائل ہوئے وہ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز بھی حضور کے ساتھ مخصوص تھی، کیونکہ قرآن میں یہ آیت بھی ہے: ”أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ“ (سورۂ اسراء:۷۸) جس میں اقامت صلوٰۃ کے مخاطب حضور ﷺ ہیں، مگر جس طرح آیت نماز کا حکم پوری امت کے لئے عام ہے، اور اس حکم کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی غلط تاویل انسان کو کفر سے نہیں بچا سکتی، اسی طرح آیت کریمہ: ”خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ“ میں مذکورہ

Marfat.com

بالا تاویل ان کو کفر وارتداد سے نہیں بچائے گی، اس پر فاروق اعظمؓ کو بھی شرح صدر واطمینان ہو گیا اور بہ اجماع صحابہؓ ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا۔

بہر حال آیت کریمہ: ''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' سے مسلمانوں کے امیر وحاکم پر تحصیل زکوٰۃ وصدقات کا فریضہ عائد ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ امیر بذاتِ خود اس کام کو پوری حدود سلطنت میں اعوان وانصار کے بغیر انجام نہیں دے سکتا، انہی اعوان وانصار کو مصارف صدقہ والی آیت میں ''والعاملین'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی آیت کریمہ کی تعمیل میں رسول کریم ﷺ نے بہت سے صحابہ کرامؓ کو تحصیل، صدقات کے لئے عامل بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجا ہے اور آیت کریمہ کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ ہی کی وصول شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے، حدیث شریف میں ہے:

''عن عطاء بن يسار أن رسول الله ﷺ قال لاتحل الصدقة لغنى إلالخمسة: لغاز فى سبيل الله أولعامل عليهاأولغارم أو لرجل أسير إعانة أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق علي المسكين فأهدى المسكين لغنى'' رواه ابو داؤد مرسلا (تفسیر خازن ۳/ ۹۲)۔

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غنی مال داروں کے لئے صدقہ حلال نہیں، سوائے پانچ شخصوں کے: ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہو اور وہاں اس کے پاس بہ قدر ضرورت مال نہیں اگر چہ گھر میں مالدار ہو، دوسرے عامل صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، تیسرے وہ شخص کہ جس کے پاس مال ہو، مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ مقروض ہو، چوتھے وہ شخص جو قید میں ہو، اس کو چھڑانے کے لئے، پانچویں وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بہ طور ہدیہ وتحفہ پیش کر دیا ہو)۔

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملین کو جو رقم زکوٰۃ میں سے دی جاتی ہے وہ بہ حیثیت

Marfat.com

صدقہ نہیں، بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے غنی اور مال دار ہونے کے باوجود اس رقم کے مستحق ہیں اور مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں صرف یہی ایک مد ایسی ہے جس میں زکوٰۃ کی رقم معاوضہ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے، ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو کسی غریب کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوٰۃ دیا گیا تو وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (تحفۃ الفقہاء ۲/۲۹۹)۔

عامل صدقہ کے بارہ میں دو اشکال اور اس کا جواب:

اب یہاں دو اشکال پیش آتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا؟، دوسرے یہ کہ مال داروں کے لئے مال زکوٰۃ کس طرح حلال ہوا؟ ہر دو اشکال کا جواب ایک ہے جو عاملین صدقہ کی اصلی حیثیت کو ذہن نشین کرنے پر موقوف ہے۔

وہ یہ کہ عاملین صدقات وکیل فقراء کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ بات بدیہی ہے کہ قبضہ وکیل موکل ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل ومختار بنادے اور قرض دار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرض دار بری الذمہ اور سبکدوش ہو جاتا ہے، لہذا جب رقم زکوٰۃ، عاملین صدقہ نے وکیل فقراء ہونے کی حیثیت سے وصول کی تو عامل صدقہ کا قبضہ ہوتے ہی زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اب پوری رقم فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بہ طور وکیل عامل صدقہ نے وصول کر لی ہے، اب جو رقم بہ طور حق الخدمت ان کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں، بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی اور فقراء کو اس میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان عاملین صدقہ سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دیں۔

بغیر توکیل کے عاملین صدقہ فقراء کے وکیل کس طرح ہیں؟

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل ومختار بنایا نہیں، پھر عاملین صدقات

Marfat.com

ان کے وکیل کیسے بن گئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے، وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء وغرباء کا وکیل ہو جاتا ہے، کیونکہ ان سب ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، پھر امیر مملکت جس جس کو تحصیل صدقات پر عامل بنادے وہ سب نائب امیر کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا دے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کردے تو یہاں نہ تو دینے والا بہ طور زکوٰۃ دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

مدارس کے مہتمم اور دیگر اداروں کے ارباب حل وعقد عاملین کے حکم میں نہیں:

درج بالا تشریح سے یہ بات بہ خوبی واضح ہوگئی کہ آج کل کے مدارس اسلامیہ کے مہتمم صاحبان اور انجمنوں واداروں کے عہدے داران یا ان کی جانب سے وصول یابی کے لئے بھیجے ہوئے سفراء جو صدقات وزکوٰۃ ان مدارس واداروں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ دی جا سکے، بلکہ ان کو مدارس واداروں کی طرف سے زکوٰۃ کے علاوہ جداگانہ دوسری کسی رقم سے تنخواہ دینا ضروری ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، زکوٰۃ دہندگان کی جانب سے مال زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کے قبضہ کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک کہ یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کریں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل نہیں بنایا، اور امیر المومنین یا اسلامی سربراہ کی ولایت عامہ کی بناء پر خود بہ خود حاصل شدہ وکالتِ فقراء

Marfat.com

بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے کہ بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسے کہ زکوۃ کی رقم خود زکوۃ دہندہ کے پاس رکھی ہو۔

مہتمم مدرسہ زکوۃ دینے والوں کے وکیل ہیں یا طلبہ کے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل فرض اور تسلیم کئے جانے کی صورت میں بھی اس کو زکوۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دیگر ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ طلبہ کے خورد ونوش، لباس اور ان کی خاص ضروریات پر ہی خرچ کرسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ایک طویل فتوی ہے جو (امداد الفتاوی ۲/۳۱۶) میں مذکور ہے، اسی طرح اس سلسلہ میں مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ کی رائے بھی (کفایت المفتی ۴/۲۷۰) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کیا دینی تعلیم کی بقاء کی اہمیت کے پیش نظر مدرسین کی تنخواہیں زکوۃ کی مد سے دیئے جانے کا فیصلہ حنفیہ کے موقعہ شناس علماء کی اجتماعی رائے سے ممکن ہے؟

اس سلسلہ میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل فتوی سے روشنی و رہنمائی مل سکتی ہے۔

سوال: عاملین کے متعلق تو فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ ان کو بہ قدر عمل لے لینا جائز ہے، کیا مدرسین کی تنخواہیں اس زکوۃ کے مال سے کسی جزئیہ کے تحت دی جاسکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا جزئیہ نکل آوے تو مدرسہ چلنے کی صورت زیادہ آسان ہو جاتی ہے، نیز کیا شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں ایسی صورت میں روپیہ زکوۃ کا صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بلا عوض ضروری

Marfat.com

ہے اور اس اصل سے سوائے عاملین کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں، اس لئے حنفی اصول کے مطابق مدرسین کی تنخواہ زکوٰۃ میں سے نہیں دی جا سکتی، البتہ دیگر ائمہؒ کے مسلک کے موافق جو تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے اور امور خیر میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس کی گنجائش ہے کہ مدرسین کی تنخواہیں زکوٰۃ کے روپے سے ادا کر دی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم کا وجود و بقاء اسلامی عربی مدارس پر موقوف ہے، اور مدارس کی زندگی کا مدار آج کل زکوٰۃ پر ہی رہ گیا ہے، معاملہ اہم ہے، مگر اس کا فیصلہ حنفیہ کے علماء متدین و موقعہ شناس اجتماعی رائے سے کر سکتے ہیں'' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ۴/۲۸۵)۔

فی سبیل اللہ کے مصداق میں عموم وتوسیع کے دلائل پر ایک نظر:

بعض اہل علم ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کے اس قول سے کہ فی سبیل اللہ کے اندر طلبۂ علم اور تمام امور خیر داخل ہیں، نیز ابن ماجہ کی اس حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من دخل في مسجد ناهذا ليتعلم خيرا أو يعلمه كان كالمجاهد في سبيل الله'' (جو شخص ہماری اس مسجد میں خیر کی کوئی بات سیکھنے یا سکھلانے کی غرض سے آئے تو وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے)'' ليتعلم خيرا أو يعلمه'' کے الفاظ کے پیش نظر متعلم دین کے ساتھ خود معلم دین بھی فی سبیل اللہ میں ایک مجاہد کی طرح داخل و شامل ہے۔

نیز فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع و تعمیم پر'' بخاری شریف کتاب الدیات'' میں مذکور اس حدیث کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر ایک مقتول شخص کی دیت زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دے کر ادا کی۔

''فوداه مائة من إبل الصدقة'' (بخاری شریف)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ کے بیان کے مطابق بعض علماء مصالح عامہ میں صرفِ زکوٰۃ اس حدیث اور دوسری حدیث کی بناء پر جائز سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

لہذا مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو محتاج غازی اور محتاج حاجی کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے، اور طلبہ علوم دینیہ اور دینی خدمات میں مشغول اہل علم و دیگر خدام دین فقر و احتیاج کے بغیر بھی مصرف و مستحق زکوٰۃ ہیں۔

لہذا اس کے جواب میں درج ذیل امور عرض ہیں:

ا۔ فقہاء احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ نے اپنے اپنے فقہ کی کتابوں میں صراحت کر دی ہے کہ اموال زکوٰۃ براہ راست تکفین میت، مساجد، مدارس، ہسپتالوں کی تعمیر اور دیگر رفاہی کاموں میں خرچ نہیں کیے جا سکتے، ان کی عبارتیں اور تصریحات ماقبل میں درج ہو چکی ہیں۔

زیاد بن الحارث صدائیؓ کی یہ حدیث کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله لم يرض في الصدقات بحكم نبي ولا غيره حتى جزأها ثمانية أجزاء" (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴/ ۱۰۷)

(یعنی تقسیم صدقات کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی و غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے، اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو قرآن کریم میں ان آٹھ مصارف کا بیان بالکل فضول اور حضور ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد بالکل غلط قرار پاتا)۔

لہذا ان امور مذکورہ بالا سے فی سبیل اللہ کے مصداق کی تخصیص مفہوم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں فی سبیل اللہ کے مفہوم کو محتاج غازی اور محتاج حاجی تک محدود قرار دینے میں عصر حاضر کے بعض مقلد جامد قسم کے اہل علم ہی نہیں، بلکہ صاحب تفسیر خازن (۳/ ۹۲) اور علامہ ابن ہمام جیسے اساطین امت بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے نوع مخصوص مراد ہے، ورنہ فی سبیل اللہ کے لفظی و لغوی عموم میں تو تمام اصناف شامل ہو جائیں گی (فتح القدیر ۲/ ۲۰۵)۔

۲۔ صحتِ تشبیہ کے لئے دو چیزوں کا بعض اوصاف میں اشتراک کافی ہے، اشتراک

Marfat.com

فی جمیع الاوصاف ضروری نہیں، نیز بعض امور میں اشتراک کی بناء پر ایک شئی پر کسی لفظ کا اطلاق شائع وذائع ہے۔

لہذا مذکورہ بالا حدیث میں متعلم ومعلم خیر کو اجر وثواب، فضیلت ومنقبت کے اعتبار سے مجاہد کی طرح فی سبیل اللہ کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے، اور اس میں داخل کیا گیا ہے استحقاق زکوٰۃ کے اعتبار سے نہیں۔

۳-"فواده مائة من إبل الصدقة"۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں تصریح کی ہے کہ روایت کے اکثر طرق میں "من أهل الصدقة" کے بجائے "من عنده" کا لفظ ہے، یعنی نبی کریم ﷺ نے اولیاء مقتول کو سو اونٹ بہ طور دیت اپنے پاس سے عطا فرمائے، اس صورت میں مصالح عامہ میں زکوٰۃ کے جواز صرف کرنے کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

پھر آگے چل کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قرطبیؒ کے حوالہ سے یہ بھی تحریر فرمایا ہے: "من إبل الصدقة" والی روایت کی بہ نسبت "من عنده" والی روایت اصح ہے اور پھر "من اہل الصدقۃ" والی روایت کی مختلف توجیہات کے ذیل میں یہ بھی فرمایا کہ ممکن ہے کہ اولیاء مقتول کے مستحق زکوٰۃ ہونے کی بناء پر ان کو سو اونٹ زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے دیئے ہوں، لہذا ان مختلف احتمالات کے ہوتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مصداق میں توسیع وتعمیم، نیز مصالح عامہ میں زکوٰۃ کے جواز صرف پر اس حدیث سے استدلال محل تأمل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی پوری عبارت (فتح الباری ۱۲/ ۲۳۵) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۴-فی سبیل اللہ کے مفہوم میں عموم کے قائلین اپنے استدلال میں علامہ کاسانیؒ کا یہ قول بڑی قوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے جمیع طاعات وخیرات میں مشغول لوگوں کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل قرار دیا جائے۔

لہذا طلبہ علوم دینیہ، علماء دین، دینی خدمات میں مشغول حضرات کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل مان کر مستحق زکوٰۃ قرار دیا جائے۔

Marfat.com

مگر علامہ کاسانیؒ کا یہ قول مذکورہ مقصد کے مفید ومؤید نہیں، کیونکہ انہوں نے جمیع خیرات وطاعات میں مشغول لوگوں کو بہ شرط فقر واحتیاج فی سبیل اللہ میں داخل مان کر مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے (دیکھئے: بدائع ۲/۴۶)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے بھی عامل صدقہ کے سوا تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر واحتیاج کی شرط ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ فی سبیل اللہ کی تمام صورتوں میں فقر واحتیاج کی شرط لازمی طور پر ملحوظ رہے گی (دیکھئے: فتح القدیر ۲/۲۰۵)۔

علاوہ ازیں علامہ ابن ہمام ''فتح القدیر'' میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ آیت مصارف زکوٰۃ میں جتنے مصارف ذکر کیے گئے ہیں ان میں عاملین صدقات ومولفۃ القلوب کے سوا تمام مصارف میں سے ہر ہر مصرف کے الفاظ خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر واحتیاج کی بنا پر مستحق ہیں، کیونکہ یہ اصول اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ تعلیق الحکم بالمشتق والی صورت میں مبداء وماخذ اشتقاق ہی اس حکم کی علت ہوا کرتا ہے (فتح القدیر ۲/۲۰۹)۔

اسی طرح علامہ ابن نجیمؒ صاحب ''البحر الرائق'' نے بھی فی سبیل اللہ میں داخل وشامل تمام صورتوں میں فقر واحتیاج کی شرط کو ضروری قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین کی تعلیم وتدریس، تبلیغ، نشر واشاعت میں مشغول علماء کرام، نیز کسی دینی خدمت کی انجام دہی میں مصروف لوگ، بشرط فقر واحتیاج ہی مستحق زکوٰۃ قرار دیئے جائیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ پر ایک تحقیقی نظر

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم ترین مالی فریضہ ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے، زکوٰۃ کن لوگوں پر صرف کی جاسکتی ہے، مصارف زکوٰۃ کیا ہیں، اس کی وضاحت وتفصیل خود اللہ رب العزت نے سورۂ توبہ میں حصر کے ساتھ بیان فرمادی ہے، مصارف زکوٰۃ کے بیان کے بعد اس کی اہمیت کو ''فریضة من الله'' کہہ کر موکد کیا گیا،، جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف انھیں لوگوں کو دی جاسکتی ہے جس کا تذکرہ اللہ تبارک تعالیٰ نے کیا ہے، مصارف زکوٰۃ کے باب میں سورہ توبہ کی آیت ''انما الصدقات للفقراء'' الخ بنیادی حیثیت رکھتی ہے، مصارف زکوٰۃ کتاب اللہ سے منصوص ہیں، لہٰذا نہ تو کسی غیر مصرف زکوٰۃ کو مصرف قرار دے کر اسے مستحق زکوٰۃ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی مد سے خارج کیا جاسکتا ہے، زمانہ رسالت سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقوم قرآن کے بیان کئے ہوئے مصارف پر خرچ کرتی آرہی ہے، مگر موجودہ دور میں بعض معاصر علماء اور بعض حلقوں کی طرف سے یہ بات بڑے زور وشور سے اٹھائی جارہی ہے کہ قرآن کے لفظ فی سبیل اللہ میں توسیع وتعمیم ہے اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے، جو کسی بھی رفاہی اور دینی کام میں مشغول ہو، مدارس اسلامیہ میں درس وتدریس میں مشغول علماء، اصحاب فقہ وفتاویٰ، دینی اداروں اور اکیڈمیوں میں تحقیق وریسرچ کرنے والے اصحاب قلم جو دینی کاموں کے لئے فارغ

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

ہوتے ہیں، مصرف زکوٰۃ ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہیں اور مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لئے لینا جائز ہے، اس لحاظ سے یہ نقطۂ نظر بڑا نازک ہے کہ اگر علماء اور دینی کاموں میں مشغول افراد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو آج تک امت ان لوگوں کو زکوٰۃ سے کیوں محروم کرتی رہی ہے اور اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں تو پھر نص قرآنی کی رو سے انھیں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ علماء اور فقہ وفتاویٰ کے ماہرین ایک ساتھ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس مسئلہ پر واضح اور دوٹوک فیصلہ کر کے پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں درج ذیل باتوں پر غور کرنا ضروری ہے:

الف- فی سبیل اللہ کا مصداق کیا ہے، اس سلسلہ میں جمہور علماء اور اکابر امت کی تشریحات کیا ہیں؟

ب- کیا فی سبیل اللہ کے مصداق میں تمام مصارف خیر یہ داخل ہیں؟۔

ج- منقطع الغزاۃ، یا الحاج المنقطع میں سے جسے بھی مصرف زکوٰۃ قرار دیا جائے، اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا فقر واحتیاج کے وصف کے ساتھ ہے یا مطلقاً؟

الف- فی سبیل اللہ کا مصداق:

فی سبیل اللہ کے مصداق ومفہوم اور اس کی تعیین کے سلسلہ میں علماء امت کے حسب ذیل اقوال کتب فقہ وحدیث میں ملتے ہیں۔

ا- فی سبیل اللہ کے مفہوم میں سارے ہی اعمال خیر اور قربت وطاعت کی چیزیں داخل ہیں۔ علماء امت میں سب سے پہلے مفسر قرآن امام رازیؒ نے اپنی تفسیر ''تفسیر کبیر'' میں امام قفال کے حوالہ سے اسے بعض علماء کی طرف منسوب کیا ہے، بعض معاصر علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

Marfat.com

۲- فی سبیل اللہ صرف مسلمانوں کے مصالح عامہ (مثلاً عمومی خیراتی ہسپتال، مسافر خانے اور مدارس دینیہ وغیرہ کو شامل ہے، علماء سلف میں سے کسی کی بھی یہ رائے نہیں ہے، البتہ ماضی قریب کے علماء میں سے رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت وغیرہ ہم اس کے قائل ہیں۔

۳- فی سبیل اللہ سے وہ حاجی مراد ہے جو حجاج کے قافلہ سے بچھڑ گیا ہو اور اس کے اخراجات سفر اور سواری کا جانور ختم ہو گیا ہو، حنفیہ میں سے حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی یہی رائے ہے، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ سے حج مراد ہے۔

۴- مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس اور فقہ و فتاویٰ کی خدمات پر مامور مدرسین، علماء وفقہاء دینی اداروں اور اکیڈمیوں میں فقہ و قضاء اور دینی کاموں میں مشغول تمام افراد، مدارس کے طلبہ سب فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ ہیں۔ علماء سلف میں سے کسی بھی فقیہ کی یہ رائے نہیں ملتی ہے، البتہ عصر حاضر کے بعض علماء اس نظریہ کے قائل ہیں۔

۵- جمہور علماء کا مسلک:

جمہور اکابر امت اور اصحاب فقہ و فتاویٰ کا دور رسالت سے لے کر آج تک یہ مسلک رہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ و جہاد مراد ہے، یعنی وہ شخص جو سامان جہاد، اسلحہ کی فراہمی پر قدرت نہیں رکھتا ہے، یا وہ مجاہد جو اپنے وطن میں خوش حال اور صاحب دولت و ثروت ہے، مگر راستہ میں غازیوں کے قافلہ سے بچھڑ گیا، اس کا زادراہ ختم ہو گیا، سواری کا جانور اور جہاد کا سامان ختم ہو گیا اسے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ، مالکؒ اور مشہور قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مال دار غازی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک غزوہ و جہاد کے علاوہ اور کسی کام میں مشغول افراد فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں گے، ائمہ اربعہ جن کی اتباع و تقلید پر پوری امت کا اجماع ہے ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ امام شافعی رحمہم اللہ کا اجماعی فیصلہ یہ ہے

Marfat.com

کہ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہے، جیسا کہ علامہ ابن رشد مالکیؒ نے ''بدایۃ المجتہد'' میں صراحت کی ہے (۱/ ۲۰۴)۔

قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ فی سبیل اللہ سے فقراء غزاۃ مراد ہیں، کیوں کہ شریعت کے عرف میں جب مطلق فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے غزوہ وجہاد ہی مفہوم ومراد ہوتا ہے (بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۹۰۸)۔

امام ابو یوسفؒ اور جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ شرع میں جب ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے غزوہ ہی مراد ہوتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی کا قول نقل کیا ہے کہ ''إذا أطلق ذکر سبیل الله فالمراد به الجهاد'' (فتح الباری ۷/ ۴۸) جب سبیل کا مطلق ذکر ہوتا ہے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، اور ابن قدامہ حنبلی کی رائے نقل ہے:

''سبیل الله عند الاطلاق هو الغزو'' (المغنی)۔

فقہ شافعیؒ کی مشہور کتاب ''المجموع شرح المہذب للنووی'' میں ہے:

''المتبادر إلی الأفهام أن سبیل الله تعالیٰ هو الغزو وأکثر ماجاء في القرآن العزیز کذلک'' (۶/ ۲۱۲)۔

صاحب ''لباب التاویل فی معانی التنزیل'' نے لکھا ہے کہ انفاق، مصالح دینیہ میں مال خرچ کرنے کا نام ہے، جیسے حج، عمرہ صلہ رحمی، صدقہ، جہاد اور غازیوں کی امداد، اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا، اس لئے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی عبادت وقربت میں داخل ہیں، لیکن جب ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد مراد ہوتا ہے (کتاب التاویل فی معانی التنزیل ۱/ ۱۴۴)۔

ب- کیا فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام مصارفِ خیر یہ داخل ہیں؟

اس سلسلہ میں شمس الائمہ علامہ کاسانیؒ نے اپنی معروف تصنیف ''بدائع'' میں

Marfat.com

مصارف زکوۃ کے ذیل میں فقر واحتیاج کے وصف کوملحوظ رکھتے ہوئے تمام ہی مصارف خیر یہ اور دینی امور کوفی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کیا ہے، علامہ کی تقلید میں متاخرین فقہاء حنفیہ میں سے علامہ ابن نجیم مصریؒ صاحب ''بحرالرائق'' اور علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحب ''ردالمحتار'' نے بھی اسے نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ تمام افراد جومختلف دینی امور کی انجام دہی میں مشغول ہیں، اگر محتاج ومفلس ہیں تو فقر واحتیاج کی علت کی بنیاد پر ان کوزکوۃ کی رقم دینا اور ان کے لئے زکوۃ کی رقم لینا جائز ہوگا، زکوۃ کی رقم لینے کا انھیں استحقاق فقر وافلاس کی وجہ سے ہوگا، نہ کہ دینی کاموں میں مشغولیت کے معاوضہ کے طور پر۔

علامہ کاسانیؒ نے فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''یعنی اللہ تعالیٰ کا قول ''وفی سبیل اللہ'' تمام ہی مصارف خیر یہ اور عبادت وطاعت الٰہی کی چیزوں کوشامل ہے۔ پس اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو طاعتِ خداوندی میں منہمک اور مصارف خیر یہ میں مشغول ہو، بشرطیکہ وہ شخص محتاج و افلاس کا شکار ہو'' (بدائع الصنائع ۲/۹۰۷)۔

جب زکوۃ لینے اور دینے کی علت فقر واحتیاج کوقرار دیا گیا تو جہاں جہاں یہ علت فقر پائی جائے گی زکوۃ دینا اور لینا جائز قرار پائے گا۔

لہٰذا فقر واحتیاج کی بنیاد پر ان تمام افراد کوزکوۃ دی جاسکتی ہے جوکسی علمی تحقیقی اور دینی کاموں میں مشغول ہوں اور ان کا مستحق زکوۃ ہونا بربنائے فقر وافلاس ہوگا، اس لحاظ سے یہ سارے لوگ فقراء ومساکین والے مصرف میں داخل ہوں گے۔

ج-غازی اور گم کردہ زادراہ حاجی کیا مطلقاً مصرف زکوۃ میں شامل ہیں؟

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے منقطع الغزاۃ کوقرار دیا جائے، یا الحاج المنقطع کو، کیا وہ لوگ جو اس کے مصداق ہیں ان کا مستحق زکوۃ ہونے کے لئے

Marfat.com

فقر واحتیاج ضروری ہے، یا ہر حال میں وہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر زکوٰۃ کے مستحق ہوں گے؟

اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی تصریحات اور ائمہ احناف کے اقوال سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ چاہے فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الغزاۃ کو قرار دیا جائے، یا الحاج المنقطع کو، یا کسی اور دوسرے افراد کو، بہر حال مستحق زکوٰۃ ہونے اور فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہونے کے لئے ان کا فقیر ومحتاج ہونا ضروری ہے، وصف فقر وافلاس ہی کی بنیاد پر وہ لوگ فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل ہو کر زکوٰۃ کے مستحق پائیں گے، پس اگر کوئی مجاہد غازی، یا حاجی، اپنے ساتھیوں اور قافلہ والوں سے بچھڑ گیا، لیکن اس کے پاس آگے سفر جاری رکھنے اور منزل تک پہنچنے کے لئے زادراہ، اثاثہ اور مجاہد کے پاس آلات جہاد اور حاجی کے پاس زادِراہ کے علاوہ آگے سفر جاری رکھنے کے لئے سواری، یا اخراجات سفر موجود ہیں تو ایسے غازی، یا حاجی کو فی سبیل اللہ کا مصرف قرار دے کر زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا، چنانچہ فقہ حنفی کی معروف اور مستند کتاب ''بدائع'' میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے حوالہ سے فی سبیل اللہ کے بارے میں یہ تشریح نقل کی گئی ہے:

''وقال أبو يوسف: المراد منه فقراء الغزاة'' (بدائع الصنائع ۲/۷۰۹)۔

اور صاحب تبیین الحقائق نے لکھا ہے:

''وفي سبيل الله هم منقطع الغزاة عند أبي يوسفؒ أي الفقراء منهم و عند محمد منقطع الحاج المنقطع وهم الفقراء منهم'' (تبیین الحقائق ۱/۲۹۸)۔

شمس الائمہ علامہ شمس الدین سرخسی ''فی سبیل اللہ'' کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وأما قوله تعالى: وفي سبيل الله فهم الفقراء الغزاة، وهكذا قال أبو يوسف، وقال محمد: هم فقراء الحاج المنقطع بهم'' (مبسوط للسرخسی ۳/۱۰)۔

صاحب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

Marfat.com

''پھر جولوگ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی کوقرار دیتے ہیں توان کے نزدیک غازی سے وہ شخص مراد ہے جو رقبہ اور ید دونوں کے اعتبار سے فقیر ہو (یعنی نہ تو اس کے وطن میں اس کے پاس اپنا ذاتی مال ہو اور نہ اس وقت اس کے پاس کچھ مال ہو) یا صرف رقبہ کے اعتبار سے فقیر ہو، بایں طور کہ وہ اپنے وطن میں مال و دولت کا مالک ہو، مگر اس وقت اس کے پاس مال نہ ہو تو ایسا شخص بہ اعتبار ید فقیر کہلائے گا اور بہ اعتبار رقبہ غنی، جو شخص رقبہ اور ید دونوں لحاظ سے غنی ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہوگا'' (فتاوی تاتارخانیہ ۳/۲۷۰)۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسی غازی، یا حاجی کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جس کے پاس اپنا ذاتی مال نہ ہو۔

اس سلسلہ میں محقق ابن نجیمؒ کی عبارت بالکل واضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

''فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے منقطع الغزاۃ کو قرار دیا جائے، یا منقطع الحاج کو، بہر حال ان کا فقیر ہونا ضروری ہے، ہر صورت میں وصف فقر و احتیاج ہی استحقاقِ زکوٰۃ کی علت قرار پائے گا۔'' ولا يخفى أن قيد الفقر لابد منه على الوجوه كلها'' (البحرالرائق ۲/۲۴۲)۔

اسی طرح علامہ شمس الدین نے سرخسیؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک مال دار غازیوں پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ لکھا ہے: کہ وہ حدیث جس میں رسول اکرم ﷺ نے پانچ افراد کے لئے زکوٰۃ کی رقم حلال فرمائی اور ان میں غازی فی سبیل اللہ کو بھی شمار کیا گیا اس حدیث میں غنی سے مال دار اور صاحب ثروت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص اپنی جسمانی قوت اور کمانے کی قدرت رکھنے کی وجہ سے غنی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی زکوٰۃ کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ (تؤخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم) مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: مبسوط ۳/۱۰)۔

ان ساری تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق چاہے اس غازی کو قرار

Marfat.com

دیا جائے جو غازیوں کے قافلہ سے بچھڑ گیا ہو، یا اس حاجی کو قرار دیا جائے جو اپنے قافلے سے بچھڑ گیا ہو، یا کسی اور شخص کو، بہر حال مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے ان کا فقیر ہونا ضروری ہے۔

البتہ اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان اشخاص کا جو فی سبیل اللہ کے مصرف میں آتے ہیں فقیر ہونا ضروری ہے تو ان کا مصرف زکوٰۃ ہونا تو فقراء و مساکین کے ذیل میں بیان ہو چکا تو پھر علیحدہ سے فی سبیل اللہ کے عنوان سے مکرر ان کا تذکرہ کرنا اور انھیں مستقل مصرف کے عنوان سے ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ''عنایہ'' نے اس پر اس طرح اشکال نقل کیا ہے:

''پس اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''وفی سبیل اللہ'' مکرر ہے، چاہے اس سے منقطع الغزاۃ مراد لیا جائے، یا منقطع الحاج، اس لئے کہ ہر دو صورت میں، یا تو اس شخص کے پاس وطن میں اپنا ذاتی مال اور پراپرٹی ہوگی، یا نہیں ہوگی؟ اگر اس کے پاس وطن میں مال ہے تو پھر وہ ابن السبیل کہلائے گا جو مستقل مصرف زکوٰۃ ہے اور اگر اس کے پاس وطن میں بھی مال نہ ہو تو پھر وہ فقیر ہوگا اور فقیر کا بھی مصرف زکوٰۃ ہونا علیحدہ بیان ہو چکا ہے، اس لحاظ سے مصرف زکوٰۃ کی تعداد آٹھ نہیں رہ جائے گی''۔

اس اشکال کا جواب خود صاحب ''عنایہ'' نے یہ دیا ہے:

''فی سبیل اللہ کا مصداق منقطع الغزاۃ ہو، یا منقطع الحاج، بہر حال ان کا فقیر ہونا ضروری ہے اور فقیر ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوٰۃ فقراء'' میں داخل ہیں، مگر چوں کہ ایسے افراد کے اندر فقر و احتیاج کے علاوہ ایک اور شئی بھی پائی جاتی ہے اور وہ ان کا اللہ کے راستہ میں جہاد، یا حج کرنے کی خاطر قافلہ سے بچھڑ جانا ہے، اس انقطاع کی وجہ سے ان کا علیحدہ سے مستقل مصرف کی حیثیت سے تذکرہ کر دیا گیا (دیکھئے: عنایہ مع الفتح ۲ر ۲۶۴)۔

علامہ زیلعیؒ نے بھی اس کا یہی جواب دیا ہے کہ باجود ے کہ یہ اشخاص فقراء و مساکین میں داخل ہیں، مگر ان کا فقر و احتیاج اس لحاظ سے بڑھا ہوا ہے کہ یہ فقیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قافلہ والوں سے بچھڑے ہونے کی وجہ سے مزید اس کے حق دار ہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔

Marfat.com

د- کیا مالدار غازیوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

فی سبیل اللہ کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کا مصداق ان غازیوں کو قرار دیا جائے جو اپنے قافلہ سے بچھڑ گئے ہوں تو کیا ہر اس غازی اور مجاہد کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے جو قافلہ سے بچھڑ گیا ہو، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، یا صرف ان ہی غزاۃ اور مجاہدین کو زکوٰۃ دینا جائز ہوگا جو فقیر و محتاج ہوں۔

اس سلسلہ میں دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں، ایک حنفیہ کا اور دوسرے ائمہ ثلثہ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا۔

پہلا نقطۂ نظر:

فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق فی سبیل اللہ کے مصداق جو حضرات بھی ہوں ان کا فقیر و محتاج ہونا ضروری ہوگا، اور صفت فقر و افلاس ہی کی وجہ سے وہ افراد مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آکر مستحق زکوٰۃ ہوں گے، عاملین زکوٰۃ کے علاوہ تمام ہی مصارف زکوٰۃ میں فقہائے احناف، فقر و احتیاج کی قید لگاتے ہیں، چنانچہ محقق ابن نجیم مصریؒ نے اپنی معروف تصنیف ''البحر الرائق'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''ولا يخفى أن قيد الفقر لا به منه على الوجوه كلها''۔

اور ''فتح القدیر'' میں ہے:

''إنمايعطى الأصناف كلهم سوى العامل بشرط الفقر''۔

اس لحاظ سے جن فقہاء احناف نے فی سبیل اللہ کے مفہوم کی توسیع کر کے طالب علم، یا تمام ہی امور خیریہ کو اس میں شامل کیا ہے ان کی اس توسیع سے مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کی تشریح و تعبیر میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ صرف اختلاف لفظی ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ جب ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کے دائرہ میں آنے

Marfat.com

والے تمام ہی اشخاص کے لئے فقیر ہونا لازمی امر ہے، تو فی سبیل اللہ کے مصرف میں آنے والے تمام ہی اشخاص وصف فقر کی وجہ سے زکوٰۃ کے پہلے مصرف فقراء میں متفقہ طور پر داخل ہوئے، لہٰذا فقہاء احناف کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہو کر صرف وہی غازی، یا حاجی حضرات مستحق قرار پائیں گے جن کے پاس اپنا ذاتی مال واسباب نہ ہو، یا مال وطن میں ہو مگر فی الحال وہ اپنے قافلہ سے بچھڑ جانے کی وجہ سے اسلحہ، یا خورد ونوش کے لئے پریشان ہوں، تو ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے اور اگر ان کے پاس اپنی ذاتی رقم موجود ہو جس سے وہ اپنے لئے سامان جہاد خرید سکتے ہیں، اور اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، پھر ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا، اور اس صورت میں وہ افراد فی سبیل اللہ کے مصداق نہیں قرار پائیں گے، چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ زیلعیؒ شارح کنز نے غازی کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جو شخص جہاد کی غرض سے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو (یا قافلہ سے بچھڑ گیا ہو) اور جہاد کے لئے اسلحہ اور سامان جہاد کا محتاج ہو، خود اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو کہ وہ اس سے سامان جہاد کا انتظام کر سکے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہوگا (تبیین الحقائق ۱/۳۰۲)۔

شمس العلماء علامہ کاسانیؒ نے مالدار غازی کے مصرف زکوٰۃ نہ ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کا وہ ارشاد ہے: ''لاتحل الصدقة لغني'' کسی بھی مال دار کے لئے صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کی رقم لینا حلال نہیں ہے، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور اسے تمہارے فقراء پر صرف کروں'' تو آپ ﷺ نے اس حدیث میں لوگوں کی دو قسمیں بیان فرمائی: ایک قسم وہ ہے جس سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جائے گی، جنھیں 'معطین' کہا جائے گا، اور دوسری قسم وہ ہے جن پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے گی، جو 'آخذین' کہلائیں گے، پس اگر زکوٰۃ کی رقم مالدار پر صرف کرنا جائز قرار دیا جائے تو پھر تقسیم ہی باطل ہو جائے گی، اور یہ درست نہیں ہے'' (بدائع الصنائع ۲/۷۰)۔

Marfat.com

شمس الائمہ علامہ شمس الدین سرخسیؒ نے لکھا ہے:

”ولایصرف إلی الأغنیاء من الغزاۃ عندنا“

ہمارے نزدیک مالدار غازیوں پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”فتاویٰ تاتارخانیہ“ میں ہے:

”جولوگ فی سبیل اللہ سے غازی مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک غازی سے وہ شخص مراد ہے جو فقیر ومحتاج ہو، چاہے یہ فقر واحتیاج صرف حالتِ سفر میں ہو، یا وہ اپنے وطن میں بھی فقیر ہو اور حالت سفر میں بھی۔“

دوسرا نقطۂ نظر:

اس سلسلہ میں دوسرا نقطۂ نظر ائمہ ثلثہ حضرت امام مالک، شافعی اور احمد ابن حنبل رحمہم اللہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق بننے کے لئے فقر واحتیاج کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا جولوگ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق ہوں گے ان کا فقیر ومحتاج ہونا، استحقاقِ زکوٰۃ کے لئے ضروری نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دو شرطوں کے ساتھ مال دار غازیوں کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص ایسا ہو کہ سرکاری دیوان میں اس کا وظیفہ اور شہریہ مقرر نہ ہو۔

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مال ”فئے“ میں سے اپنا حصہ نہ لیتا ہو۔

۱- مصارفِ زکوٰۃ کا حصر حقیقی ہے یا اضافی؟

مصارفِ زکوٰۃ کے باب میں سورۂ توبہ کی آیت (۶۰) بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی تاکید اور حصر کے ساتھ مصارف زکوٰۃ کی تحدید فرما کر آئندہ کے لئے اس کا دروازہ بند فرمادیا کہ ان اصناف ثمانیہ کے علاوہ کسی اور دوسری قسم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے، اس

Marfat.com

آیت کریمہ میں مصارف کا بیان لفظ "إنما" اور "لام" کے ذریعہ ہوا ہے اور یہ دونوں عربی زبان میں حصر کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مصارف کے بیان کے بعد اسے "فریضۃ من اللہ" کہہ کر مزید مؤکد کر دیا گیا، جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو انھیں مذکورہ مصارف پر صرف کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤکد فریضہ ہے، میرے نزدیک یہ حصر اضافی نہیں ہے، بلکہ حقیقی ہے اور مصارف مذکورہ کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کسی بندے کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ خالق کائنات نے جن مصارف کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ کسی اور مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرے۔

اس موقع پر حضرت الامام محمد بن ادریس شافعیؒ کا قول نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں فریضۂ زکوٰۃ اور اس کے مصارف کا محکم بیان فرمایا اور پھر اسے "فریضة من الله" کہہ کر مؤکد فرما دیا۔ پس جب تک یہ اصنافِ زکوٰۃ موجود ہوں گی، کسی بھی بندے کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے مصارف کے علاوہ کسی اور دوسرے مصارف پر زکوٰۃ تقسیم کرے" (کتاب الأم ۲/۶۰)۔

فقہ ظاہری کے معروف فقیہ ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی کتاب "المحلی" میں صحیح سند سے امام المفسرین حضرت ابن عباسؓ سے مصارف زکوٰۃ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے:

"ضعوها مواضعها" (المحلی ۳/۱۴۵) زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ان کے مصارف پر خرچ کرو۔

مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ المقدسیؒ نے مصارف زکوٰۃ کے حصر کو حقیقی قرار دیتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

"ولا يجوز صرف الزكوٰة إلى غير من ذكر الله تعالى" (المغنی ۲/۲۶۷)۔

اس موقع پر صاحب "نیل المآرب" کی عبارت نقل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، فرماتے ہیں:

Marfat.com

''مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسرے پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً اس سے مساجد، پلوں کی تعمیر، مردوں کی تجہیز و تکفین، مصاحف قرآنیہ کا وقف کرنا اور ان کے علاوہ دیگر مصارف خیریہ میں اسے صرف کرنا جائز نہیں ہے (نیل المآرب ۱/ ۲۶۳)۔

معروف شافعی فقیہ علامہ تقی الدین بن ابی بکر محمد الحسینیؒ نے لکھا ہے:

''اگر کسی ایسے شخص کو زکوٰۃ دے دی گئی جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں تھا تو ایسے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور وہ بری الذمہ نہیں ہوگا'' (کفایۃ الاختیار فی غایۃ الاختصار ۱/ ۳۷۶)۔

امام المفسرین حضرت سعید بن جبیر تابعی کا قول ہے:

''ضعها حيث أمرک الله'' (المحلی ۲/ ۱۴۵)۔

(اللہ نے زکوٰۃ کی رقم جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اسے وہیں خرچ کرو)۔

اکابر امت، فقہاء اور ائمہ مفسرین کی یہ تصریحات اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ مصارفِ زکوٰۃ میں حصر اضافی نہیں حقیقی ہے، سوالنامہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جس عبارت کو پیش کر کے اسے حصر اضافی کی دلیل بنایا گیا ہے، وہ حضرت شاہ صاحبؒ کا تفرد اور ان کی ذاتی رائے ہے۔

۲- فی سبیل اللہ کے مطلق استعمال کی صورت میں غزوہ و جہاد ہی مراد ہوتا ہے:

فی سبیل اللہ کا لفظ اگرچہ لغوی اعتبار سے اپنے مفہوم میں کافی وسعت رکھتا ہے اور ہر وہ راہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچانے والی ہو، اس پر فی سبیل اللہ کا لغوی اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا صدیق حسن خانؒ اور دیگر محققین نے صراحت کی ہے، مگر جب کتاب و سنت اور شریعت اسلامی کی اصلاح میں فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا ایک خاص مفہوم و مصداق ہوتا ہے اور وہ غزوہ و جہاد ہے، اس سلسلہ میں راقم الحروف جمہور علمائے امت کے اس دعویٰ سے اتفاق رکھتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب و سنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوا کرتا ہے:

Marfat.com

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن جوزیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"اذا أطلق ذکر سبیل الله فالمراد به الجهاد" (فتح الباری ۷۷/۴)۔

معروف شامی عالم دین امام نوویؒ نے "المجموع شرح المهذب" میں وضاحت کی ہے:

"المتبادر إلى الأفهام أن سبیل الله هو الغزو وأکثر ماجاء فی القرآن العزیز کذالک" (حوالہ سابق)۔

صاحب "لباب التاویل فی معانی التنزیل" نے لکھا ہے:

"انفاق" مصالح دینیہ میں مال خرچ کرنے کا نام ہے، جیسے حج، عمرہ، صلہ رحمی، صدقہ، جہاد، غازیوں کی امداد، اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا، اس لئے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی عبادت وقربت میں داخل ہیں، لیکن جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد وغزوہ ہی مراد ہوتا ہے" (لباب التاویل فی معانی التنزیل ۱۴۴/۱)۔

۳۔سلف صالحین کی تفسیری روایات کو نظر انداز کرنا:

قرآن کریم کی آیات کی وہی تفسیر شرعاً معتبر ہے جو خود صاحب وحی ﷺ سے منقول ہو، یا آپ ﷺ کے صحابہ اور ائمہ سلف سے منقول ہو، یہ حضرات کتاب اللہ کے معانی، اس کی تفسیر، منشاء خداوندی کو بعد کے آنے والے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے، ان کے علم میں گیرائی اور رسوخ تھا، وہ زہد وورع کے پیکر اور خوفِ خدا سے ان کے قلوب معمور تھے۔ اس لئے سلف صالحین اور قرون اولیٰ کی تشریحات اور تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے کوئی دوسرا قول اختیار کرنا بڑی جسارت کی بات ہے، اگر اس کی اجازت دے دی جائے کہ ہر آدمی کتاب اللہ کی تفسیر جو چاہے کرے، ائمہ سلف اور حضرات صحابہ کی تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کرے تو قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ ہر آدمی من مانی تفسیر کر کے گمراہی کا سامان فراہم کرے گا۔

Marfat.com

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کو رسول اکرم اور ائمہ سلف کی تفسیر وتشریح کی روشنی میں سمجھا جائے۔

۴-الف: فی سبیل اللہ کے بارے میں جمہور امت کا فیصلہ:

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے بارے میں جمہور علمائے امت اور سلف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا مصداق غزوہ و جہاد ہے، راقم الحروف کے نزدیک بھی دلائل و براہین کی روشنی میں جمہور امت ہی کا قول راجح اور روح شریعت سے قریب ہے، ائمہ اربعہ جن کی تقلید پر سواد اعظم کا اجماع و اتفاق ہے ان حضرات کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ کا مصداق غازی ہے، جیسا کہ مالکی فقیہ ابن رشدؒ نے (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۴) میں اس کی صراحت کی ہے۔ان حضرات کے دلائل و مستدلات کی تفصیل تمہیدی سطور کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ب-فی سبیل اللہ کے مصداق کے لئے فقر کی قید:

فقہ حنفی کی تفصیلات کے مطابق چاہے فی سبیل اللہ کے مصداق جو لوگ بھی ہوں، بہر حال مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے ان کا فقیر و محتاج ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس سے قبل تمہیدی سطور کے ذیل میں شمس العلماء علامہ کاسانیؒ گزر چکی کہ انھوں نے فقر و احتیاج کی قید کے ساتھ تمام ہی مصارف خیریہ کو مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب ''فتح القدیر'' میں ہے:

''إنما يعطى الأصناف كلهم سوى العامل بشرط الفقر'' (فتح القدیر ۲/ ۲۲۴)۔

اور علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے:

''ولايخفى أن قيد الفقر لابد منه على الوجوه كلها'' (البحر الرائق ۲/ ۲۴۲)۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا بھی اس طرف رجحان و میلان ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق کے لئے فقر و افلاس کی قید ضروری ہے اور یہ فقر و افلاس اگر مدارس اسلامیہ کے اندر دینی

Marfat.com

خدمات پر مامور معلمین ، اکیڈمی اور تحقیقی اداروں سے منسلک ریسرچ و تحقیق اور دیگر دینی خدمات انجام دینے والے افراد میں پایا جائے گا تو ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینی جائز ہوگی ، مگر واضح رہے کہ محض دینی کاموں اور مصارف خیریہ میں مشغولیت کی بناء پر کسی بھی فرد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

۵-مصارف زکوٰۃ منصوص ہیں:

میرے نزدیک مصارف زکوٰۃ منصوص اور قطعی ہیں اور قرآن کریم میں جن آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کا بیان ہے ان کے علاوہ قیاس کے ذریعہ دوسری قسموں کو مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کرنا شرعاً ناجائز ہے، اور جب تک دنیا میں یہ مصارف ، یا ان میں کا کوئی ایک فرد پایا جائے گا ، انہیں پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا صرف کرنا واجب ہوگا، کیوں کہ مصارف زکوٰۃ منصوص ہیں اور قیاس کا محل غیر منصوص اشیاء ہیں، قیاس صرف انھیں چیزوں میں کیا جاسکتا ہے جو شرعاً منصوص نہ ہوں۔

چنانچہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ کا ارشاد ہے:

”ولیس لأحدٍ أن یقسمها علی غیر ماقسمه الله عزوجل ذلک ماکانت الأصناف موجودة“ (کتاب الأم ۲/ ۶۰)۔

۶-دینی کاموں میں مشغول افراد کو زکوٰۃ کی رقم دینا:

دور حاضر میں بعض معاصر علماء کی طرف سے یہ نظریہ بڑے شدومد کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے کہ قرآن مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ کو عام کرکے ان تمام افراد کو اس میں شامل کرکے مستحق زکوٰۃ قرار دیا جائے جو کسی بھی دینی کام میں مشغول ہوں، اس سلسلے میں ان کے پاس بعض دلائل بھی ہیں، مگر کتاب وسنت اور اکابر امت کی تصریحات کی روشنی میں راقم الحروف کا ذاتی خیال یہ ہے کہ:

مختلف دینی ودعوتی کاموں میں مشغول افراد کو کام اور عمل کے معاوضہ اور اجرت کے

Marfat.com

طور پر زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لئے لینا شرعاً جائز نہیں ہے، یعنی دینی کاموں میں مشغول ہونے کی بنیاد پر وہ حضرات مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ میں داخل ہو کر مستحق زکوٰۃ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

جواز کی صورت:

البتہ جواز کی صورت یہ ہے کہ اگر اس طرح کے دینی اور دعوتی کام کرنے والے افراد فقیر و محتاج ہوں اور ملنے والی تنخواہ سے ان کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت و پرورش نہ ہو پاتی ہو تو انھیں فقر و احتیاج کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مساجد کے ائمہ، مؤذنین، مدارس کے معلمین اور دینی اداروں اور اکیڈمیوں میں دینی خدمات پر مامور افراد اور قلمی جہاد کو اپنا مقصد حیات بنانے والے افراد، سب کو فقیر و احتیاج کی علت کی بنا پر زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، مگر اسے ان کی تنخواہ میں محسوب کرنا جائز نہیں ہوگا۔

معاصر علماء کے نظریہ توسیع و تعمیم کو بنیاد بنا کر محض دینی کاموں میں اشغال و انہماک کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگی۔

بدائع میں ہے:

"فيد خل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً" (بدائع الصنائع ۲/۹۰۷)۔

۷۔ نظریہ توسیع و تعمیم مزاج شریعت سے موافقت نہیں رکھتا ہے:

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ میں نظریہ توسیع و تعمیم، مزاج شرع سے بالکل ہی موافقت نہیں رکھتا ہے، نظریہ توسیع کی صورت میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ شریعت نے جن مصالح اور اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر نظام زکوٰۃ کو قائم کیا ہے وہ کہیں درہم برہم ہو کر نہ رہ جائے۔

5/11

Marfat.com

زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ

مولانا شمس پیرزادہؒ، ممبئی

سورہ توبہ آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں:

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ"۔

(زکوٰۃ کے مستحق تو فقراء ہیں، مساکین ہیں، وہ لوگ جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور وہ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز اس لئے ہیں کہ (غلاموں کی) گردنیں چھڑانے میں قرض داروں کا بوجھ ہلکا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کیے جائیں)۔

ان میں ساتویں مصرف کا ذکر "فی سبیل اللہ" کے عنوان سے ہوا ہے جو نہایت اہم ہے، اس میں کیا چیزیں شامل ہیں، اس کا تعین کرنے میں علماء وفقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے اور موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ اس پر از سر نو غور کیا جائے، تا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا صحیح مفہوم متعین ہو سکے، اس لئے کہ یہی اصل مرجع ہیں۔

۱- فی سبیل اللہ کے لغوی معنیٰ:

"فی سبیل اللہ" کے لغوی معنی ہیں "اللہ کی راہ میں" جس کی تشریح اہلِ لغت نے اس طرح کی ہے:

Marfat.com

”وکل ما أمرا لله به من الخيرفهو من سبيل الله أى من الطرق إلى الله“ (لسان العرب ۱۱/۳۲۰)۔

(اور خیر کے تمام کام جن کا حکم اللہ نے دیا ہے وہ سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل ہیں، یعنی وہ طریقے ہیں جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں)۔

اور ابن اثیر فرماتے ہیں:

”سبیل اصل میں راہ کو کہتے ہیں اور سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق ہر اس عمل خالص پر ہوتا ہے جس سے تقربِ الٰہی مقصود ہو“ (النہایہ ۲/۳۳۸)۔

واضح ہو کہ لغوی معنی کے لحاظ سے فی سبیل اللہ میں بڑی وسعت ہے۔

۲- فی سبیل اللہ کا مفہوم قرآن میں:

فی سبیل اللہ کی ترکیب قرآن میں عام معنی میں بھی استعمال ہوئی ہے اور خاص معنیٰ میں بھی، عام معنیٰ کی مثال جس میں ہر قسم کا کارِ خیر شامل ہے درج ذیل ہے:

”مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ“ (سورۂ بقرہ:۲۶۱)۔

(جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگ آئیں)۔

ظاہر ہے یہاں فی سبیل اللہ کو کسی محدود معنیٰ میں نہیں لیا جا سکتا، ورنہ اس کی جو جزا یہاں بیان ہوئی ہے اس کا تعلق بھی انفاق کی کسی مخصوص صورت ہی سے ہو کر رہ جائے گا، رہے اس کے خاص معنیٰ تو وہ ہیں جہاد، دین کی حفاظت، اس کی حمایت و نصرت، اعلائے کلمۃ اللہ و غلبۂ دین کی جدوجہد اور دین کی خدمت میں مصروف ہو کر رہ جانا۔ مثالیں ملاحظہ ہوں!

۱- بمعنی جہاد عسکری:

”فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ (سورۂ آل عمران:۱۴۶)۔

Marfat.com

(جو مصیبتیں انہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں ان کی وجہ سے وہ پست ہمت نہیں ہوئے۔ سیاقِ کلام دلیل ہے کہ اس آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد عسکری جہاد ہے)۔

"مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ" (سورۃ توبہ:۳۸)۔

(تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے)، اور حدیث میں آتا ہے:

"لغدوة في سبيل الله أو روحة خير من الدنيا ومافيها" (بخاری کتاب الجہاد)۔

(اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے)۔

اس حدیث میں بھی فی سبیل اللہ سے مراد عسکری جہاد ہے۔

۲- بمعنی دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت:

"قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا" (سورۃ بقرہ:۲۴۶)۔

(ہم اللہ کی راہ میں کیسے نہیں لڑیں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور بال بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے)۔

یہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے مراد اپنے دین اور جان و مال کے تحفظ کے لئے لڑنا ہے۔

"وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ......" (سورۃ نساء:۱۰۰)۔

(اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا)۔

اللہ کی راہ میں ہجرت سے مراد دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت کے لئے ہجرت کرنا ہے۔

Marfat.com

۳۔بمعنی اعلاء کلمۃ اللہ:

"اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ"(سورۂ نساء:۷٦)۔

(اہل ایمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں)۔

اس آیت میں فی سبیل اللہ کی ترکیب 'فی سبیل الطاغوت' مقابل استعمال ہوئی ہے اور مراد دینِ طاغوت کے مقابل حق کی حفاظت اور اس کے غلبہ و اقتدار کے لئے لڑنا ہے۔اور حدیث نبوی ﷺ ہے:

"من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا فهوفی سبيل الله"(بخاری کتاب الجہاد)۔

(اللہ کی راہ میں قتال اسی شخص کا ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے لڑے)۔

۴۔بمعنی دین کی خدمت میں مصروف ہو کر رہ جانا:

"لِلۡفُقَرَاءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَایَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ"(سورۂ بقرہ:۲۷۳)۔

(مدد کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے)۔

اس آیت میں "اللہ کی رہ میں گھر گئے" سے مراد تعلیم و تعلیم اور تبلیغی و دعوتی جدو جہد جیسے دین و ملت کے مصالح کے لئے فارغ ہو جانا ہے۔

مصرف فی سبیل اللہ کے مفہوم کا تعین:

اوپر فی سبیل اللہ کے عام اور خاص دو معنی بیان کئے گئے اور خاص معنیٰ کی مختلف صورتیں بھی بیان کی گئیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ کی إنما الصدقات......والی

Marfat.com

آیت (٦٠) میں فی سبیل اللہ کی ترکیب عام معنیٰ میں استعمال ہوئی ہے، یا خاص معنی میں؟ تو جہاں تک عام معنیٰ کا تعلق ہے وہ یہاں مراد نہیں لئے جاسکتے، کیونکہ اس کی وسعت میں آٹھوں مصارف شامل ہوجاتے ہیں، پھران کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، نیز "إنما" (صرف) حصر (محدودیت) کے معنیٰ دے رہا ہے، اس لئے اس کو خاص معنی ہی پر محمول کرنا ہوگا۔ مگر خاص معنی کو جنگ اور عسکری جہاد تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں، قرآن و حدیث میں جس خاص معنی میں فی سبیل اللہ کی ترکیب استعمال ہوئی ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکیں، اس لئے اس مصرف کو اسی وسیع مفہوم میں لینا ہوگا، یعنی عسکری و علمی جہاد، دین کی حفاظت اور اس کی حمایت و نصرت، اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کے غلبہ و اقتدار کی جدوجہد، تعلیم و تعلیم، دعوتی و تبلیغی جدوجہد، دین کی نشر و اشاعت کے کام اور دینی و ملی مصالح کے کاموں کے لئے فارغ ہوجانا اور اس قسم کے دوسرے مقاصد کے معنی میں۔

"بخاری" کی حدیث ہے کہ ایک شخص کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کردیا تھا، لیکن اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل سکا۔ نبی ﷺ نے اس کا خون رائیگاں جانے نہیں دیا بلکہ:

"فوداه مائة من إبل الصدقة" (بخاری کتاب الدیات)۔

(صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک سو اونٹ خوں بہا کے طور پر عطاء کیے)۔

اور جب خوں بہا صدقات سے ادا کرنا جائز ہے تو ان ملّی مصالح پر خرچ کرنا کیسے جائز نہ ہوگا جو اس سے زیادہ اہم ہیں۔ صاحبِ "فتح الباریؒ" لکھتے ہیں:

قاضی عیاضؒ نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے: کہ مصالح عامہ میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے اور اس حدیث سے نیز دوسری حدیثوں سے اس پر استدلال کیا ہے (فتح الباری ۱۲/۱۹۶)۔

غازی کی حد تک محدود نہیں، فقہاء اور علماء کی آراء:

عام طور سے متقدمین نے فی سبیل اللہ سے غازی، یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے مراد لئے ہیں اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ جس میں غنی پر صدقہ

Marfat.com

کے جواز کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک غازی ہے۔

"لاتحل الصدقة لغنى إلا لخمسة ...... لغاز فى سبيل الله" (ابوداؤد کتاب الزکوۃ)۔

(صدقہ غنی کے لئے جائز نہیں ہے سوائے پانچ صورتوں کے، ایک یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہو)۔

اس حدیث سے غازی پر غنی ہونے کی صورت میں بھی جنگی مقاصد کے لئے خرچ کرنے کا جواز تو ثابت ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی پر خرچ کرنا ہے، رہی متقدمین کی رائے تو سب نے اس مصرف کو غازی تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ بعض متقدمین نے ایسے شخص کو جو حاجیوں سے منقطع ہو گیا ہو اس کا مستحق سمجھا ہے، اسی طرح طالب علم پر بھی اس مد کے تحت خرچ کرنا جائز قرار دیا ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ فی سبیل اللہ سے گو جہاد و مراد ہوتا ہے، لیکن اس کے معنی لازماً جہاد کے نہیں ہوتے، ورنہ "جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" (سورۂ بقرہ:۲۱۸) کے معنی ہوں گے جنہوں نے جہاد میں جہاد کیا، اور "قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" (سورۂ بقرہ:۱۹۰) کے معنی ہوں گے، جہاد میں قتال کرو۔

فقہاء کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"امام محمدؒ کہتے ہیں فی سبیل اللہ سے مراد محتاج حاجی ہیں جن کا سفر منقطع ہو گیا ہو، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں دے دیا تو رسول ﷺ نے اس پر حاجی کو سوار کرانے اجازت دی" (المبسوط للسرخسی ۳/۱۰)۔

علامہ جصاصؒ لکھتے ہیں:

"وإن أعطى حاجا منقطعا به أجزأه" (احکام القرآن ۳/۱۵۷)۔

اور اگر کسی ایسے حاجی کو (صدقہ) دیا جس کا سفر منقطع ہو گیا تھا تو اس صورت میں بھی ادا ہو جائے گا۔

Marfat.com

شامی میں ہے:

''اور ایک قول یہ ہے کہ مراد حاجی ہے، یعنی وہ حاجی جس کا سفر منقطع ہو گیا ہو.........
اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد طالب علم ہیں......اور بدائع میں (مؤلف) نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد تقرب کے تمام کام ہیں، لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی طاعت اور بھلائیوں کی راہ میں کوشاں ہو، بشرطے کہ وہ محتاج ہو'' (ردالمحتار ۲/۶۷)۔

معلوم ہوتا ہے اس وقت کے حالات میں شدید ضرورت، عسکری جہاد پر صرف کرنے کی رہی ہوگی، اور علمی جہاد اور دعوتی جد وجہد وغیرہ پر صرف کرنے کے لئے دوسرے وسائل رہے ہوں گے اور پھر اس زمانہ میں نشر واشاعت کے ذرائع نہایت محدود تھے، اس لئے دین کی دعوت وتبلیغ اور دینی لٹریچر کی نشر واشاعت وغیرہ کی جو ضرورتیں آج ابھر کر سامنے آرہی ہیں وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں، اس لئے فی سبیل اللہ کا دائرہ متعین کرنے میں وسعت نہیں اختیار کی جاسکی، مگر بعد میں جب ضرورتیں ابھر کر سامنے آنے لگیں تو علماء نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیا اور توسع کی راہ اختیار کی، اس سلسلہ کی آراء ملاحظہ ہوں:

امام صنعانیؒ لکھتے ہیں:

''اور غازی کے ساتھ اس شخص کو بھی ملحق سمجھا جاتا ہے جو مصالح مسلمین میں سے مصلحت عامہ کا کوئی کام انجام دے رہا ہو، مثلاً قضاء، افتاء، تدریس گرچہ وہ غنی ہو۔ اور ابو عبید اللہؒ نے ایسے شخص کو جو مصلحتِ عامہ کے کام میں مشغول ہو، عاملین میں داخل کیا ہے اور بخاریؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ انہوں نے باب باندھا ہے، حاکم اور عاملین صدقات کا رزق، اور رزق سے ان کی مراد وہ رزق (کفاف) ہے جو امام بیت المال سے اس شخص کو دیتا ہے جو مصالح مسلمین کے کاموں میں مشغول ہو، جیسے قضاء (عدالت) افتاء تدریس (تعلیم) ایسا شخص اس مدت کے لئے جس میں وہ اس قسم کے کام میں مشغول رہتا ہے زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے اگر چہ وہ غنی ہو'' (سبل السلام ۲/۱۴۶)۔

Marfat.com

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں:

’’دوسرا عام مصرف جو فی سبیل اللہ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے وہ ان تمام مصالح پر مشتمل ہے جو دین اور حکومت کی اساس ہیں، ان میں اول ومقدم جنگی تیاری کے کام ہیں، اپنے تمام لوازم کے ساتھ جن میں فوجی اسپتال، ریلوے لائن بچھانا، پل اور اس کی دوسری چیزیں جن کو جنگی کاروائی کرنے والے ضروری خیال کرتے ہیں شامل ہیں۔

اور اس مصرف میں اسلام کے ایسے داعی تیار کرنا بھی شامل ہے جو اسلام کے جمال اور اس کی فیض بخشی کو نمایا کر سکیں، اور مخالفین کے شبہات کو دور کر سکیں، اسی طرح حفظ قرآن کی جو خدمت جماعتوں اور افراد کی سطح پر انجام دی جارہی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے، نیز ایسے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنا بھی شامل ہے جہاں مسجدیں کافی نہ ہوں‘‘ (الفتاوی محمود شلتوت/۱۱۹)۔

’’اور سبیل اللہ کے الفاظ عمومیت کی بناء پر منافع عامہ کے لئے ہیں، اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کو افراد پر محمول کیا جائے، اور کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا‘‘ (الاسلام عقیدہ وشریعہ/۱۰۵)۔

سید سابقؒ نے ’’فقہ السنۃ‘‘ میں علامہ رشید رضاؒ کی تفسیر ’’المنار‘‘ سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کے بعض اجزاء درج ذیل ہیں:

’’فی سبیل اللہ کا مصرف تمام شرعی مصالح عامہ کو شامل ہے جن پر دین اور حکومت کے معاملہ کا دارومدار ہے، اور اول ومقدم جنگ کے لئے تیاری ہے جس کے لئے ہتھیار، فوج کے لئے خوراک وآلات حمل ونقل خریدنا اور جنگ کرنے والوں کو سامان جنگ سے لیس کرنا ہے۔

اور موجودہ زمانہ میں فی سبیل اللہ کا اہم ترین مصرف یہ ہے کہ اسلام کے لئے داعی تیار کئے جائیں اور انھیں کفار کے ممالک میں منظم جمعیتوں کی طرف سے بھیجا جائے، اور وہ وافر مال سے ان کی مدد کریں، جس طرح کہ کفار اپنے دین کو پھیلانے کے لئے کرتے ہیں، اور اس میں علوم شرعیہ وغیرہ کے مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو مفادِ عامہ کے کام ہیں۔

Marfat.com

اوراس حالت میں ان مدارس کے معلمین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے ہیں اوراس بناپر دوسرا ذریعہ ومعاش اختیار نہیں کر سکتے ، البتہ مالدار عالم کواس کے علم کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا اگر چہ وہ اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچارہا ہو'' (فقہ السنہ ۱ر ۳۹۴)۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک تو فی سبیل اللہ کا مصرف کافی وسیع ہے۔لکھتے ہیں: وفی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے جو ہرقسم کے نیک کاموں کو شامل ہے اور حسب ضرورت کبھی اس مذہبی لڑائی ، یا سفر حج ، یا دوسرے نیک کام مراد لئے جاسکتے ہیں۔

پھراس پر درج ذیل نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

''اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے، مگر تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی ، ابھی آیت گزرچکی ''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۳) یہاں فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں، بلکہ ہرنیکی اور دینی کام مراد ہے، اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک ، یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے، مگران کا استدلال جو ''للفقراء'' کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو، جیسے ''خلق لکم مافی الأرض جمیعا'' (سیرۃ النبی ۵ر۷ ۲۳)۔

ڈاکٹر یوسف قرضاویؒ اپنی مشہور کتاب ''فقہ الزکوٰۃ'' میں فی سبیل اللہ کے مصرف پر مبسوط اور محققانہ بحث کی ہے، اور نتیجۂ بحث یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، لیکن صرف عسکری جہاد مراد نہیں ہے، بلکہ علمی ، فکری وغیرہ ہرقسم کا جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔موصوف لکھتے ہیں:

''یہ تمام قرائن اس بات کو ترجیح دینے کے لئے کافی ہیں کہ مصارف والی آیت میں سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، جیسا کہ جمہور کا قول ہے اوراصل لغوی معنی مراد نہیں ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے: کہ صدقہ کسی غنی کے لئے جائز نہیں، مگر

Marfat.com

پانچ اشخاص کے لئے ان پانچ اشخاص میں الغازی فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں لڑنے والا) کا بھی ذکر ہے۔

اس لئے میں سبیل اللہ کا مدلول متعین کرنے میں ایسے توسع کا قائل نہیں کہ ہر قسم کے مصالح اور تقرب کے کام اس میں شامل ہو جائیں اور نہ ہی اس کے دائرہ کو اتنا تنگ سمجھتا ہوں کہ وہ صرف عسکری جہاد کے لئے خاص ہو کر رہ جائے۔

جہاد جس طرح تلوار اور نیزہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح زبان اور قلم سے بھی کیا جاتا ہے، اور جس طرح جہاد عسکری ہوتا ہے اسی طرح جہاد فکری، تربیتی، اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے، جہاد کی ان تمام قسموں کے لئے مال اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ بنیادی شرط پوری ہو، اور وہ یہ ہے کہ جہاد اللہ کی راہ میں ہو، یعنی اسلام کی نصرت اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کی غرض سے ہو۔ اور ہر وہ جہاد جس کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو، اللہ کی راہ میں ہے، خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو" (فقہ الزکوۃ ۲/۲۵۶، ۲۵۷)۔

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں:

"إن الجهاد في إسلام لاينحصر في الغزو الحرب والقتال بالسيف فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم سئل: أي الجهاد افضل؟ فقال: كلمة حق عند سلطان جائر" (رواہ احمد ونسائی)۔

(اسلام میں جہاد تلوار سے جنگ تک محدود نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حق بات جو کسی ظالم سلطان کے سامنے کہی جائے)۔

۲- "جہاد کی جو قسمیں ہم نے بیان کی ہیں وہ اگر منصوص طور پر جہاد کے حکم میں داخل نہ ہوں تو قیاساً ان کو جہاد سے متعلق ماننا پڑے گا، کیوں کہ دونوں ہی کا مقصود اسلام کی نصرت، اس

Marfat.com

کا دفاع، اس کے دشمنوں کا مقابلہ اور اللہ کے کلمہ کو اس کی زمین پر بلند کرنا ہے، بعض فقہائے اسلام نے عاملین میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو مسلمانوں کے عام مفاد سے متعلق کوئی خدمت انجام دیں''۔

۴- ''اس طرح سبیل اللہ کے معنی کے بارے میں ہم نے جو رائے قائم کی ہے وہ درحقیقت اپنے مدلول میں قدرے توسع کے ساتھ جمہور کی رائے ہے'' (فقہ الزکوۃ ۲/۶۵۸،۵۹)۔

''البتہ موجودہ حالات میں فی سبیل اللہ سے جو اولین اور اہم ترین چیز مراد لی جائے گی وہ صحیح اسلامی زندگی کے احیاء کا وہ پروگرام جو اسلام کے جملہ احکام، عقائد، تصورات، شعائر، شرعی قوانین اور اخلاق و آداب کو روبہ کار لانے کے لئے ہو۔

پروگرام سے ہماری مراد اجتماعی، منظم اور منصوبہ بند پروگرام ہے جو اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کو قائم کرنے، نیز خلافتِ اسلامی، ملت اسلامیہ اور تہذیب اسلامی کی بحالی کے لئے روبہ عمل لایا جائے'' (حوالہ سابق ۱/۶۶۶،۶۷)۔

اخیر میں فرماتے ہیں:

۵- ''ہمارے نزدیک جہاد اسلامی صرف مادی اور فوجی طریقہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہے، جس میں دوسرے طریقے بھی شامل ہیں، اور شاید مسلمان آج اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں، لہٰذا ہم اس کی مختلف صورتیں جو اس زمانہ میں مطلوب ہیں پیش کرنا چاہتے ہیں''۔

عصر حاضر میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں، ان کا شمار بجا طور پر فی سبیل اللہ میں کیا جاسکتا ہے۔

صحیح اسلام کو پیش کرنے کے لئے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ادیان و مذاہب کی کشمکش کے درمیان غیر مسلمین تک اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکے، یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلامی ممالک کے اندر ایسے مراکز قائم کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے جو مسلم

Marfat.com

نوجوانوں کی صحیح تربیت کریں، اسلام کے اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے مطابق ان کی رہنمائی کریں، الحاد، فکری انحراف اور عملی بے راہ روی سے انھیں بچائیں اور انہیں اسلام کی حمایت ونصرت اور اس کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کریں۔

اسی طرح خالص اسلامی پرچہ کا اجراء جو گمراہ صحافت کے درمیان اللہ کا کلمہ بلند کرنے، حق بات کا اظہار کرنے، اسلام پر عائد کئے جانے والے جھوٹے الزامات کی تردید کرنے، شبہات کا ازالہ کرنے اور اسلام کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور شائبوں سے پاک کرکے صحیح شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دے، بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسی دینی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت جو بنیادی اہمیت کی حامل ہو اور جو اسلام کو یا اس کے کسی پہلو کو اس خوبی کے ساتھ پیش کرے کہ اس کے پوشیدہ جواہر پاروں سے پردہ اٹھ جائے، اس کی تعلیمات کی خوبیاں نمایاں ہوں اور اس کے حقائق بے نقاب ہوں، جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔

پختہ کار، امانت دار اور مخلص افراد کو فارغ کرنا تاکہ وہ دین کی خدمت کریں، اس کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلائیں، اس کے دشمنوں کی چالوں کو بے اثر کر کے رکھ دیں، فرزندانِ اسلام میں بیداری پیدا کریں اور عیسائی مشن، الحاد اور اباحیت کے طوفان کا مقابلہ کریں، من جملہ جہاد فی سبیل اللہ کے ہے، اور دین حق کے داعیوں کی معاونت کرنا جن پر خارج سے اسلام دشمن طاقتیں داخل عناصر، مرتد اور سرکش افراد کی مدد سے مسلط ہو جاتی ہیں اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینے لگتی ہیں، ان کی معاونت کرنا تاکہ وہ کفر اور سرکشی کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں، سراسر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے صرف ایسے کاموں کو اولین اہمیت دیں، کیوں کہ اسلام کے مددگار اللہ کے بعد فرزندان اسلام ہی ہیں اور خاص طور سے ایسے دور میں جب کہ اسلام غربت سے دوچار ہے" (فقہ الزکوۃ ۲/ ۶۷، ۶۶، ۶۸، ۶۹)۔

Marfat.com

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ کا فیصلہ:

علماء کی ان انفرادی رایوں کے علاوہ توسع کی تائید میں علماء کا اجتماعی فیصلہ بھی موجود ہے۔ ''رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس المجمع الفقہی الاسلامی'' نے اپنے اجلاس منعقدہ (۲۸ رربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ رجنوری ۱۹۸۵ء) میں جو شیخ عبدالعزیز بن باز کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، فی سبیل اللہ کے مصرف کے بارے میں درج ذیل قرارداد منظور کی:

۱- اس بات کے پیش نظر دوسرے قول کا قائل علماء مسلمین کا ایک گروہ ہے اور اس کی تائید بعض آیات کریمہ سے ہوتی ہے: '' اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی''(سورۂ بقرہ: ۲۶۲) (جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دل آزاری کرتے ہیں......)، نیز بعض احادیث شریفہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مثال کے طور پر ''ابوداؤد'' کی یہ روایت کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی اور اس کی بیوی حج کرنا چاہتی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: اس پر سواری کرو، کیوں کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

۲- اور اس بات کے پیشِ نظر کہ مسلح جہاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ جہاں قتال کے ذریعہ بلند ہوتا ہے وہاں دعوۃ الی اللہ اور اشاعتِ دین کے ذریعہ بھی ہوتا ہے جس کے لئے داعیوں کو تیار کرنے اور ان کی امداد واعانت کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں۔ لہٰذا دونوں ہی باتیں جہاد میں شامل ہیں، چنانچہ امام احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت ہے اور اسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جاھدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم''(مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال، اپنی جان اور اپنی زبان کے ساتھ)۔

۳- اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام ملحدوں، یہود ونصاریٰ اور تمام دشمنانِ اسلام کی طرف سے کئے جانے والے فکری اور اعتقادی حملوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ان کو ایسے لوگ

Marfat.com

مل جاتے ہیں جو ان کی مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ویسے ہی ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کریں جن کے ذریعہ وہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ کاری ضرب لگانے والے اسلحہ سے۔

۴-اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ممالک اسلامیہ میں جنگی معاملات کے لئے خاص وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں اور اس کے لئے ہر حکومت کے بجٹ میں مالی دفعات ہوتی ہیں بخلاف دعوتی جہاد کے کہ اس کے لئے اکثر ممالک کے بجٹ میں امداد واعانت کے لئے کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی۔

ان تمام وجوہ سے یہ مجلس مطلق کثرتِ رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ اور جو چیزیں اس میں معاون ہوں اور جو کام اس کو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیت کریمہ میں مذکور "وفی سبیل اللہ" کے معنیٰ میں داخل ہیں۔

بدلے ہوئے حالات میں علماء کی مذکورہ بالا آراء اور "المجمع الفقہی الاسلامی مکہ" کے اس فیصلہ کے پیشِ نظر فی سبیل اللہ کا مصداق ان تمام امور کو قرار دیا جا سکتا ہے جو دین کی دعوت، اس کی تدریس، اس کی نشر واشاعت اور اس کی خدمت کے تعلق سے ملت کو پیش ہیں، اس کے مفہوم کو عسکری جہاد تک محدود رکھنا صحیح نہ ہوگا۔

بعض شبہات کا ازالہ:

۱-جن فقہاء نے سورۂ توبہ کی آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ......" کے لام کو تملیک (مالک بنانے) کے معنیٰ میں لیا ہے اور پھر وہ فی سبیل اللہ کا مصرف بھی غازی کو صدقات کا مالک بنانا قرار دیتے ہیں، ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اول تو لام تملیک ہی کے معنیٰ میں نہیں آتا بلکہ انتفاع اور استحقاق کے معنی میں بھی آتا ہے جس کی واضح مثال "لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۂ بقرہ: ۲۷۳) ہے، اور سورۂ توبہ کی آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ......"۔

Marfat.com

تومنافقین کے سیاق میں بیان ہوئی ہے جو مال کے حریص تھے اور چاہتے تھے کہ صدقات کا مال ان کو بھی ملے، اس سلسلہ میں قرآن نے اس آیت کے ذریعہ واضح کردیا کہ صدقات کے مستحق صرف یہ اور یہ اصناف ہیں اور وہ ان ان مصالح پر صرف کرنے کے لئے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ کے مصرف کے لئے تو لام تملیک کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، کیونکہ یہ 'فی' کے ساتھ ہے جو 'مصالح ومفاد میں' کے معنی دے رہا ہے۔

۲- جولوگ دین کی دعوت اس کی تعلیم وتدریس، اس کی نشرواشاعت اور قضاء وافتاء جیسی خدمات کے لئے فارغ کردیئے گئے ہوں ان کو ان کی خدمات کی مناسبت سے صدقات کے مال سے فی سبیل اللہ کے مصرف کے تحت وظیفہ، یا مشاہرہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ وہ غنی ہوں، کیونکہ یہ ان کی امداد واعانت نہیں ہے بلکہ ان کی خدمات کا ایک حد تک معاوضہ ہے اور جب صدقات کے عاملین پر ان کے غنی ہونے کے باوجود صدقات کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے تو دین کی اہم ترین خدمات انجام دینے والوں پر فی سبیل اللہ کی مد سے خرچ کرنا کیوں ناجائز ہوگا۔

عاملین کے بارے میں تو حدیث ناطق ہے کہ ان کے غنی ہونے کے باوجود صدقات میں سے ان پر صرف کیا جاسکتا ہے:

"لاتحل الصدقة لغنى إلا لخمسة لغاز فى سبيل الله أولعامل عليها ......"

(ابوداؤد کتاب الزکوۃ)۔

(صدقہ غنی کے لئے جائز نہیں بجز پانچ افراد کے، ایک وہ جو اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہو، دوسرا وہ جو صدقات پر عامل ہو......)۔

اور ابوعبیدؒ نے عاملین کے بارے میں صراحت کی ہے:

"ان کے لئے ان کی محنت اور ان کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے اس مال میں حصہ ہوگا۔ نہ اس سے کم دیا جائے گا اور نہ زیادہ۔ یہ وضاحت عاملین کے بارے میں ہے" (کتاب الاموال ر ۶۰۶)۔

Marfat.com

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غنی کو صدقات کا مال دے کر زیادہ مال دار بنانا مقصود ہے، بلکہ مقصود ضرورت کو پورا کرنا اور افراد کو ان خدمات کے لئے یکسو کر دینا ہے اور یہ بات قابلِ عمل نہیں ہوسکتی کہ جو شخص دو سو درہم کا مالک ہونے کی بنا پر غنی ہو وہ ان خدمات کو بلا معاوضہ انجام دے، اس صورت میں وہ زیادہ دنوں تک خدمت انجام نہیں دے سکے گا اور جو لوگ دین کی خدمت کے لئے فارغ ہوں ان کو بالکل قلاش بنا دینا دین کا منشاء نہیں ہوسکتا، اس لئے اسلام نے دین کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے ان کی محنت کے بہ قدر ان کو مشاہرہ وغیرہ ادا کرنے کی گنجائش رکھ کر پیشِ نظر مقاصد کو حاصل کرنے کی قابلِ عمل صورت تجویز کی ہے، اب یہ افراد کی اپنی اخلاقی حس پر منحصر ہے کہ وہ کسی معاوضہ کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو بلا معاوضہ یہ خدمات انجام دیں کہ وہ اللہ کے ہاں مزید اجر کے مستحق ہوں گے۔

۳- فی سبیل اللہ کی مد سے جس طرح دین کی خدمت انجام دینے والوں پر خرچ کرنا جائز ہے اسی طرح ان اداروں پر خرچ کرنا بھی جائز ہے جو دین کی براہ رست خدمات انجام دے رہے ہوں، مثلاً اسلامی مراکز، دینی مدارس وغیرہ کی تعمیر اور ان کے انتظامی امور پر خرچ کرنا، کیونکہ فی سبیل اللہ میں اللہ کی راہ کے مصالح پر خرچ کرنا شامل ہے۔

خلاصۂ بحث:

فی سبیل اللہ، کے مفہوم اور مصداق کے بارے میں جو دلائل اوپر پیش کئے گئے اور فقہاء کے جو اقوال اور علماء کی جو آراء، نیز ''المجمع الفقهي الاسلامي مكة المكرمة'' کا جو فیصلہ درج کیا گیا ان سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ:

۱- سورۂ توبہ کی آیت: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ......'' میں 'فی سبیل اللہ' کے الفاظ خاص معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں، مگر یہ خاص معنیٰ عسکری جہاد تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اس میں دین کی حفاظت، اس کی حمایت ونصرت، اِعلاء کلمۃ اللہ اور دعوتِ دین کے جد و جہد اور دین کی اہم خدمات میں مشغول ہو کر رہ جانا بھی شامل ہے۔

5/12

Marfat.com

۲-موجودہ زمانہ میں متعدد کام ایسے ہیں جو دین کی دعوت واشاعت، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد سے تعلق رکھتے ہیں اور جو دین کی براہ راست نصرت اور اس کے استحکام کا اہم ترین ذریعہ ہیں اور ان کے لئے مالی وسائل کی شدید ضرورت ہوتی ہے، مگر عام طور سے مسلمان ان چیزوں کی اہمیت محسوس نہیں کرتے، اس لئے یہ اہم ترین کام جن سے دین کو فروغ حاصل ہوسکتا ہے کافی متاثر ہیں اور مزید نقصان سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں جن باتوں کی گنجائش ہے ان کو اس میں شامل کردیا جائے، خاص طور سے درج ذیل صورتیں فی سبیل اللہ کا صحیح مصداق ہیں، اس لئے ان پر زکوٰۃ وصدقات میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے:

الف-دعوتی، تبلیغی اور اصلاحی خدمت انجام دینے والی تنظیمیں اور ادارے بشرطے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات کو شرعی حدود میں رہ کر صرف کریں اور بے جا اور نمائشی کاموں پر صرف کرنے سے احتراز کریں۔

ب-اسلامی مراکز اور دارالمطالعے۔

ج-قرآن وحدیث اور ان کے معنی ومفہوم کی اشاعت عمل میں لانے والے ادارے، بشرطے کہ وہ وقف ہوں۔ اسی طرح علمی اور تحقیقی خدمت انجام دینے والے وہ ادارے بھی جو باطل افکار کے مقابلہ میں اسلامی فکر پیش کرتے ہوں۔

د-غیر مسلموں میں تراجم قرآن اور دعوتی لٹریچر کی توزیع۔

ھ-جدید ذہن کو متاثر کرنے والے داعی اور مبلغ تیار کرنا۔

و-نومسلموں کے لئے تعلیمی وتربیتی مراکز قائم کرنا۔

ز-دینی اجتماعات کا انعقاد اور اصلاح معاشرہ کے پروگرام۔

ح-اسلامی صحافت کو فروغ دینے کی کوشش اور دعوتی اصلاحی رسائل کا اجراء۔

ط-دارالقضاء اور دارالافتاء کا قیام۔

ی-بچوں کی صحیح دینی تعلیم اور تربیت کے لئے مدارس کا قیام اور ان کا انتظام وانصرام۔

Marfat.com

ک- مساجد کی تعمیر جو دین کی مقدس علامت ہیں اور اس کی شان کو ظاہر کرتی ہیں، مگر اس احتیاط کے ساتھ ان پر خرچ کیا جائے کہ اسراف نہ ہو۔

۳- جن لوگوں کو دین کی ان خدمات کے لئے جن کا ذکر اوپر ہوا فارغ کر دینا پڑے ان کے وظائف، یا مشاہرے ان کے کام کی مناسبت سے اسی طرح ادا کئے جاسکتے ہیں جس طرح عاملین کی اجرت، قطعِ نظر اس سے کہ وہ غنی ہیں، یا محتاج، کیونکہ یہ ان کے کام کی اجرت نہ ہوگی کہ ان کی امداد و اعانت اور ان خدمات کو انجاد دینے والے عالم بھی ہو سکتے ہیں اور جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی اور عملی صلاحیت رکھنے والے بھی، اس سلسلہ میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح عاملین کو ان کے کام کی اجرت براہِ راست نہیں، بلکہ بالواسطہ طریقہ پر ادا کی جاسکتی ہے، یعنی حکومت کا محکمۂ زکوٰۃ ادا کرتا ہے کیوں کہ ان کا مامور ہونا ضروری ہے:

مبسوط میں ہے:

''عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام (حکومت) صدقات جمع کرنے کے کام پر مامور کرے اور اس میں سے انھیں اتنا دے جو ان کے لئے ان کے متعلقین کے لئے کافی ہو''

(المبسوط للسرخی ۳/۱۹)۔

اسی طرح دین کی خدمت انجام دینے والے کارکنوں کو بھی ان کے وظیفے، یا مشاہرے متعلقہ ادارے تنظیمیں اور مدارس وغیرہ ہی ادا کر سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کی حیثیت مامورین کی ہوگی، اگر سوسائٹی کے افراد ان کو اس مال میں براہ راست دیں تو اس کی نوعیت امداد و اعانت کی ہوگی، اور یہ مناسب بھی نہیں ہے، خدمات کی اجرت کے لئے کسی نظام کے تحت ہونا ضرروی ہے۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے کام جو دین کے احیاء، اس کے فروغ اور اس کے استحکام سے تعلق رکھتے ہیں، فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل ہیں اور موجودہ حالات میں ان پر صرف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

Marfat.com

سوالات کے جوابات:

فی سبیل اللہ کے مصرف کے سلسلہ میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' نے جو سوالات پیش کئے ہیں ان کے جوابات گو مقالہ سے واضح ہیں تاہم ذیل میں مختصراً جوابات درج کئے جارہے ہیں:

۱- آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ" کا حصر حقیقی ہے، اضافی نہیں، اگرچہ منافقین کے اعتراضات کے پیشِ نظر یہ حکم بیان ہوا ہے لیکن "العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب"۔

۲- اول تو یہ بات درست نہیں کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوتا ہے۔ آیت: "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ" (سورۂ بقرہ:۲۶۱) اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔

۳- قرون اولیٰ میں اگر فی سبیل اللہ سے غزوہ مراد لیا گیا تھا تو یہ حصر پر دلالت نہیں کرتا، اگر ایسا ہوتا تو حج کو شامل نہ کیا جاتا۔ حج کو شامل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصرف غزوہ تک محدود نہیں ہے، لہٰذا اس میں مزید توسع اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۴- (الف): یہ بات تو حدیث: "لاتحل الصدقه إلاّ لخمسة" سے ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں صدقات میں سے غنی کو بھی دیا جاسکتا ہے اور غازی کے لئے اس کے جائز ہونے کی صراحت بھی اس میں موجود ہے، اس لئے جن فقہاء نے غازی کے لئے بھی فقر کی قید لگائی ہے اس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، اور اگر مقصد فقیر غازی ہی کے لئے جائز قرار دینا ہوتا تو وہ فقراء کے دائرہ میں شامل ہی تھا، اس کی الگ سے صراحت کی ضرورت نہ ہوتی، لہٰذا جو لوگ فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط نہیں ہے۔

۵- زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف قرآن میں بیان ہوئے ہیں ان پر اضافہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، لیکن دلائل کی بنا پر ان کی تشریح و تعبیر کرنے کا حق ضرور ہے اور یہ کام فقہاء کرتے ہی

Marfat.com

رہے ہیں، ورنہ فقراء و مساکین کی تعریف میں فقہاء کے درمیان اختلاف کیوں ہوتا۔

۶۔ جی ہاں، موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ فی سبیل اللہ کے بارے میں توسع والے قول کو اختیار کیا جائے۔

۷۔ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے اس کا جواب مقالہ میں درج ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کی وضاحت

مولانا عبدالرحیم قاسمی☆

لشکر سے بچھڑنے والے غازی اور حجاج کے قافلہ سے بچھڑنے والے حاجی اور علم دین کے طلبہ سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج اور ضرورتمند ہونے کی بنا پر داخل ہیں، جبکہ ان کو زکوۃ تملیکا دی جائے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریر اور ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث سے ہی کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ ''فی سبیل اللہ'' کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو۔ اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں۔ ان کو ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے ''مبسوط'' اور ''شرح سیر'' میں اور فقہاء شافعیہ میں ابوعبید نے ''کتاب الاموال'' میں اور فقہاء مالکیہ میں دردیر نے ''شرح مختصر خلیل'' میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے ''المغنی'' میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے: معارف القرآن ۴/۴۰۸)۔

☆ استاذ جامعہ حسینیہ خیر العلوم، بھوپال۔

Marfat.com

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

''غرض یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں بے شک موافق تفسیر صاحب ''بدائع'' کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں، لیکن جو شرط ادائے زکوۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بلامعاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے'' (فتاوی دارالعلوم ۶/ ۲۸۲)۔

خلاصہ:

۱-زکوۃ کے معنی طہارت و پاکیزگی اور زیادتی و بڑھوتری کے ہیں، اسلام کی نظر میں مال کے مقرر فرمودہ شرعی حصہ کا مسلمان غیر سید فقیر کو مالک بنا دینا اور اپنی ملکیت سے خارج کردینا زکوۃ ہے۔

زکوۃ فرض ہونے کے لئے ملکیت تامہ شرط ہے۔ اور قبضہ سے ملکیت کامل و مکمل ہوتی ہے۔

''فقد ذکر فی البدائع من الشروط الملک المطلق، و قال: وهو الملک یدا و رقبةً'' (شامی ۲/ ۴)۔

لہذا مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوئی اس پر زکوۃ واجب نہیں، اور وہ قیمت جو ادا کی جاچکی خریدار کے تصرف سے نکل کر بائع کے قبضہ میں داخل ہوگئی، اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں (درمختار)۔

۲-مالک مکان کو دی جانے والی رقم کی دو نوعیتیں ہیں، ایک یہ کہ پیشگی کرایہ کے نام سے دی گئی ہو اور اس کو ماہانہ کرایہ میں وضع کرانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوۃ مکاندار کے ذمہ ہوگی، دوسرے یہ کہ زرضمانت (ڈپوزٹ) کے نام سے مالک مکان کے پاس رقم جمع کی جائے، لیکن عقد اجارہ فسخ ہونے یا مدت پوری ہونے کے وقت کرایہ دار کو واپس کئے جانے کا معاہدہ ہو تو اس کی زکوۃ کرایہ دار پر واجب ہے، رقم واپس ملنے کے بعد کرایہ دار کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی لازم ہوگی۔

Marfat.com

درمختار میں ہے:

"وكذا الوديعة عند غير معارفة، قال الشامي: فلو عند معارفة تجب الزكوة" (ردالمحتار ۲/۹، فتاوی دارالعلوم ۶/ ۱۳۰)۔

۳- مدارس اوراداروں میں جمع ہونے والی رقم کا کوئی معین مالک نہیں ہے، لہذا اس پر زکوۃ فرض نہیں۔

"كما في الدر المختار: وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، قال الشامي: فلا زكوة في سوائم الوقف إلى أخره" (ردالمحتار ۲/۹، فتاوی دارالعلوم ۶/ ۵۱،۴۹)۔

مدرسہ کے مال میں کسی کو ملک تام بھی حاصل نہیں، اس لئے صرف تصرفات کا اختیار ہے اور کامل ملک زکوۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے، لہذا وجوب زکوۃ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

۴- رشوت، سود اور حرام طریقہ پر قبضہ میں آنے والے مال کی زکوۃ فرض نہیں، کیونکہ یہ قابض مالک نہیں، اس لئے قابض تو مال واپس کرنے کا پابند ہے۔ اور اصل مالک تک نہ پہنچا سکتا ہو تو بلا نیت ثواب اس کا صدقہ کرنا لازم ہے جب پورے مقبوضہ مال کا صدقہ کرنا لازم ہے تو اس کے بعض کو زکوۃ میں دینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

"لو كان الخبيث نصابا لايلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه" (ردالمحتار ۲/ ۲۵)۔

مال حرام کو حلال مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کردینا کہ تمیز مشکل ہوجائے موجب ملک ہے، لہذا اس پر زکوۃ فرض ہے۔

"لأن الخلط استهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله وقوله أرفق" (ردالمحتار ۲/ ۲۵، فتاوی دارالعلوم ۶/ ۴۹-۸۶)۔

۵- قرض کی تین قسمیں ہیں۔ دین قوی، دین متوسط، دین ضعیف- اول یہ ہے کہ نقد

Marfat.com

روپیہ یا سونا چاندی قرض دینے یا تجارتی مال فروخت کرنے کے بعد لینے والے کے ذمہ اس کی قیمت باقی رہے۔ اور ایک سال یا کئی سال کے بعد وصول ہو تو ایسا قرض فقہی اصطلاح میں دین قوی ہے۔ بقدر نصاب باقی رہنے کی صورت میں اس پر پچھلے تمام سالوں کی زکوۃ فرض ہے۔ اور یہ قرض یکمشت وصول نہ ہو تو مقدار نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہونے پر اس پانچویں حصہ کی زکوۃ فرض ہوگی، اور ہر پانچویں حصے کے زکوۃ فرض ہوتی رہے گی، اسی طرح پورے سال کی زکوۃ نکالی جائے گی (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۳۵)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مال تجارت کے علاوہ خانگی سامان یا استعمالی اشیاء کی قیمت خریدار کے ذمہ باقی ہو تو یہ دین متوسط ہے۔ ایک سال یا متعدد سالوں کے بعد وصول ہونے پر اس کی گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی فرض ہوگی اور یکمشت وصول نہ ہو تو جب تک مقدار نصاب کے برابر قرض وصول نہ ہو اس کی زکوۃ فرض نہیں ہوگی اور وصولی کے بعد پچھلے سالوں کی زکوۃ بھی لازم ہوگی، اگر چہ یہ وصول شدہ قرض بقدر نصاب نہ ہو، لیکن دیگر مال کے ساتھ مل کر نصاب بن جائے، تو اس کو شامل کر کے زکوۃ ادا کی جائے گی (شامی ۲/۳۶)۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نقد روپیہ اور اشیاء کی فروختگی کے علاوہ کسی اور سبب سے دوسرے کے ذمہ قرض ہو جائے، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر یا بیوی پر شوہر کا بدل خلع یا قاتل پر دیت خون بہا یا ملازم کی تنخواہ تو یہ قرض دین ضعیف ہے۔ وصولی کے بعد مالک کے پاس سال گذرنے پر اس کی زکوۃ فرض ہوگی، یہ وصول شدہ مال بقدر نصاب نہ ہو، البتہ دیگر مال کے ساتھ شامل کر کے نصاب بن جائے تب بھی زکوۃ فرض ہوگی، لیکن حقدار کو وصول ہونے سے پہلے گذرے ہوئے سالوں کی زکوۃ اس پر فرض نہیں۔

"وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أى بعد القبض من دين ضعيف" (درمختار)۔

قرض کے اقسام واحکام سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ قدرت کے باوجود مدیون

Marfat.com

دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو تب بھی مدیون پر زکوۃ کو فرض قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ قرض کی وصولی سے سال پورا ہونے پر مستقبل کی زکوۃ دائن کے ذمہ فرض ہوگی۔

"بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملائته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم" (رد المحتار ۶۲/۲)۔

نیز مدیون کا زکوۃ ادا کرنا سود ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۴۸/۵)۔

پراویڈنٹ فنڈ (پی ایف) مال تجارت کا معاوضہ نہیں، اس لئے دین قوی میں داخل نہیں، خدمت حر کا معاوضہ ہے اس کو دین متوسط قرار دیں یا دین ضعیف، بہرحال اصح روایت کے مطابق اس پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ فرض نہیں ہے، "کما حققه المفتی محمد شفیع رحمه الله" (امداد الفتاوی ۴۹/۲)۔

پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی مرضی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوۃ فرض ہے اور اس پر ملی ہوئی زائد رقم سود ہے، جیسا کہ فتاوی رحیمیہ میں ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۴۷/۵)۔

نما کی حقیقت اور صورتیں:

مال میں زیادتی نما ہے، مویشی سے نسل چلانا یا تجارت سے مال کمانا ظاہری بڑھوتری ہے، سونے، چاندی اور قیمتی اشیاء مشنریز اور مکان و جائداد سے آمدنی حاصل کرنا بھی نما کی ہی صورت ہے، " فتاوی دار العلوم' میں ہے: کرایہ پر مکان چلانے کے لئے لینا، یعنی کرایہ پر دینے کے لئے مکان خریدنا یہ بھی تجارت کے لئے ہی خریدنا ہے۔ پس زکوۃ اس کی قیمت پر واجب ہوگی (درمختار)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ پر دینے کے لئے خریدنا بھی تجارت کے لئے خریدنا ہے (فتاوی دار العلوم ۹۱/۶)۔

سوال ۲۲۴ کے جواب میں ہے کہ "اس مشین کی قیمت پر زکوۃ ہے" (فتاوی دار العلوم ۱۴۳/۶) فتاوی دار العلوم کی مذکورہ عبارت سے بھی مولانا عمر عثمانی کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

جنہوں نے کرایہ کے مکانات اور مشنریز پر زکوۃ واجب قرار دی ہے، لہذا علماء کرام کو حالات حاضرہ اور دلائل مندرجہ کی روشنی میں کرایہ کے مکانوں اور مشنریوں کی قیمتوں پر زکوۃ عائد کرنے کے متعلق غور وخوض کرنا چاہئے۔

حاجت اصلیہ:

خانگی ساز وسامان، رہائشی مکان، تجارتی دکان، زراعتی زمین، استعمالی سواری، ستر پوشی، روزی اور جسمانی ضروریات کا جن چیزوں پر دارومدار ہے وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں (ردالمحتار ۲/۶۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات زندگی اور حاجت اصلیہ کا تعین حالات کا جائزہ لے کر دور حاضر میں علماء کرام کو ہی کرنا چاہئے، علاقہ اور ماحول اور گرانی وارزانی کے اعتبار سے کفایت، مؤنت اور حاجت اصلیہ کا معیار مقرر کیا جائے گا (ردالمحتار ۲/۶۵)۔

فی الحال یہ مبتلی بہ کی رائے پر منحصر ہے۔

کون سا دین مانع زکوۃ ہے:

دین عبد، یعنی جس دین کا مطالبہ کرنے والے بندے ہوں تو یہ قرض مانع ہے، لہذا اس کو مال سے منہا کر کے باقی ماندہ کی زکوۃ فرض ہوگی۔

"ومديون للعبد بقدر دينه فيز كى الزائد إن بلغ نصابا" (ردالمحتار ۲/۷)۔

طویل الاجل کثیر دین کی جب تک کل قسطیں ادا نہ ہو جائیں گی غنا کا تحقق نہیں ہوگا۔

"ولا يتحقق الغنى بالمال المستقرض مالم يقبض" (ردالمحتار ۲/۸)۔

کمپنیز پر زکوۃ:

کمپنی کی مجموعی مالیت خواہ کتنی ہی ہو اس کے مالک شرکاء ہیں، لہذا وجوب زکوۃ ان

Marfat.com

میں سے ہر فرد کے انفرادی حصہ کا اعتبار ہوگا، جن شرکاء کے حصے بقدر نصاب مالیت کے ہوں گے ان پر زکوۃ فرض ہوگی باقی پر نہیں (امداد الفتاوی ۲/۵۳)۔

"سببه أی سبب افتراضها ملک نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه تام بالرفع صفة ملک" (درمختار حاشیہ شامی ۲/۴)۔

ہیرے جواہرات:

ہیرے جواہرات کی تجارت کی جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہونا ظاہر ہے، دور حاضر میں ہیرے جواہرات قیمتی مال ہیں، ان کی ذخیرہ اندوزی سے سرمایہ محفوظ رہتا ہے اور قیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، لہذا ہیرے جواہرات جمع کر کے سال بھر رکھنے پر بھی زکوۃ فرض ہونا چاہئے (ردالمحتار ۲/۶۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہیرے جواہرات کے زیورات اگرچہ تمول کے مقصد سے نہیں صرف زینت کے طور پر ہی استعمال کئے جائیں تب بھی ان پر زکوۃ فرض ہونا چاہئے۔

سامان تجارت یا اراضی تجارت کی زکوۃ:

جو سامان تجارت تاجر کے قبضہ میں ہے اور جن جانوروں کی خرید وفروخت کی جاتی ہے ان کی زکوۃ ادائیگی کے دن کی قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی، تھوک بیوپاری کو زکوۃ دیتے وقت تھوک قیمت کا اعتبار کرنا چاہئے، اور پھٹکر تجارت والے کو پھٹکر مال کی قیمت سے ہی زکوۃ دینا چاہئے، تجارتی کاروبار کے لئے خریدی گئی زمینوں کی زکوۃ ادا کرتے وقت مارکیٹ میں جو قیمت ہو وہی معتبر ہوگی۔

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء وفی السوائم يوم الأداء إجماعا وهو الاصح" (درمختار)۔

Marfat.com

شیئرز کی زکوۃ:

شیئرز کی زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کا معیار کمپنی کا تجارتی ہونا اور نہ ہونا ہے، بذات خود شیئرز کی خرید وفروخت پر وجوب زکوۃ کا دارومدار نہیں (فتاوی رحیمیہ ۱۱۱/۳)۔

شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت اور اس سے حاصل شدہ آمدنی دونوں پر زکوۃ فرض ہے۔

"وفی المحیط یعتبر یوم الاداء بالاجماع وهو الاصح" (ردالمحتار ۳۰/۲)۔

شیئرز پاس رکھے رہیں تب بھی، کیونکہ سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے، اس لئے رکھے ہوئے شیئرز کی زکوۃ بھی فرض ہے، اور شیئرز کی آمدنی میں سے خرچ منہا کئے بغیر زکوۃ ادا کی جائے گی (فتاوی دارالعلوم ۶/ ۱۵۷، ۱۴۵)۔

بونڈ:

قرض حاصل کرنے والی حکومت یا کمپنی کی طرف سے دئے گئے سرٹیفکٹ کا نام بونڈ ہے، لہذا یہ قرض دین قوی ہے، مدت معینہ گذرنے کے بعد بونڈ کیش کرانے پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی دینی لازم ہوگی (فتاوی دارالعلوم ۶/ ۱۳۷)۔

نصاب زکوۃ:

"ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به إلى قوله قومه بالأنفع للفقير" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۲۲۹ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

عبارت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ فریضہ کی ادائیگی میں احتیاط کا تقاضا اور انفع للفقیر یہ ہے کہ زکوۃ کی فرضیت اور حرمت کے لئے چاندی کے نصاب کو معیار مقرر کرنا مناسب ہے۔

مصارف زکوۃ:

غیر مستطیع طلبہ کو نقد یا چیک کی شکل میں مقررہ خرچ دے کر اس کو فیس کے نام سے

Marfat.com

وصول کیا جائے تو شرعاً زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

مہتمم طلبہ کی طرف سے وکیل ہے، اس لئے زکوۃ پر مہتمم کا قبضہ ہو جانا ادائیگی زکوۃ کے لئے کافی ہے، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن فرماتے ہیں: ''مہتمم طلبہ کی طرف سے وکیل ہے کہ ارباب اموال سے زکوۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلا شبہ مختلف ارباب اموال کی زکوۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے۔ ''درمختار'' کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے، اگر اس پر غور کیا جائے تو ارباب اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی (شامی ۲/۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۰/۲۱۶)۔

سفراء کو کمیشن:

سفراء عاملین کے حکم میں نہیں، جیسا کہ ''امداد الفتاوی ۲/۵۸'' میں ہے، لہذا تنخواہ یا کمیشن کسی طور پر بھی ان کو زکوۃ کی رقم میں سے معاوضہ نہیں دیا جا سکتا، نیز صحت عقد کے لئے عمل اور اجرت دونوں کا متعین ہونا ضروری ہے، جبکہ کمیشن کے معاملہ میں دونوں مجہول ہیں، لہذا کمیشن پر چندہ کے لئے سفراء کو مقرر کرنا درست نہیں۔ ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے: اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے تو اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو ملے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عمل اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسد اجارہ ہیں (فتاوی محمودیہ ۱/۵۲۴)۔

فی سبیل اللہ کی وضاحت:

لشکر سے بچھڑنے والے غازی اور حجاج کے قافلہ سے بچھڑنے والے حاجی اور علم دین کے طلبہ سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج اور ضرورتمند ہونے کی بنا پر داخل ہیں، ''فتاوی دار العلوم'' میں ہے: ''غرض یہ کہ فی سبیل اللہ میں بے شک موافق تفسیر صاحب ''بدائع'' کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں، لیکن جو شرط ادائے زکوۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ

Marfat.com

بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے'' (فتاوی دار العلوم ۶/ ۲۸۲)۔

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

امام ابن جریر ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث سے ہی کرنے کے پابند ہیں۔ ان سب نے لفظ ''فی سبیل اللہ'' کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں۔ ان کو ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوۃ تھے۔ لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں (معارف القرآن ۴/ ۴۰۸)۔

جوابات ضمیمہ سوالات بابت زکوۃ:

۱۔ شیئرز کی زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کا معیار کمپنی کا تجارتی ہونا اور نہ ہونا ہے، بذات خود شیئرز کی خرید و فروخت پر وجوب زکوۃ کا دارومدار نہیں (فتاوی رحیمیہ ۳/ ۱۱۱)۔

شیئرز کی موجودہ مارکیٹ قیمت اور اس سے حاصل شدہ دونوں پر زکوۃ فرض ہے۔

''قال الشامي وفي المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح''

(فتاوی رحیمیہ ۳/ ۱۱۱)۔

شیئرز پاس رکھے رہیں تب بھی، کیونکہ سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے، اس لئے رکھے ہوئے شیئرز پر بھی زکوۃ فرض ہوگی، شیئرز کی آمدنی میں سے خرچ منہا کئے بغیر زکوۃ ادا کی جائے گی

(فتاوی دار العلوم ۶/ ۱۴۵، ۱۵۷)۔

Marfat.com

۲- کاروباری ادارہ میں اسٹاک پر بھی زکوۃ واجب الاداء ہے اور نفع پر بھی، خرید و فروخت کے جانوروں میں ادائیگی کے وقت کی بازاری قیمت پر زکوۃ فرض ہے، اور جن جانوروں کے دودھ انڈے فروخت کئے جائیں تو فروخت کی جانے والی چیزوں کی قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۳- تمسکات اور سرمایہ اندوزی کی صورت میں حولان حول کے وقت سالانہ اخراجات کو منہا کرنے کے بعد ہی زکوۃ فرض ہوتی ہے، لیکن فی الحال یہ مبتلی بہ کی رائے پر منحصر ہے کہ وہ اپنی حقیقی ضروریات پر ہونے والے اخراجات کو ہی منہا کر کے زکوۃ ادا کرے۔

" إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقى معه منه نصاب، فإنه يزكى ذلك الباقى" (ردالمحتار ۲/۷)۔

لیکن شخصی اور عائلی اخراجات کی تحدید و تعیین کے لئے علماء کو معیار مقرر کرنا چاہئے۔

" والذى يظهر مما مران ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأوانى الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية" (ردالمحتار ۲/۶۵)۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوۃ فی سبیل اللہ اور اس میں توسع

مولانا رفیق المنان قاسمی☆

تملیک رکن زکوۃ ہے:

جمہور فقہاء کے نزدیک اداء زکوۃ کے لئے تملیک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی ہے، جب تک زکوۃ کی رقم مستحق زکوۃ کو بہ طور تملیک دے نہ دی جائے زکوۃ ادا نہ ہوگی (دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۴۳، البنایہ ۳/۳۴۰)۔

اداء زکوۃ کے لئے تملیک کی شرط محض فقہی موشگافی نہیں، بلکہ اس کی ٹھوس اور مضبوط شرعی بنیادیں موجود ہیں، اس سلسلہ میں ملک العلماء علامہ کاسائیؒ نے پوری تفصیل ''بدائع'' میں تحریر فرمائی ہے (دیکھئے: البدائع ۲/۳۹)۔

اس وجہ سے علماء امت قریباً اس بات پر متفق ہیں کہ زکوۃ کی رقم کسی مستحق کو مالک بنائے بغیر از خود رفاہ عامہ میں خرچ کرنا جائز نہیں چاہے اس سے فقراء ہی کے مفادات وابستہ کیوں نہ ہوں۔

''وعلى هذا يخرج صرف الزكوة إلى وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه لا يجوز؛ لأنه لم يوجد التمليك'' (حوالہ مذکور، نیز دیکھئے: البنایہ مع الہدایہ ۳/۵۴۴)۔

مصالح عامہ کے کاموں میں براہ راست زکوۃ کی رقم خرچ کرنا بیشتر بلکہ قریبا تمام

☆ استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور

Marfat.com

معلوم و مسلم ائمہ و فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن بعض فقہاء کی طرف اس کا جواز بھی منسوب کیا گیا ہے (دیکھئے: تفسیر خازن ۳/ ۹۲)۔

وہ بعض فقہاء کون ہیں؟ المغنی میں ابن قدامہؒ نے اس سلسلہ میں انس بن مالکؓ و حسن بصریؒ کے نام لئے ہیں، ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نام اس سلسلہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔

''وقال أنس والحسن ما أعطيت في الجسور والطرق نهى صدقة ماضية'' (المغنی ۲/ ۶۶۷)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس قول کا انتساب ان دونوں بزرگوں کی جانب بھی غلط فہمی پر مبنی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: البنایہ ۳/ ۵۴۴)۔

مذکورہ اثر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ''مصنف ابن ابی شیبہ و کتاب الاموال لابی عبید'' دونوں میں موجود ہے اور ان دونوں محدثین نے جس طرح اسے نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انس و حسن کے مذکورہ قول کا پلوں اور سڑکوں کی تعمیر سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ پلوں اور سڑکوں پر مامور عشار و محصلین اصحاب اموال سے جو رقم بہ طور زکوۃ وصول کریں وہ زکوۃ ہی میں شمار ہوگی اور فرض زکوۃ اصحاب اموال سے ساقط ہو جائے گا۔

ابو عبید قاسم بن سلام کے نقل کردہ الفاظ علامہ عینی کی مذکورہ عبارت میں گزر چکے۔

امام ابن ابی شیبہ کے نقل کردہ الفاظ اس سلسلہ میں بہت واضح ہیں:

''عن انس والحسن قالا ما أخذ منک علی الجسور والقناطر فتلک زكوة قاضية'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۶۶)۔

اس کو ابن ابی شیبہؒ نے باب ''من قال يحتسب بما اخذ العاشر'' کے تحت ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۶۶)۔

Marfat.com

اس کے بالمقابل دوسرا باب ہے: "من قال لا تحسب بذلک من زکاتک" اس کے تحت ابوقلابہ، میمون، مجاہد، طاؤس، ابوجعفر اور ابن عمرؓ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

"لا تحتسب بما أخذ منک العاشر" (ایضا ۳/۱۶۷)۔

ان تمام آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ حضرات انس وحسن کی مذکورہ اثر کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو غلطی سے بعض بزرگوں نے سمجھ لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جملہ امور خیر میں علی الاطلاق زکوۃ صرف کرنے کا جواز کسی بھی معروف ومسلم امام وفقیہ سے ثابت نہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ادائے زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے، البتہ دو معاملات میں بعض فقہاء کرام سے استثنی بھی منقول ہے، زکوۃ کے دو مصارف "فی الرقاب وفی سبیل اللہ" میں بعض کے نزدیک تملیک ضروری نہیں۔

"وقال المالکیة: یشتری بسهمهم رقیق فیعتق" (الفقہ الاسلامی ۲/۸۷۳)۔

اسلامی جہاد وعسکری ضروریات میں بھی بلا تملیک مستحق براہ زکوۃ کا صرف کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں (الفقہ الاسلامی ۲/۸۷۵)۔

لیکن بعض اہل علم سے حربی ضروریات میں بلا تملیک زکوۃ صرف کرنے کا جواز بھی منقول ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"قال بعض أصحابنا: لا مؤلفة فیجعل سهم المولفة وسهم فی سبیل الله فی الکراع والسلاح فی ثغر المسلمین حیث یراه الوالی" (کتاب الام للشافعی ۲/۷۶، نیز دیکھئے: الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۱/۶۶۴، تفسیرات احمدیہ/۴۷۲)۔

استحقاق زکوۃ کے لئے فقر واحتیاج کی شرط:

زکوۃ کے اصل مصرف فقراء ومساکین ہیں اور وجہ استحقاق حقیقۃ صرف فقر واحتیاج ہے جن افراد امت کو اللہ تعالی نے دولت وثروت سے نوازا ہے اور جو بفضل خدا غنی ہیں وہ زکوۃ

Marfat.com

ادا کرنے کے پابند ہیں، زکوۃ لینے کا انہیں کوئی حق نہیں، قرآن وسنت میں اس سلسلہ میں بہت واضح نصوص موجود ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۂ نوح ۲۴-۲۵، سورۂ بقرہ ۲۶۲، ۲۷۳، سورۂ نور ۲۲)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت جو ہدایات دی تھیں ان کا ایک حصہ یہ ہے:

"أعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم" (بخاری ۱/۱۸۷ کتاب الزکوۃ، مسلم ۱/۳۶ کتاب الایمان، ابوداؤد ۱/۲۳۲، نسائی ۱/۳۳۰)۔

"بعث رسول الله ﷺ فينا ساعيا فأخذ الصدقة من أغنيائنا فقسمها في فقرائنا وكنت غلاما يتيما فأعطاني منها فلوسا" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۴، ترمذی ۱/۸۲)۔

اس سلسلہ کی مزید روایات کے لئے ملاحظہ ہو (ابوعبید فقہ السنۃ ۱/۴۰۹، ۳۲۷، الفقہ الاسلامی ۱/۳۲۷، ابوداؤد ۱/۲۳۱، نسائی ۱/۳۶۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۰۸ وغیرہ)۔

"عن عبد الله بن عمر عن النبي ﷺ قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوى" (ابوداؤد ۱/۲۳۱، نسائی ۱/۳۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۰۷)۔

سورۂ توبہ کی آیت میں جو آٹھ مصارف زکوۃ بیان کئے گئے ہیں ان میں عاملین اور مولفۃ القلوب کو چھوڑ کر سبھی میں فقر واحتیاج کا پہلو واضح طور پر نظر آتا ہے۔

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ" (سورۂ توبہ/۶۰)۔

زکوۃ میں مولفۃ القلوب کا حصہ وقتی حالات ومصالح کے تحت رکھا گیا تھا جو حالات و زمانہ کی تبدیلی کے باعث ختم ہوگیا، اور عاملین کو زکوۃ کی رقم میں سے جو کچھ ملتا ہے وہ بحیثیت زکوۃ نہیں، بلکہ فقراء کا وکیل ہونے اور ان کے لئے کام کرنے کی وجہ سے بہ طور حق المحنت کے ملتا ہے، زکوۃ کا مال اصلاً فقراء کا ہے اور عاملین کو فقراء کے مال سے ان کی خدمت کا معاوضہ ادا کیا جاتا

Marfat.com

ہے، بقیہ چھ مصارف فقر و احتیاج کے رشتہ سے منسلک ہیں، یہ اور بات ہے کہ کسی کی احتیاج مستقل ہے اور کسی کی وقتی و عارضی، کسی کی احتیاج ذاتی ضروریات کے لئے ہے اور کسی کی احتیاج قومی وملی مفادات ومصالح کے حق میں ہے (البدائع ۲/ ۴۳)۔

اسی وجہ سے فقہاء احناف کے نزدیک استحقاق زکوۃ کے لئے جملہ چھ مصارف میں فقر وعدم غنا بنیادی شرط ہے، البتہ یہ فقر وعدم غنا عام ہے، چاہے ملک وید دونوں کے اعتبار سے ہو، جیسے عام فقراء یا صرف ''ید'' کے اعتبار سے، جیسے ابن سبیل، یا کسی لازم فی الذمہ مالی مطالبہ کے اعتبار سے ہو، جیسے غارم۔

علامہ جصاص رازیؒ ''احکام القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وانما قلنا ذلک لقول النبی ﷺ: أمرت أن آخذ الصدقة من أغنياء كم واردها فی فقرائكم فبين أن الصدقة مصروفة إلى الفقراء فدل ذلک على أن أحدا لا يأخذها صدقة إلا بالفقر وأن الأصناف المذكورين إنما ذكروا بيانا لأسباب الفقر'' (بحوالہ اوجز المسالک ۳/ ۲۲۲)۔

استحقاق زکوۃ کے لئے فقر وعدم غنا کی شرط باجماع امت مسلم ہے، لیکن مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے جمہور علماء کے نزدیک بعض مصارف زکوۃ اس شرط عام سے مستثنی ہیں اور استثناء کی وجہ درج ذیل حدیث ہے:

''عن عطاء بن يسار أن رسول الله قال: لا تحل الصدقة لغنی إلا لخمسة لغاز فی سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين للغنی'' (مؤطا امام مالک مع الاوجز ۳/ ۲۶۱، ابوداؤد ۱/ ۲۳۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۰)۔

اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا نقطہ نظر وہ ہے جسے محقق ابن ہمامؒ نے یوں بیان کیا ہے:

''وما رواه أبوداؤد وابن ماجه ومالک عنه عليه السلام لاتحل الصدقة غنی.........'' (فتح القدیر ۲/ ۲۰)۔

Marfat.com

پھر مذکورہ روایات میں غارم اور ابن السبیل پر غنی کا اطلاق محض ایک پہلو کے اعتبار سے جو شخص بہ قدر نصاب مال کا مالک ہو مگر اسی قدر اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ بہ ظاہر غنی ہے اگر چہ قرض کی رقم نکال دینے کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں رہ جائے گا، اسی طرح اگر ایک آدمی کی ملکیت میں مقدار نصاب سے زائد مال ہو مگر بہ حالت سفر اس کا ہاتھ بالکل خالی ہو جائے تو وہ مال نصاب کا مالک ہونے کے اعتبار سے غنی ہے اگر چہ ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے وہ وقتی طور پر محتاج ہو گیا ہے، ان صورتوں میں غارم اور ابن السبیل کو ایک پہلو کے لحاظ سے غنی کہا جائے یا دوسرے پہلو کے اعتبار سے فقیر کہا جائے، اصل حقیقت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس سلسلہ کا اختلاف صرف اختلاف لفظی ہوگا۔

البتہ ''غازی'' کے بارے میں احناف اور جمہور فقہاء کا اختلاف کسی حد تک واقعی اور حقیقی ہے جمہور فقہاء کے نزدیک ''غازی غنی'' کو زکوۃ دی جاسکتی ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ بیت المال سے اسے باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی ہو (الفقہ الاسلامی ۲/۸۷۴)۔

عدم راتب کی قید سے یہ ظاہر ہے کہ جمہور فقہاء نے بھی احتیاج کے پہلو کو یکسر نظر انداز نہیں کیا۔

حنفیہ کے نزدیک غازی غنی مستحق زکوۃ نہیں، زکوۃ انہیں مجاہدین کو دی جائے گی جو غنی نہ ہوں (ولا یصرف إلی اغنیاء الغزاۃ عندنا لانہ المصرف ہو الفقراء، ہدایہ ۱/۱۸۵)، البتہ اس سلسلہ میں کچھ توسع سے کام لیا گیا ہے (احکام القرآن لابی بکر الجصاص الرازی ۲/۱۵۷، البنایہ شرح الہدایہ للعینی ۲/۵۳۶)۔

علامہ کاسانیؒ غازی غنی کے لئے حدیث میں مذکور حلت صدقہ کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فیعطی بعض ما یحتاج إلیه سفرہ لما احدث له السفر من الحاجة لا أنه یعطی حین یعطی وھو غنی'' (البدائع ۲/۴۶)۔

Marfat.com

آیت مصارف میں حصر حقیقی ہے یا اضافی؟

اگر ''مولفین و عاملین'' کے علاوہ بقیہ تمام مصارف میں فقر و احتیاج کو شرط عام کی حیثیت دی جائے اور مکاتب، غارم، فی سبیل اور ابن السبیل کو خاص اور ترجیحی مصارف قرار دیا جائے تو حصر اضافی ہوگا اور مذکورہ مصارف میں نص وقیاس کے ذریعہ توسیع کی گنجائش ہوگی، مثلاً فی سبیل اللہ کے اصل مصداق غزاۃ ہیں جو دین وملت کی خدمت، شوکت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں اور کسب وتجارت سے منقطع ہو جانے کے باعث ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں، اس لئے یہ ترجیحی طور پر زکوۃ کے مستحق ہیں، کیونکہ یہ لوگ محتاج ہونے کے ساتھ دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اب جو لوگ بھی کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہوں اور ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہوں تو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں ہوں گے، علوم دینیہ کے طلبہ، اساتذہ، علماء، مبلغین، مصنفین اور وہ تمام لوگ اس زمرے میں آئیں گے جو کسی بھی پہلو سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر رہے ہوں، اگر فقر کی شرط کے ساتھ ترجیحی مصارف کا ذکر کیا جائے تو ان کی تعداد شمار سے باہر ہوگی، مگر آیت میں مذکور مصارف کے علاوہ جتنے بھی مصارف نکلیں گے وہ حقیقۃ انہیں میں سے کسی ایک سے متفرع ہوں گے۔

لیکن اگر فقر واحتیاج کا لحاظ کئے بغیر تمام مصارف کو عام رکھا جائے اور ہر ایک کو مستقل حیثیت دی جائے تو پھر آیت میں حصر حقیقی ہوگا اور ان میں توسیع اور بلا کسی واضح نص شرعی کے کسی تعمیم کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ زکوۃ اصلا فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء زکوۃ دینے کے پابند ہیں زکوۃ لینے کے حق دار نہیں ہیں۔ اس لئے اغنیاء واہل ثروت کا استحقاق زکوۃ مورد نص ہی تک محدود رہے گا۔

فی سبیل اللہ کی مراد اور اس کی حدود وقیود:

''سبیل اللہ'' اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے اور جملہ امور خیر کو شامل ہے، لیکن

Marfat.com

آیت زیر بحث میں باجماع امت اس سے عام لغوی معنی مراد نہیں ہے، متعدد فقہاء، محدثین، مفسرین اور قرآنیات ولغت کے ماہرین نے یہ تصریح کی ہے کہ جب اس کا استعمال علی الاطلاق ہوتو اس سے غزوہ و جہاد مراد ہوتا ہے (ابن قدامہ، المغنی ۶/۷ ۴۳، ابن حجر، فتح الباری ۶/ ۲۹، ابن جوزی نقلہ ابن حجر ۶/ ۴۸، مرغینانی ہدایہ ۱/ ۱۸۵، ابن اثیر النہایہ ۲/ ۳۳۸، عینی البنایہ ۳/ ۵۳۴، الباجی نقلہ فی الاوجز ۸/ ۲۰۰)۔

اسی وجہ سے جمہور علماء وفقہاء اس پر متفق ہیں کہ آیت صدقہ میں فی سبیل اللہ کے مصداق وہ مجاہدین وغزاۃ ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان کارزار میں اترتے ہیں ائمہ اربعہ میں سے ابوحنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے۔امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن الحسن رحمہما اللہ نے مجاہدین کے ساتھ حجاج کو بھی ملحق کیا ہے اور اس کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں حج کو بھی فی سبیل اللہ کہا گیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ابوداؤد والنسائی والحاکم والطبرانی والبزار البنایہ ۳/ ۵۳۵، البنایہ ۳/ ۵۳۴، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۰۲، کتاب الام للشافعی ۲/ ۶۲)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک حاجی غنی کو زکوۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ کا جو متبادر مفہوم ہے حج کا اس سے کوئی تعلق نہیں، پھر حدیث "**لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسه**"، میں لغاز فی سبیل اللہ روایت کی بنا پر بعض اہل علم نے حج کو بھی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل کیا ہے وہ نقل وروایت کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور دلالت کے اعتبار سے بھی (فقہ السنہ ۱/ ۳۹۳، المحلی لابن حزم ۶/ ۱۵۱)۔

حافظ ابن ہمامؒ نے حج کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کرنے والوں کی مستدل حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس سے استدلال کے ضعف کو ظاہر کیا ہے (فتح القدیر ۲/ ۱۷)۔

پھر حج میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز جن کے نزدیک بھی ہے وہ مطلق نہیں بلکہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہو لیکن کسی وجہ سے وہ حج کے

Marfat.com

مصارف برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو یا وہ حجاج کے قافلہ سے بچھڑ گیا ہو اور اپنے مال واسباب سے منقطع ہو گیا ہو (الفقہ الاسلامی ۲ / ۸۷۳)۔

اس اعتبار سے امام احمد وامام محمد رحمہما اللہ کا جمہور کی رائے سے اختلاف حقیقۃ کوئی بنیادی اختلاف نہیں، کیونکہ "حاج فقیر" جمہور ائمہ کے نزدیک بھی بہر حال مستحق زکوۃ ہے، حج کے اعتبار سے نہ سہی فقر کے اعتبار سے وہ بالاتفاق زکوۃ لے سکتا ہے (فتح القدیر ۲ / ۱۸)۔

غرض یہ کہ مصرف فی سبیل اللہ کا علی الاطلاق مصداق تمام ائمہ مجتہدین وفقہاء سلف کے نزدیک صرف مجاہدین وغزاۃ ہیں۔

فقر وعدم غنی کی قید کے بغیر جنہیں فقہائے سلف نے فی سبیل اللہ کا مصداق قرار دیا وہ صرف وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے دفاعی امور میں اپنی خدمات پیش کر رہے ہوں، اس لئے میری ناقص رائے میں اہل غنا حجاج، طلبہ، علماء، دعاۃ اور دوسرے دینی وعوامی خدمت میں لگے ہوئے اغنیاء کو بھی فی سبیل اللہ کے زمرے میں داخل کر کے انہیں مستحق زکوۃ قرار دینا غیر درست و خرق اجماع کے مترادف ہے۔

ہاں اگر فقر وعدم غنا کو شرط عام کی حیثیت دی جائے تو فی سبیل اللہ کے زمرہ میں مجاہدین کے ساتھ ان تمام لوگوں کو ملحق کیا جا سکتا ہے جو کسی دینی خدمت وامر خیر میں مصروف ہوں اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں کام کر رہے ہوں، فقہاء حنفیہ کے یہاں فی سبیل اللہ کے دائرے میں نسبۃً جو توسیع نظر آتی ہے اس کی بنیاد یہی ہے، فقہاء حنفیہ کا موقف جہاں تک میں نے سمجھا ہے یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصداق اصلاً مجاہدین ہیں جو فقر اور خدمت دین دو اسباب کی وجہ سے ترجیحی طور پر مستحق قرار پائیں گے، اس کے خلاف جو بعض شاذ روایتیں فقہاء حنفیہ کے یہاں پائی جاتی ہیں وہ متروک ومہجور ہیں یا مؤول، محققین نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔

مصارف زکوۃ میں تعلیل وقیاس:

مصارف زکوۃ میں تعلیل وقیاس کی گنجائش یقیناً ہے، ورنہ فقہاء کرام کے درمیان اس

Marfat.com

سلسلہ میں اختلاف ہی کیوں ہوتا؟ لیکن قیاس صرف وہی قابل قبول ولائق اعتناء ہوسکتا ہے جو معقول بنیادوں پر قائم ہو اور نص، اجماع اور کسی واضح اصل شرعی کے خلاف نہ ہو۔

شاہ ولی اللہؒ نے بھی زکوۃ کے مقاصد ومصالح اور اس کی معاشرتی مصلحت کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، (دیکھئے: حجۃ اللہ البالغہ ۲/۲۹ فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۴۰، المغنی ۶/۴۳۷)۔

مذکورہ بزرگوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر حاصل سب کی عبارتوں کا ایک ہی ہے کہ کسی کو زکوۃ دو وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے دی جاتی ہے یا تو جس کو زکوۃ کی رقم دی جارہی ہے وہ خود محتاج ہو یا وہ کسی ایسے کام میں مصروف ہو جس کا تعلق مسلمانوں کی عمومی ضروریات ومصالح سے ہو، یعنی استحقاق زکوۃ کی علت جملہ مصارف میں صرف دو ہیں، اول فقر واحتیاج، دوم اسلام و مسلمین کی عمومی مصلحت و اجتماعی خدمت سے وابستگی، دوسری علت کے دائرہ اثر میں عامل، غازی، مؤلف اور غارم لاصلاح ذات البین آتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی خدمت و منفعت کا دائرہ خاص ہے، غازی کا تعلق عوامی خدمت کے ایک خاص شعبے دفاع سے ہے، جمہور علماء امت کے نزدیک مصرف فی سبیل اللہ کی علت صرف مسلمانوں کے دفاع اور عسکری جہاد سے عملی وابستگی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

”کل ما فی القران من ذکر سبیل اللہ إنما یرید بہ الجہاد إلا الیسیر فیجب حمل ما فی ہذہ الآیۃ علی ذلک، لأن الظاہر أرادتہ بہ“ (المغنی ۶/۴۳۷)۔

بہر حال جمہور کے نزدیک فی سبیل اللہ کا تعلق محض دفاعی امور سے ہے، عوامی خدمت کے کسی دوسرے شعبہ سے متعلق افراد علی الاطلاق فی سبیل اللہ کے زمرے میں نہیں آئیں گے، یعنی وہ مجاہدین کی طرح مستحق زکوۃ نہیں ہوں گے۔

لیکن معدودے چند فقہاء فی سبیل اللہ کی تعلیل میں تعمیم وتوسیع کرتے ہوئے غزاۃ کے ساتھ کچھ اور عوامی خدمت گاروں کو بھی لاحق کرتے ہیں۔

Marfat.com

اسی وجہ سے بعض مالکیہ نے قضاۃ، ائمہ اور فقہاء کو بھی مستحق زکوۃ قرار دیا ہے بشرطیکہ بیت المال سے وہ تنخواہ نہ پاتے ہوں (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۱۳۶۶۴، بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۱، الدر المختار علی ہامش الرد ۲/۵۹)۔

بعض فقہاء نے ابن السبیل میں علت فقر بالید کو قرار دے کر فقیر بالید مقیم کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے (دیکھئے: روح المعانی ۱۰/۱۲۴)۔

یہ تفصیل پیش کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ مصارف زکوۃ میں بھی تعلیل وقیاس کی گنجائش ہے اور کتب فقہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قیاس کے نام سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جائے وہ قابل قبول ہے، قیاس وہی قابل قبول ولائق اعتنا ہوسکتا ہے جو واضح نصوص، اجماع اور عام مزاج شریعت کے معارض نہ ہو، اور تعلیل وقیاس کے مسلمہ اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

مثلاً اسی قیاس کو لیجئے کہ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی کو جہاد عسکری پر قیاس کرتے ہوئے ان میں بھی زکوۃ کی رقم صرف کرنا جائز قرار دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ قیاس قابل قبول نہیں ہے، اولاً تو قلمی، فکری، ثقافتی کارناموں پر جہاد کا اطلاق صرف لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے، جہاد کا عام لغوی معنی قریباً وہی ہے جسے ہم اپنی زبان میں کدوکاوش یا جدوجہد سے تعبیر کرتے ہیں اور اس معنی میں جہاد کا اطلاق اچھی بری ہر قسم کی جدوجہد پر ہوسکتا ہے، خود قرآن مجید میں شرک پر آمادہ کرنے کی جدوجہد کے لئے بھی جہاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (العنکبوت: ۸، لقمان: ۵)۔

لیکن جہاد کا شرعی اصطلاحی معنی اس کے عام لغوی معنی سے بہت مختلف ہے (فتح الباری ۲/۳، اوجز المسالک ۸/۱۹۷)۔

کتاب وسنت میں جہاد کا اطلاق شاذ ونادر عام لغوی معنی میں بھی ہوا ہے اور کہیں کہیں نفس وشیطان اور منکرات کے خلاف جدوجہد کو بھی جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اکثر وبیشتر جہاد کا اطلاق ''قتال اعدائے اسلام'' ہی کے لئے ہوا ہے (دیکھئے: سورۂ بقرہ: ۲۱۸، آل عمران ۷۴، ۷۵، ۱۴۲،

Marfat.com

توبہ ۱۶، ۲۰، ۲۴، ۸۸، النحل ۱۱۰، الفرقان ۵۲، الممتحنہ ۶۰، نساء: ۴ وغیرہ)۔ اور جب بھی یہ لفظ مطلق استعمال ہوتا ہے اسی متبادر مفہوم میں ہوتا ہے، اس لئے جہاد لغوی کے تمام اطلاقات کو جہاد شرعی کے ہم پلہ قرار دے کر سب کو ایک حکم میں رکھنا صحیح نہیں ہے۔

پھر اگر جہاد کے تمام اطلاقات کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل مان لیا جائے تو اس کے نتیجہ میں جو تعمیم پیدا ہوگی وہ شاید کسی بھی ذی عقل کے لئے قابل قبول نہ ہوگی اور اس سے زکوۃ کا اصل مقصد اور حکیمانہ نظام بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اور اگر جہاد کے شرعی متبادر مفہوم سے قطع نظر یہ مان بھی لیا جائے کہ جہاد کا لفظ جہاد عسکری کی طرح جہاد قلمی، جہاد لسانی، جہاد فکری وغیرہ کو بھی یکساں طور پر شامل ہے اور جہاد کے عموم میں سبھی قسم کے جہاد داخل ہیں تو بھی مصرف فی سبیل اللہ میں اس تعمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ حدیث: "لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة" میں خود رسول اللہ ﷺ نے "لغاز في سبيل الله" کے الفاظ سے جہاد کی ایک خاص قسم جہاد عسکری کی تعیین فرمادی اور بقیہ جملہ اقسام سے بحالت غنا حلت زکوۃ کی نفی فرمادی، جب خود اللہ کے رسول ﷺ نے استحقاق زکوۃ کے لئے جہاد عسکری کی تعیین فرما کر دوسروں کو چاہے وہ مختلف قسم کے مجاہدین ہی کیوں نہ ہوں غیر مستحق قرار دے دیا اور ان کے لئے بحالت غنا زکوۃ کی عدم علت کا اعلان کر دیا تو لفظ جہاد کے عموم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی؟ اس لئے جہاد عسکری پر جہاد قلمی وغیرہ کا قیاس محض لفظی اشتراک کی بنا پر میری رائے میں ایک مغالطہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اجماع کے خلاف اور نص حدیث کے بالکل معارض ہونے کی بنا پر نا قابل اعتناء ہے۔

خلاصہ جوابات متعلقہ فی سبیل اللہ:

۱- اگر فقراء کو مصرف عام اور بقیہ اصناف کو خاص اور مقید قرار دیا جائے تو آیت صدقہ میں مصارف کا حصر اضافی ہوگا، لیکن اگر تمام مصارف کو مستقل وعلیحدہ حیثیت دی جائے تو پھر حصر حقیقی ہوگا۔

Marfat.com

۲- مجھے جمہور فقہاء کے اس خیال سے مکمل اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔

۳- اگر کسی مسئلہ میں قرون اولی میں صرف دو قول پائے جاتے ہوں اور مسئلہ اجتہادی ہو تو دلائل، عرف اور حالات وزمانہ کی مقتضیات کی بنا پر کسی تیسرے قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوگی اور علماء سلف کے اجتماعی فہم پر اعتماد اور قول محدث سے اجتناب ہی بہتر اور سلامتی کی راہ ہے۔

۴- فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین غزاۃ ہیں، لیکن فقر کی شرط کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مجاہدین کے ساتھ ملحق کیا جاسکتا ہے جو کسی بھی خیر وافادہ عام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب معاش سے معذور ہوں، مجاہدین کی طرح یہ لوگ بھی ترجیحی طور پر مستحق زکوۃ ہوں گے۔

۵- اصولا مصارف زکوۃ قیاس شرعی کا محل ہوسکتے ہیں، مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جہاد عسکری پر جہاد قلمی وغیرہ کو قیاس کر کے جہاد کے جملہ اطلاقات کو فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوۃ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۶- دور حاضر میں مختلف دینی ودعوتی کاموں کی اہمیت اور اسکے لئے کافی سرمایہ کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، امراء واہل ثروت میں دینی حمیت اور مسابقت فی الخیرات کے جذبہ کی کمی کا شکوہ بالکل غلط نہیں، لیکن ہر درد کا مداوا زکوۃ میں تلاش کرنا غلط ہے، زکوۃ کا ایک خاص مقصد ہے "توخذ من أغنيائهم و ترد على فقرائهم" جو بہر حال نظر انداز نہیں ہونا چاہئے۔

استحقاق زکوۃ کے لئے فقر اور اداء زکوۃ کے لئے تملیک مستحق بنیادی شرطیں ہیں، واضح نصوص کی بنا پر بعض خاص جزئیات میں اصولاً استثناء کی گنجائش ہوسکتی ہے، مگر فقر وتملیک کی بنیادی شرطوں کو یکسر نظر انداز کر کے تمام ملی ضروریات اور دینی، اصلاحی اور دعوتی کاموں کے لئے

Marfat.com

زکوۃ کی رقم صرف کرنے کی وکالت کرنا اور ہر قسم کے دینی وخیراتی کاموں میں لگے ہوئے لوگوں کو بلا قید زکوۃ کی رقم دیئے جانے کی حمایت کرنا ایسی اباحیت پسندی ہوگی جس کی نظیر سابقہ ادوار میں ملنا مشکل ہے اور اس کے نتیجہ میں مصرف زکوۃ میں جو عموم پیدا ہوگا اس سے زکوۃ کے اصل وبنیادی مقاصد فوت ہو جائیں گے، قرآن مجید میں بیان مصارف کا اہتمام، رسول اللہ ﷺ کا اس پر من وعن سختی سے عمل کرنے پر اصرار اور مصارف زکوۃ میں کسی قسم کی توسیع اور من مانی سے واضح اور غیر متزلزل انکار، یہ سب چیزیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

۷-فقر واحتیاج کی شرط کے بغیر مصرف فی سبیل اللہ میں میرے خیال میں کسی توسیع کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے مصداق صرف مجاہدین بالسیف ہیں، فقر کی شرط کے ساتھ، البتہ مجاہدین کے ساتھ ان تمام لوگوں کو لاحق کیا جاسکتا ہے جو دین وملت کی خدمت میں مصروف ہونے کے باعث معاشی جدوجہد کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے، ایسے لوگ مجاہدین کی طرح فقر ودینی خدمت دو وجہوں سے ترجیحی طور پر مال زکوۃ کے مستحق ہوں گے اور انہیں دینے والے لوگ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے۔

لیکن مساجد، مدارس، مکتبات، ہاسپٹل، پلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور اس قبیل کے دوسرے ان تمام کاموں میں جن میں کسی مستحق کو دینا اور مالک بنانا نہ پایا جائے زکوۃ کی رقم صرف کرنا ناجائز ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ ''فی سبیل اللہ''

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (علی گڑھ)

''فی سبیل اللہ'' زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں ساتواں مصرف ہے، اس لفظ کے معنیٰ ومفہوم میں بڑی وسعت ہے، زکوٰۃ کے مصارف کے تعلق سے اس کے معنیٰ ومفہوم کی کوئی جامع ومانع تفسیر احادیث میں نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ اس کے مدلول کی تعین میں قدیم وجدید فقہاء کرام کے درمیان افراط وتفریط پر مبنی کافی اختلاف پائے جاتے ہیں، ایک طرف بعض فقہاء نے اس میں اس قدر ضیق پسندی سے کام لیا کہ اس کو فقیر ومحتاج مجاہدین تک محدود کردیا جس سے فی سبیل اللہ بجائے ایک مستقل مصرف ہونے کے فقراء مساکین کی ایک ذیلی قسم بن کر رہ گیا، دوسری طرف بعض توسیع پسند حضرات نے ہر کار خیر کو ''فی سبیل اللہ'' مان لیا، کچھ درمیانی قسم کے حضرات نے جہاد کی ہر قسم، مصالح عامہ کے ہر کام، اور تعلیم وتعلم کی ہر کوشش کو فی سبیل اللہ میں شامل کرلیا، جن کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

''فی سبیل اللہ'' قرآن مبین کی ایک اصطلاح ہے اور قرآن کا یہ بیان ہے کہ اس نے اس میں ہر چیز کی وضاحت کردی ہے۔

''سورۂ قیامہ'' میں ہے:

''فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ'' (سورۂ قیامہ:۱۹)۔

(سو جب ہم اسے پڑھ دیا کریں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں، پھر ہمارے ہی اوپر ہے اس کا بیان کردینا بھی)۔

Marfat.com

سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" (سورۂ نحل:۸۹)۔

(اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے)۔

سورۂ ہود کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" (سورۂ ہود:۱)۔

("الر" یہ ایک کتاب ہے، جس کی آیات محکم کردی گئی ہیں، پھر ایک حکیم وباخبر (خدا) کی طرف سے ان کو صاف صاف بیان بھی کردیا گیا ہے)۔

ان سے ملتی جلتی آیات اور بھی مختلف مقامات پر وارد ہیں اور اسی سے یہ تفسیری اصول نکلا کہ "القرآن یفسر بعضه بعضا" یعنی قرآن اپنے بعض مجمل حصوں کی بعض دوسرے حصوں سے تفسیر کردیتا ہے۔

اس بناء پر راقم کو خیال ہوا کہ کیوں نہ فی سبیل اللہ کی تفسیر وتعیین کے لئے قرآن ہی سے رجوع کیا جائے، کہ تاریخ اسلامی کے اکثر مراحل میں اور شدید اختلافات کے مواقع پر امت کو اسی کتاب ہدایت سے رہنمائی ملی ہے، رسول اللہ ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے بعد شدت جذبات کا عالم ہو، یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا مسئلہ، حضرت عمرؓ کے دور میں مہر کی حد بندی کا قصہ ہو، یا ارضِ عراق کی تقسیم کا معاملہ، فیصلہ کن ہدایت اسی کتاب سے ملی۔

چنانچہ راقم نے اپنی بے مائے گی کے احساس اور "فوق کل ذی علم علیم" کے حضور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی دعاء اور ہدایت کی توقع کے ساتھ لفظ "فی سبیل اللہ" کے معنی کی قرآن مجید سے تعیین وتحدید کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے لئے سب سے پہلے میں نے ان تمام مقامات کو نشان زد کیا جہاں یہ اصطلاح آئی ہے، پھر اس کے صلات ومتعلقات اور سیاق وسباق کی روشنی میں اس کے معنیٰ طے کئے ہیں، پھر جملہ مصارف زکوٰۃ کی نوعیت ومزاج پر غور کرنے کے بعد مصرف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے مدلول ومراد کو بیان کیا ہے، اس مطالعہ میں متعلقہ

Marfat.com

احادیث اور مفسرین کرام کے نتائج فکر کو بھی سامنے رکھا ہے:

''فإن اهتديت فمن الله و أرجوأن لی أجرين وإن أخطأت فمن نفسی ولاأزال أرجو أجراواحداً''۔

سبیل کے لغوی معنیٰ:

سبیل کے لغوی معنیٰ ہیں راستہ کے، عربی کی مشہور لغت ''لسان العرب'' میں ہے:

''السبيل الطريق وماوضع منهٔ ويذكرويؤنث وسبيل الله طريق الهدی الذی دعا إليه'' (لسان العرب ۱۳/ ۳۴۰)۔

''سبیل کے معنیٰ ہیں راستہ، یا نشان راہ، یہ مذکر و مؤنث دونوں مستعمل ہے، اللہ کے راستہ کا مطلب ہے وہ راہ ہدایت جس کی طرف اس نے بلایا ہے''۔

قرآن مجید میں سبیل اپنے لغوی معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے:

''سورۂ کہف'' میں ہے:

''وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا'' (سورۂ کہف: ۶۳)۔

(اور اس نے دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی)۔

''سورۂ زخرف'' میں ہے:

''الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلاً'' (سورۂ زخرف: ۱۰)۔

(جس نے زمین کو تمہارے لئے مثل فرش کے بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے)۔

سبیل کے مجازی و اصطلاحی معنیٰ:

لیکن قرآن مجید ''سبیل'' کو اکثر مجازی و اصطلاحی معنیٰ میں استعمال کرتا ہے اور جب یہ اللہ کی طرف اضافت کے ساتھ آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں نبیوں کے ذریعہ بتایا ہوا اللہ کا

Marfat.com

سچا راستہ، ایمان واسلام کی راہ، جو آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار کرے، سورۂ یوسف میں اللہ کی نشانیوں اور ایمان بالتوحید کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

"قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ" (سورۂ یوسف:۱۰۸)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں لوگوں کو (توحید) خدا کی طرف اس طور بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرساتھ والے بھی)۔

سبیل اللہ کے مواقع استعمال:

جس طرح ایمان کے مختلف شعبے اور درجات ہیں اسی طرح سبیل اللہ کے کام بھی مختلف الانواع ہیں، مگر ان سارے کاموں کے لئے ایمان اور اخلاصِ نیت شرط ہے کہ اس کے بغیر کوئی کام اللہ کے راستہ کا نہیں ہوسکتا، ریاکار شہید، عالم اور سخی سے متعلق مشہور حدیث ہے کہ ان کی اللہ کے حضور پیشی ہوگی، اور ان کی بظاہر قربانیوں اور محنت کو یہ کہہ کر رد کردیا جائے گا کہ وہ خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھیں (احیاء علوم الدین ۴۳۳/۷۷ للغزالی)۔

قرآن شریف میں ہے:

"أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ" (سورۂ توبہ:۱۹)۔

(کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے (عمل کے) برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کے ارکان میں جہاد کیا ہو، یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہوسکتے)۔

مذکورہ بالا شواہد سے معلوم ہوا کہ یہ کار خیر فی سبیل اللہ نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ لوجہ اللہ نہ ہو، اور نہ ہی ہر فی سبیل اللہ کا کام اہمیت واثر میں برابر ہوسکتا ہے:

Marfat.com

قرآن میں سبیل اللہ کے بالمقابل سبیل الطاغوت بھی ہے:

''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطَانِ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا'' (سورۂ نساء:۷۶)۔

(وہ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور وہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جنگ کرو، بلاشبہ شیطانی چال کمزور ہوتی ہے)۔

اس آیت میں طاغوت کی راہ سے مراد کفر و سرکشی کی وہ راہ مراد ہے جس کی طرف شیطانی قوتیں بلاتی ہیں اور جہنم کو لے جاتی ہے۔

قرآن شریف میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر ہے وہاں فی سبیل اللہ مطلق آیا ہے، باقی ہر جگہ کسی عمل سے متعلق ہو کر آیا ہے، مطلق فی سبیل اللہ کے معنیٰ و مراد کو متعین کرنے سے پہلے اس کے دوسری جگہوں پر استعمال پر نظر ڈال لینا مناسب رہے گا، قرآن مجید میں فی سبیل اللہ دو حروف جر ''فی'' اور ''عن'' کے ساتھ آیا ہے، فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) اور عن سبیل اللہ (اللہ کی راہ سے) قتل و قتال ہجرت و جہاد احصار و تفسیر، ضرب و اصابت اور انفاق جیسے اعمال کے ساتھ فی سبیل اللہ مجموعی طور پر پچاس سے زائد بار آیا ہے، اسی طرح عن سبیل اللہ ضلالہ و اضلال او صد کے ساتھ تیس سے زائد جگہوں پر آئے ہیں، پہلے ہم عن سبیل اللہ پر غور کرتے ہیں۔

عن سبیل اللہ سے مراد:

جیسا کہ اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا، عن سبیل اللہ ضلالہ و اضلال اور صد کے ساتھ آیا ہے، اس طرح ضل عن سبیل اللہ اور اضلال عن سبیل اللہ کے معنیٰ اللہ کی راہ سے بھٹک جانے یا گمراہ کرنے کے ہوئے، اور صد عن سبیل اللہ کے معنیٰ ہوئے اللہ کی راہ سے روکنا، ان آیات کا جائزہ لینے سے جہاں پر ضل و اضلال یا صد عن سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں (الغزالی احیاء علوم

Marfat.com

الدین ۴/۲۷۷)۔ واضح ہوتا ہے کہ ان تمام مواقع پر سبیل اللہ کے معنیٰ عام کار خیر ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہاں مراد اتباع حق، دعوت دین، توحید اور آیات اللہ ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اضلال اور صدعن سبیل اللہ والی کچھ آیات مکی بھی ہیں اور اہل مکہ کے لئے توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ہی سب سے زیادہ شاق تھا اور اسی سے وہ روکنا چاہتے تھے، رہا سبیل اللہ کے وہ عام معنیٰ جس میں ہر کار خیر شامل ہو، وہ ان آیات میں اس لئے مراد نہیں ہے کہ ایسے نیک کام جن میں عقائد و نظریات کا تصادم نہ ہو ان س روکنے کی فکر کم ہی کسی کو ہوگی، اعزہ و اقرباء کے حقوق پورے کرنا، غریبوں کی مدد کرنا، جود وسخا اور مظلوموں کی دادرسی جیسے کام فی سبیل اللہ کے وسیع معنیٰ میں شامل ہیں، مگر یہ ایسے کام ہیں جن کو عرب جاہل کیا ہر عقیدہ کا انسان بنظر تحسین دیکھتا ہے۔ سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہو یا جو کسی خودغرضانہ مقصد کی تکمیل چاہتے ہوں۔

''سورۂ محمد'' کے آغاز میں ہے:

''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ'' (سورۂ محمد:۱)۔

(جن لوگوں ں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، خدا نے ان کے اعمال کو کالعدم کر دیا)۔

یہاں آگے کی آیات کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ صدعن سبیل اللہ سے مراد اتباع حق سے روکنا ہے، پھر کافروں سے قتال کی بات کہی گئی ہے، اور آخر میں فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ أَعْمَالَهُمْ'' (سورۂ محمد:۵)۔

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدعن سبیل اللہ کو ختم کرنے کے لئے جو جنگ ہو وہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ سے مراد:

فی سبیل اللہ کا سب سے زیادہ استعمال قرآن شریف میں قتل وقتال کے ساتھ ہوا ہے، مجموعی طور پر سترہ مرتبہ (ملاحظہ ہو قرآنی آیات اور سورتیں: ۲:۱۵۴/۱۹۰/۲۴۴/۲۴۶؛ ۳:۱۳/۱۵۷/۱۶۷/۱۶۹؛ ۴:۷۴/۷۵/۷۶/۸۴؛ ۹:۱۱۱؛ ۴۷:۴/۲۰؛ ۶۱:۴) ظاہر ہے جان جیسی متاع عزیز کا قربان کرنا یا برباد کرنا کسی بڑے مقصد ہی کے لئے ہوسکتا ہے، اس سلسلہ کی آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل وقتال فی سبیل اللہ وہ خونریزیاں ہیں جو اتباع حق کی راہوں میں حائل رکاوٹوں کے دور کرنے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے:

"من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ"۔

(وہ شخص جو اس لئے لڑے کہ اللہ کے کلمہ کا بول بالا ہو وہ درحقیقت فی سبیل اللہ جنگ کر رہا ہے)۔

اسی طرح طاغوتی نظام کو ختم کرنے کے لئے جنگ، ایمان واسلام کے راستہ کی پیروی کی وجہ سے کسی پر چڑھائی کی جائے اس کا دفاع، عزت وآبرو اور جان ومال کو نشانہ بنایا جائے اس کے تحفظ کے لئے جنگ، اور ظلم وجور سے خلاصی کے لئے لڑائی بھی فی سبیل اللہ ہے، بشرطیکہ ان آزمائشوں کی وجہ کلمۂ حق کا اقرار اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا عزم ہو۔

((اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے) (سورۂ حج: ۳۹-۴۰)۔

(پس اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرے جو آخرت کی زندگی کے بدلے دنیوی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں، اور جو شخص بھی اللہ کی راہ میں لڑے گا، پھر

Marfat.com

خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے ہم اس کو اجر عظیم دیں گے اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مرد، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو دعاء کر رہے ہیں، اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں، اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی و مددگار کو بھیج دیجئے) (سورۂ نساء:۷۵)۔

ملک گیری کی ہوس، نام ونمود کے لئے، یا ایک نظام باطل کو ہٹا کر دوسرے باطل نظام کو نافذ کرنے کی خاطر جنگ کا فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قتل وقتال کے ساتھ فی سبیل اللہ کے بعد سب سے زیادہ یہ ہجرت و جہاد کے ساتھ آیا ہے، چار مقامات پر تنہا ہجرت کے ساتھ (۴/۸۹، ۱۰۰، ۲۲/۵۸، ۲۴/۲۲)، چار مقامات پر ہجرت و جہاد کے ساتھ (۲/۲۱۸، ۸/۷۲، ۷۴، ۹/۲۰) اور صرف جہاد کے ساتھ چھ مقامات پر (۴/۹۵، ۵/۵۴، ۹/۱۹، ۴۹/۱۵، ۶۱/۱۱)۔ اس کے علاوہ ایک جگہ جہاد فی سبیلی اور دو جگہوں پر جہاد فی سبیلہ بھی آیا ہے (۶۰/۱، ۵/۳۵، ۹/۲۴)، ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ ہجرت و جہاد کی غرض وغایت وہی ہے جو فی سبیل اللہ قتل وقتال کی ہے اور دونوں جگہوں پر فی سبیل اللہ کا معنیٰ ومراد ایک ہی ہے، البتہ قتال و جہاد میں خاص وعام کا تعلق ہے، جہاد کے لفظی معنیٰ ہیں، کسی کام میں انتھک کوشش صرف کرنا، اس طرح قتال، جہاد کا نقطۂ عروج ہے، ہر قتال فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، لیکن ہر جہاد فی سبیل اللہ کو قتال فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے، ایک طرح سے دونوں میں یوں بھی فرق کر سکتے ہیں کہ قتال فی سبیل اللہ بنفس نفیس ہوتا ہے جس میں مقاتل اپنی انتہائی قیمتی چیز جان کو داؤ پر لگا دیتا ہے، جب کہ جہاد جان کے علاوہ مال، زبان، قلم سبھی کے ذریعہ ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالاموال کا ذکر آیا ہے، گویا مجاہد بالنفس کے ساتھ مجاہد بالمال بھی ہوتا ہے، احادیث میں جہاد کی مختلف صورتوں کا خاص طور سے ذکر ہے، مثلاً آپ ﷺ سے دریافت کیا

Marfat.com

گیا کہ سب سے بڑا جہاد کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"کلمة حق عند سلطان جائر"۔

(ظالم صاحب اقتدار کے سامنے سچی بات کہنا)۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مشرکین سے جہاد کرو، اپنے مالوں اپنی جانوں اپنی زبانوں کے ذریعہ"۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ و جہاد کے لئے نکلنے اور کوچ کرنے کے لئے درج ذیل آیات میں حزب فی سبیل اللہ اور نفیر فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں:

(اے ایمان والو: جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو (ہر کام کو) تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، دینوی سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو تو مسلمان نہیں ہے) (سورۂ انشراح:۴)۔

(اے لوگوں جو ایمان لائے، تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو) (سورۂ توبہ:۳۸)۔

اس راہ میں بھوک پیاس اور مصائب و مشکلات پہنچنے کے لئے "أصابه في سبيل الله" اور "ظلمأ و نصب و مخمصه في سبيل الله" کہا گیا ہے:

(اور کتنے ہی نبیوں کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں، سو نہ ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں، اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ وہ دبے، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے) (سورۂ آل عمران:۱۴۶)۔

(اور ایسا اس لئے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگتی ہے اور جو ماندگی پہنچتی ہے اور جو بھوک لگتی ہے اور جو بھی اللہ کی راہ میں چلتے ہیں جو کفار کے لئے موجب غضب ہوتا ہے اور دشمنوں سے جو بھی پالیتے ہیں ان سب کے بدلے ایک ایک نیک عمل ان کے لئے لکھا جاتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) (سورۂ توبہ:۱۲۰)۔

Marfat.com

سفر سے معذور، دعوتی کاموں میں مصروف اور مجاہدین کے مصالح کی نگرانی کرنے والے بھی اسی گروہ میں شامل ہوں گے، ان کے لئے احصار فی سبیل اللہ کے الفاظ آئے ہیں، صدقات کا ان کو حقدار بناتے ہوئے ارشاد ہے:

((صدقات اصل میں) ان حاجتمندوں کے لئے ہیں جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے ہیں اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے، ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے، تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے) (سورۂ بقرہ: ۲۷۳)۔

قتال و جہاد کے ساتھ ہجرت بھی ایک انتہائی مرحلہ ہے، جو بعض حالات میں دعوت الی اللہ، اتباع حق اور ایمان و اسلام کی راہ میں پیش آ سکتا ہے، جب کہ قتال فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہیں مسدود ہوں، قتال کی طرح ہجرت بھی جہاد کا ایک رخ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ کئی جگہوں پر دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر ہے۔

قتل و قتال اور جہاد و ہجرت کے بعد سب سے زیادہ ذکر فی سبیل اللہ کا انفاق کے ساتھ آیا ہے جو اکثر جہاد بالمال کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی دعوت الی اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ و نصرت دین، اللہ کے لئے مال صرف کرنا، لیکن بعض جگہوں پر انفاق فی سبیل اللہ اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، یعنی جہاد کے ساتھ فقراء و مساکین، اعزہ و اقرباء اور دیگر کارہائے خیر میں صرف کرنا، مثلاً:

(وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو اس پر احسان جتلاتے ہیں اور نہ اس کو آزار پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا، اور نہ ان کو کوئی خطرہ ہو گا اور نہ وہ مغموم ہوں گے) (سورۂ بقرہ/ ۲۶۲)۔

اس آیت میں احسان جتانے اور ایذا پہنچانے کے ذکر سے یہ واضح ہے کہ یہاں عام طور پر فقراء و محتاجین مراد ہیں۔

Marfat.com

اس کے علاوہ سورۂ توبہ کی آیت (۳۴) جس میں سونے چاندی کے کنز (گن گن کر رکھنے) اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی وعید آئی ہے اس میں بھی فی سبیل اللہ سے مراد نیکی وبھلائی کے سبھی کام ہیں، بلکہ خاص طور پر وہ تمام مصارف شامل ہیں، جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، کیونکہ کنز کا علاج زکوٰۃ کی ادائے گی بتایا گیا ہے۔

فی سبیل اللہ آیت صدقات میں:

صدقات (زکوٰۃ) کے مصارف کے ذکر میں فی سبیل اللہ مطلق آیا ہے، اس کی تعیین قرآن میں اس کے دوسرے استعمالات سے ہوگی، اوپر ہم نے دیکھا کہ قتل وقتال اور ہجرت و جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ آتا ہے تو اس کے معنیٰ اعلاء کلمۃ اللہ، دعوت الی اللہ اور دین اسلام کی نصرت وحمایت کے ہوتے ہیں، صرف انفاق سے متعلق بعض آیات میں فی سبیل اللہ اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، یعنی نیکی کے سبھی کام، چونکہ زکوٰۃ کے انفاق فی سبیل اللہ کے معنیٰ کی تعیین کا مسئلہ ہے، اور جہاں اس کے مصارف کا ذکر ہے وہاں فی سبیل اللہ کو نیکی کے عام کاموں کو الگ کرکے ذکر کیا ہے، اس سے واضح ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ نیکی کے دیگر کاموں سے الگ کوئی خاص اور اہم کام ہے، قرآن کی بقیہ سبھی آیات جہاں فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے، اس خاص اور اہم مقصد کی تعیین کرتی ہیں، یعنی شرک کے مقابل ایمان واسلام کو قائم رکھنے، طاغوت کے بالمقابل اللہ کی طرف دعوت دینے، اور ناحق و باطل قوتوں کے خلاف حق وانصاف کی نصرت وحمایت، اور دین کے غلبہ کی خاطر فی سبیل اللہ کو جہاد سے متعلق کرنے پر اس مقصد کے لئے تمام طرح کی انتہائی کوششیں اس میں شامل ہونگی، فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ پر جمہور فقہاء مفسرین کا اتفاق ہے، یہ ضرور ہے کہ بعض نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جہاد صرف قتال فی سبیل اللہ، یعنی عسکری جہاد تک محدود ہوگیا، اور بعض نے جہاد کی ہر شکل کو زکوٰۃ کا مصرف مانا ہے، اوّل الذکر رائے متقدمین کی ہے، اور ثانی الذکر متاخرین علماء کی دونوں پر اپنے زمانہ کے حالات کا گہرا اثر معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

کیا فی سبیل اللہ کا ہر کام زکوٰۃ کا مصرف ہے؟

فی سبیل اللہ کے اندر جہاد کے بالاتفاق داخل ہونے کے بعد علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا اس کے مدلول میں جہاد کے علاوہ بھی کوئی چیز شامل ہے، بعض علماء نے اس میں اتنی وسعت اختیار کی کہ اس کے اندر نیکی کا ہر کام شامل کر دیا ہے (الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر ۱۶/ ۱۱۳)۔ اس رائے کی کمزوری واضح ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا قرآن فی سبیل اللہ کے بیشتر استعمالات اس کا ساتھ نہیں دیتے، اس صورت میں مصارف صدقات میں فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی جو مستحقین کا ذکر ہے، وہ بھی فی سبیل اللہ کے عمومی معنی میں داخل ہوں گے، اس لئے اگر فی سبیل اللہ کے عمومی معنیٰ لئے جائیں، تو بے سبب تکرار لازم آئے گی، جس سے کلام اللہ منزہ ہے، اس لئے یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

بعض علماء نے ایک حدیث کی بنیاد پر فی سبیل اللہ میں جہاد کے علاوہ حج کو بھی شامل کیا ہے: ''عن امّ معقل أن زوجها جعل بکر ا فی سبیل اللّٰہ و أنہا أرادت العمرۃ فسألت زوجہا البکرفأبی فأتت النبیؐ فذکرت لہٗ فأمرہٗ أن یعطیہا و قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: الحج والعمرۃ فی سبیل اللّٰہ''، (مندرجہ بالا احادیث اور ان سے ملتی جلتی احادیث کے لئے نیز ملاحظہ ہو: الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، المجلد ۴ ص/ ۱۹۱/ ۱۹۲، حوالہ مذکورۃ)۔ اور بعض نے ہر کار خیر کو تو نہیں، البتہ مصالح عامہ کے کاموں کو فی سبیل اللہ کے اندر داخل کیا ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی روشنی میں ان دو رایوں کا جائزہ لیا جائے، کیوں کہ قرآن ہی نے مصارف زکوٰۃ بیان کئے ہیں۔

کیا فی سبیل اللہ کے معنی میں حج زکوٰۃ کا مصرف ہے؟

حج اسلام کے ارکان میں پانچواں رکن ہے، اس کی فرضیت کے لئے بنیادی شرط ہے کہ آدمی اتنا مالدار ہو کہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے اور واپسی کے اخراجات برداشت کر سکے، قرآن شریف میں صاف طور پر یہ حکم آیا ہے:

Marfat.com

(اور اللہ کے واسطے لوگوں پر فرض ہے اس مکان کا حج کرنا یعنی اس شخص پر جو وہاں تک راستے کی طاقت رکھے) (سورۂ آل عمران: ۹۷)۔

اس آیت سے بغیر کسی شبہ کے یہ ثابت ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے حج کرنا کرانا قرآنی منشاء کے بالکل خلاف ہے، رہی وہ حدیث جس کی بنیاد پر بعض صحابہ اور کچھ ائمہ نے حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، تو اول اس حدیث کے راویوں کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس کے متن میں تعارض ہے کہ ایک حدیث کی رو سے یہ واقعہ ابو معقلؓ کی زندگی میں، اور دوسری حدیث کی رو سے ان کی وفات کے بعد پیش آیا، پھر یہ کہ حدیث سے قطعاً ظاہر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض صدقہ، یعنی زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ مصرف کی حیثیت سے حج کو فی سبیل اللہ کہا ہو، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو معقلؓ نے عام معنوں میں صدقہ فی سبیل اللہ اونٹ دینے کی نذر مانی تھی، جس کو ام معقل کے اس کہنے پر کہ مجھ پر حج لازم ہے، کیا ابو معقلؓ کے اونٹ کو فی سبیل اللہ استعمال کر سکتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا: کہ حج فی سبیل اللہ ہے، حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ امّ معقلؓ کو صرف اونٹ کی منفعت یعنی سواری کی اجازت دی گئی یا ان کو اونٹ کا مالک بنا دیا گیا، بعض ائمہ کی رایوں میں منفعت کی حد تک دینے میں حرج نہیں ہے، بہت قرین قیاس یہ ہے کہ وہ حج بھی غالباً فرض حج نہیں تھا، ورنہ ضرور ان کے پاس بیت اللہ کے راستے کی پوری استطاعت ہوتی، شاید وہ حج نذر ماننے کی وجہ سے تھا، اس صورت میں ان کا استحقاق حج کی وجہ سے نہیں بلکہ فقر کی وجہ سے تھا، بس ان کو یہ اندیشہ رہا ہوگا کہ ایک چیز جو فی سبیل اللہ نذر مانی گئی تھی (ظاہر ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ کے معنی عام خیر کے کام رہا ہوگا) اس کو حج کے لئے استعمال کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس تردد کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا کہ حج بھی (عام معنوں میں) فی سبیل اللہ ہے، اس لئے نذر کے اونٹ کو نذر کے حج میں استعمال کرنا صحیح ہوگا۔

کچھ ائمہ نے اس حدیث کا منشاء یہ لیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم منقطع الحاج پر خرچ کی جا سکتی ہے (الکاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع مجلد ۲ ص ۹۰۷۔ القاہرہ مطبعۃ الامام)۔

Marfat.com

مگر منقطع الحجاج جو اپنے توشہ وافراد راہ سے بچھڑ گیا ہو اس کی مدد بر بنائے ابن السبیل ہوگی نہ کہ بر بنائے حج۔

مصارف زکوٰۃ پر عمومی نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ بہت سے علماء نے لکھا ہے (ابن قدامہ، المغنی مع الشرح الکبیر، ج ۲ ر ص ۷۰۱، مصر مطبعۃ المنار، ۱۳۴۵ھ۔ ابن القیم۔ زاد المعاد المجلد ۱ ر ص ۱۴۸، القاہرۃ المطبعۃ المصریۃ بدون تاریخ) کہ زکوٰۃ کا مستحق یا تو اپنی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے فقیر، مسکین، رقاب، ابن السبیل یا اس وجہ سے کہ عامۃ المسلمین کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عامل زکوٰۃ، غارم لاصلاح ذات البین، مؤلفۃ القلوب، اور فی سبیل اللہ غیر فرض حج نہ تو محتاج کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اس کے حج کی ملت کو کوئی احتیاج ہوتی ہے، مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں حج کو فی سبیل اللہ زکوٰۃ کا مصرف ماننا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

مصالح عامہ کے کاموں پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا:

بہت سے علماء خصوصاً متاخرین نے فی سبیل اللہ کے تحت مصالح عامہ کے کاموں کو زکوٰۃ کا مصرف مانا ہے (القرضاوی، یوسف، فقہ الزکاۃ مجلد ۲ ر ص ۶۴۶، ۶۵۰، بدون مقام المؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۴ء)۔ راقم کے خیال میں یہ رائے نہ تو بالاتفاق صحیح ہے اور نہ ہی بالکل یہ غلط، اصل میں مصالح عامہ کے کاموں کی ذمہ داری عام طور پر حکومت کی ہوتی ہے، کیونکہ ایسے کاموں کی لاگت بہت ہوتی ہے، جب کہ ان کے منافع عام ہوتے ہیں، اکثر ایسے کاموں سے ایک فرد کے انتفاع سے دوسرے کا انتفاع کم نہیں ہوتا، چنانچہ ان کی انفرادی رسد ممکن نہیں ہوتی، مصالح عامہ کے کاموں کی مثال ہے: ماحولیات کی آلودگی سے تحفظ، صحت وصفائی کے انتظامات، ریڈیو اور ٹی وی کے نشریات، امن وامان کا قیام، ملک کا دفاع، مدارس اور درسگاہیں وغیرہ، اگر بالاطلاق مصالح عامہ کے کاموں کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ دوسرے مصارف کے لئے زکوٰۃ بچے گی نہیں، بلکہ خود مصالح عامہ کے کاموں کے لئے ناکافی ہوگی، اس لئے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ

Marfat.com

مصارف عامہ کے کون سے کام ہیں، جن کا فی سبیل اللہ (دعوت حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور نصرت دین) سے براہِ راست تعلق ہے، اور کون سے کام ایسے نہیں ہیں۔ جن کاموں کا براہ راست تعلق ہو وہ جہاد کی تیاریوں اور متعلقہ کاموں کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف ہو سکتے ہیں، اور جن کا براہ راست تعلق نہ ہو وہ فی سبیل اللہ کی قرآنی تعریف میں نہیں آئیں گے، مثلاً ماحول کی مادی آلودگی مصالح عامہ کا کام ہے، جس کا عام حالات میں جہاد فی سبیل اللہ سے تعلق نہیں ہے، لیکن ماحول کی روحانی آلودگی (بایں معنی کہ معاشرہ میں شرپسند اور طاغوتی قوتیں زور پکڑ رہی ہوں اور دین واخلاق کا جنازہ نکل رہا ہو) فی سبیل اللہ سے براہ راست متصادم ہے اور اس کا علاج زکوٰۃ کا مصرف ہوگا، حالات کے لحاظ سے بھی اس میں فرق واقع ہوگا، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مصلحہ عامہ کا کوئی کام ایک خاص وقت میں فی سبیل اللہ کے تحت آئے اور دوسرے وقت ایسا نہ ہو، نائبین رسول ﷺ اور اولی الامر کو اس کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

مصارف کی ترتیب وترجیح:

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف درج ہیں ان کی ترتیب پر راقم نے غور کیا تو یہ وجہ سمجھ میں آئی کہ یہاں مستحقین کا ذکر "الأهم فالأهم" کے اصول پر ہوا ہے، یہ صحیح ہے عام حالات میں ہر شخص کے لئے ہر مستحق پر زکوٰۃ خرچ کرنا لازم نہیں، اسی طرح ان کو دینے میں مساوات نہ کرنا یا خارج سے کچھ عوارض کی وجہ سے بعد والوں کو ترجیح دینا جائز ہے (گو اس میں بعض کے بارے میں کچھ ائمہ کے یہاں اختلاف بھی ہے) لیکن جب کوئی ہنگامی حالات نہ ہوں، اس وقت مثلاً فقراء مساکین کو محروم کر کے تالیف قلب میں خرچ کرنا، یا ان کو بھوکا چھوڑ کر قرض چکانے لگنا، قرآنی ترجیح کے خلاف معلوم ہوتا ہے، مجھے اپنی اس فہم کی تائید میں متقدمین میں سے امام رازیؒ کے یہاں (الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، ملجد ۱۶، ص ۱۰۸، حوالہ مذکورہ) اور متاخرین میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے یہاں ملتی جلتی رائے دیکھ کر خوشی ہوئی، خصوصاً مولانا آزادؒ نے جس وضاحت سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس کی افادیت کے پیش نظر ان کے طویل اقتباس کو

Marfat.com

یہاں دینے میں حرج نہیں محسوس ہوتا، فرماتے ہیں:

''یہ آٹھوں مصارف جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب بھی یہی ہے، سب سے پہلے ان گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے مقدم ہیں، کیوں کہ زکوٰۃ کا مقصود انہیں کی اعانت ہے، یعنی فقراء، مساکین پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے ان کا تقدم ظاہر ہے، لیکن چونکہ ان کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لئے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی، پس دوسری جگہ پائی ''العاملین علیھا'' پھر ''المؤلفة قلوبھم'' کا درجہ ہوا کہ دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لئے ضروری تھا، پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبک دوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتہً مؤقت اور محدود تھے، پھر فی سبیل اللہ کا مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں، یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو، یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع اور حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں، سب کے آخر میں ابن سبیل کی جگہ ہوئی، کیوں کہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا''۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ بعض مفسرین نے اس کے بالکل برعکس رائے اپنائی ہے، زکوٰۃ کے چار مصارف فقراء مساکین، عاملین اور مؤلفۂ قلوب کا ذکر حرف جر لام (لِ۔ لئے) کے ذریعہ آیا ہے۔

''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ'' (سورۂ توبہ:۶۰)۔

اور باقی چار، رقاب، غارمین، سبیل اللہ اور ابن السبیل کا فی (میں) کے ذریعہ۔

'' وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ '' (سورۂ توبہ:۶۰)۔

Marfat.com

لام استحقاق اور تملیک کے لئے آتا ہے اور ''فی'' میں ظرفیت کے معنیٰ ہوتے ہیں، چنانچہ اس فرق کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے چار کے لئے زکوٰۃ یوں خرچ کی جاتی ہے کہ وہ اس کے لئے مالک بن کر اس میں تصرف کرتے ہیں اور باقی چار پر زکوٰۃ یوں خرچ ہوتی ہے وہ اس کے مالک نہیں بنتے، بلکہ ان کو اس کی منفعت ملتی ہے، لیکن متقدمین میں صاحب کشاف اور متاخرین میں صاحب تفسیر مظہری نے اس کی ایسی توجیہ کی ہے جس سے بعد والوں کو اول الذکر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور وہ زیادہ مستحق ٹھہرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ''فی'' استحقاق اور اولیت کو ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے اس کے مطابق فقر ایک سبب ہے، اس کے ساتھ مکاتبت غرم، سبیل اللہ یا ابن سبیل ہونا پایا جائے تو وہ زیادہ مستحق ٹھہرتے ہیں، مگر یہ رائے کچھ زیادہ صائب نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ استحقاق میں اولیت وترجیح کی اور وجہیں بھی ہوسکتیں ہیں، مثلاً قرابت داری یتیمی، کثیر العیالی وغیرہ، پھر چند ہی کے ذکر کی کیا وجہ ہے، اس لئے ترتیب وترجیح سے متعلق **''الأهم ثم الأهم''** والی رائے زیادہ قوی ہے۔

کیا فی سبیل اللہ کے لئے فقر ضروری ہے:

حنفیہ نے فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کے مستحق کے لئے فقر کی شرط لگائی ہے جس پر اعتراض عائد کیا گیا ہے کہ فقر میں مبتلا شخص تو زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہی ہے اور وہ شروع ہی میں آ گیا خواہ وہ کسی وصف سے متصف نہ ہو، پھر فی سبیل اللہ کے ذکر سے کیا فائدہ ہوا، یہ تو تکرار لاطائل ہوئی، بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن کے کسی عام حکم کو خاص کرنا نسخ ہے، اور احناف کے اصول پر قرآن کے کسی حکم کے نسخ کے لئے قرآن سے کوئی دلیل یا سنت متواترہ ہونی چاہئے (القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن المجلد ۸/ص ۱۸۶، بیروت دار الفکر، ۱۹۸۷ء)۔ **بظاہر یہ اعتراضات** بڑے قوی معلوم ہوتے ہیں، مگر ذرا غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بعض دوسرے مصارف کے سلسلہ میں یہ اعتراض خود معترضین پر بھی وارد ہوتا ہے، بلکہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ احناف کی رائے

Marfat.com

بڑی مناسب معلوم ہوتی ہے، یعنی غازی کا فقر نہیں بلکہ غازیوں کے منتظم کا فقر یا عدم کفایت، دوسرے لفظوں میں حکومت کا بیت المال اتنا ناکافی ہو کہ حکومت جہاد سمیت اپنی ساری ذمہ داریوں کو اس سے پورا کرنے سے قاصر ہو، کیونکہ زکوٰۃ اصلاً فقر کے علاج کے لئے ہے:

''تؤخذ من أغنيائهم و ترد الیٰ فقرائهم''۔

جو بھی اس کے مستحقین ہیں، وہ فقر کی ایک خاص نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں، غارمین اور ابن السبیل بھی مطلق آئے ہیں، لیکن کسی کے نزدیک ہر غارم اور ابن السبیل کو ہرگز زکوٰۃ کا مستحق نہیں سمجھا گیا ہے، بلکہ فقر کی ایک خاص حالت رکھنے والے غارم اور ابن السبیل، یعنی وہ غارم جس کا قرض اس کے نصاب کو ختم کر دے اور ایسا ابن سبیل جو چاہے گھر پر مالدار ہو لیکن وقتی طور پر سفر میں فقر کا شکار ہو گیا ہو، اگر غارم اور ابن السبیل کا ذکر نہ ہوتا تو اغلب تھا کہ غارم کی مستعار مالداری اور ابن السبیل کی درخانہ تو انگری کی وجہ سے انہیں زکوٰۃ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح ایک فقیر تو وہ ہے جس کا فقر کھلا ہوا ہے اور ہر جگہ مانگتا پھرتا ہے اس کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھنے میں کسی کو دشواری نہیں ہوتی، لیکن اگر مسکین کا ذکر نہ ہوتا تو شاید ایسے باضمیر جو اپنے فقر کو چھپائے رکھتے ہیں اور جنہیں ان کی خودداری کی وجہ سے ناواقف شخص مالدار سمجھتا ہے:

''يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ لَايَسْئَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۳)۔

انہیں زکوٰۃ کا مستحق نہ سمجھا جاتا، اسی طرح ان فقراء و مساکین کے لئے کام کرنے والے مالدار عامل کو بھی زکوٰۃ کا مستحق نہ سمجھا جاتا، اگر ان کا الگ سے ذکر نہ ہوتا، حالانکہ اصلاً وہ انہیں فقراء کی وجہ سے لیتا ہے اور جس کو دنیا ایک طرح سے ان فقراء ہی کو دینا ہے، کہ اس کے بغیر فقر کے اس علاج کا بخوبی انتظام نہ ہو پاتا، اسی طرح ''مَوْلیٰ الْمَرْءِ مِنْهُ'' (کسی شخص کا غلام اسی کا ایک فرد شمار ہوگا) کے اصول پر شاید فقیر مکاتب کو بھی دینے سے پرہیز ہوتا، تا آنکہ وہ عبدیت سے پہلے چھٹکارا نہ پالے، اس وجہ سے اس کا بھی الگ ذکر ہوا، رہے مؤلفۃ القلوب اور مجاہد فی سبیل اللہ کے فقر کا مسئلہ تو ان کو زکوٰۃ میں سے دینا دراصل اسلامی حکومت کے فقر اور اس

Marfat.com

کے مالیات کی عدم کفایت کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اصلاً تالیف قلب بھی جہاد ہی کی ایک حکمت عملی ہے، اور تالیف قلب و جہاد فی سبیل اللہ کا فیصلہ و تیاری اولی الامر یا اسلامی حکومت کے اختیار تمیزی اور حاکمانہ ذمہ داری کا معاملہ ہے، جہاں حکومت نہ ہو وہاں علماء اور مسلمانوں کے اولی الامر کے مشورے سے اس کا فیصلہ ہوگا، اس طرح احناف کی شرط فقر برقرار رہے گی، لیکن تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ، اس صورت میں شرط اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں باقی رہے گا، جس میں کہا گیا ہے کہ مالدار غازی فی سبیل اللہ بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

کچھ وضاحتیں:

۱۔ آیت صدقات میں ''اِنَّمَا'' حصر کے لئے آیا ہے اور یہ حصر حقیقی ہے، زکوٰۃ صرف آٹھ طرح کے مصارف کے لئے ہے، اس کے باوجود قیاس و تعلیل کے ذریعہ بہت سے دینی و ملی مصالح و حوائج کو ان مصارف کے تحت داخل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ بیت المال خالی یا ناکافی ہو، اور زکوٰۃ کی رقم فاضل ہو، مگر یہ صورت حال کم ہی ممکن ہے، کیونکہ مصالح عامہ کے کام بنیادی طور سے اموال مصالحہ کے ذریعہ کئے جائیں گے اور ''إن في المال حق سوى الزكاة'' کے تحت حسب ضرورت بیت المال کو بڑھایا جاسکتا ہے، البتہ اگر اسلام میں کوئی اور ٹیکس لگانے کو ممنوع قرار دیا جائے، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو اس شکل میں نہ صرف یہ کہ اس حصر کو اضافی ماننا پڑے گا، جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ہے، بلکہ شرح زکوٰۃ کی ناکافی کا سوال بھی اٹھ سکتا ہے، جیسا کہ بعض متجددین نے کیا ہے۔

۲۔ فقہائے کرام اور مفسرین متقدمین نے فی سبیل اللہ سے جو غازی فی سبیل اللہ مراد لیا ہے، وہ میرے خیال میں اس عہد کی عمومی حالت کی وجہ سے ہے کہ ان دنوں عام طور پر طاقت کے ذریعہ اتباعِ حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوتِ دین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے اکثر جنگوں کی نوبت آتی ہے، جن میں غازی کا کردار سب سے اہم ہوتا تھا، اور جس کو

5/15

Marfat.com

سلاح اور کراع (اسلحے اور گھوڑے) مہیا کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے جو غازی فی سبیل اللہ فرمایا تو وہ فی سبیل اللہ کی تشریح نہیں بلکہ فی سبیل اللہ کے تحت آنے والے ایک اہم مستحق کا ذکر فرمایا، قرآن مجید میں کہیں فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کا لفظ نہیں آیا، صرف ایک جگہ کفار کے اپنے بھائی بندوں کے لئے یہ لفظ آیا ہے، جو سفر یا جنگ کی حالت میں مارے جائیں:

(اے ایمان والوں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں کی نسبت جب وہ کسی سفر میں ہوتے ہیں یا جنگ کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے) (سورۂ آل عمران:۱۵۶)۔

البتہ غازی کے ہم معنی لفظ مقاتل فی سبیل اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ کے الفاظ بار بار آئے ہیں، جہاں فی سبیل اللہ کے معنی جیسا کہ ہم نے اوپر اپنے جائزہ میں دیکھا، اتباع حق، دعوت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کی بے شمار شکلیں اور مراحل ہیں، قتال یا غزوہ فی سبیل اللہ اس کی انتہائی شکل ہے اگر فی سبیل اللہ سے مراد قدیم معنوں میں صرف غازی فی سبیل اللہ مراد لیا جائے تو مؤلفۃ القلوب اور الرقاب کی طرح فی سبیل اللہ کا مصرف بھی اس عہد میں عملاً خارج ہی نظر آئے گا۔

۳- قرون اولیٰ میں اس وقت کے حالات کے اعتبار سے اگر فی سبیل اللہ کی ایک یا دو تفسیر ہی ملتی ہیں تو اس سے لازم نہیں کہ موجودہ عہد میں بھی ان ہی تشریحات تک محدود رہا جائے، اس عہد کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کے تقاضے بدل سکتے ہیں، چونکہ اس کی براہ راست منصوص تعریف و تحدید نہیں آئی ہے، اس لئے اس کی تشریح و تفسیر میں کوئی تیسرا یا چوتھا قول بھی اپنایا جا سکتا ہے، تا آنکہ اس کا غلط ہونا کسی اتنی ہی قوی دلیل سے ثابت نہ کر دیا جائے۔

۴- الف- زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق وہ تمام کوششیں ہوں گی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت دین کے لئے ہوں، دشمنانِ دین طاغوت کی راہ میں جو بھی حربے استعمال کر رہے ہوں

Marfat.com

اسی کے مطابق ان کی توڑ کے لئے فی سبیل اللہ حربوں کا استعمال کرنا اور اس کے لئے قوت کا جمع کرنا ضروری ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”أَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ“ (سورۂ انفال: ٦٠)۔

(اور ان (کافروں) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو کہ اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو مرعوب کرو، اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے)۔

اس آیت میں قوت کا لفظ عام ہے، رباط الخیل اس عہد کے لحاظ سے تھا، اس عہد میں بھی گرچہ اس کی کچھ افادیت ہے، مگر اب اس کی زیادہ حیثیت ساز وسامان جنگ کی علامت (symbol) کی ہے، موجودہ عہد میں قوت اور اس کی تیاری کی کیا کیا شکلیں ہیں وہ محتاج بیان نہیں، اسلحے کی قوت، معاشی قوت، رسل ورسائل کی قوت، تعلیمی وثقافتی قوت، غرض یہ کہ ہر قوت ضرورت پڑنے پر فی سبیل اللہ کا مصرف ہوگی، اگر دشمن یہ قوتیں استعمال کر رہا ہے تو اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی اجتماعی قیادت پر فرض ہوگا کہ وہ ان کو حاصل کرے۔

ب- جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، فی سبیل اللہ کے مستحقین کا فقیر ہونا شرط نہیں البتہ چونکہ بنیادی طور سے فی سبیل اللہ کا انتظام اسلامی حکومت کا کام ہے، اس لئے اس کے تحت زکوٰۃ کے خرچ کے سلسلہ میں حکومت کا فقر یا اس کی عدم کفایت شرط ہے، اگر حکومت اسلامی نہیں ہے تو اس شکل میں علماء یا مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کی رائے پر اس مصرف پر خرچ کرنا طے ہوگا، جیسا کہ اس وقت ہمارے حالات ہیں، اگر اسلامی حکومت قدرتی وسائل یا دوسرے ذرائع آمدنی سے اتنی مالدار ہو کہ اس کا بجٹ فاضل رہتا ہو تو فی سبیل اللہ کے کام پر زکوٰۃ کے بجائے خزانہ عامرہ سے صرف کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس کے فقر کی شرط مفقود ہے، زکوٰۃ کی رقم کو فقراء ومساکین اور دوسرے انفرادی مستحقین پر خرچ کرکے نادار و مالدار کے فرق کو مٹانے کی کوشش ہونی چاہیے، عہد نبوی ﷺ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تالیف قلب اور جہاد فی سبیل اللہ پر بڑا خرچ زکوٰۃ کے بجائے بیت المال کی دوسری آمدنیوں سے ہوتا تھا، اگر اس وقت دولت کی وہ ریل پیل

Marfat.com

ہوتی جو اس عہد میں اس خطہ کی ہے تو شاید تالیف قلب اور فی سبیل اللہ جیسے سارے اخراجات اموال المصالح میں سے پورے ہوتے، زکوٰۃ کی رقم تو بس ''تؤخذمن أغنیانهم و ترد الیٰ فقراهم'' تک محدود ہوتی، غالباً یہی وجہ ہے کہ بعد کے عہد میں جب کہ حکومت کی مالیات، اموالِ فئی وخراج وغیرہ سے کافی اچھی ہوگئی تو زکوٰۃ کے ذریعہ مجاہدین کے انتظام کی شاید ہی کوئی مثال ملتی ہو اور تالیف قلب کا تو خاتمہ ہی کر دیا گیا تھا۔

۵- زکوٰۃ کے مصارف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا صاف ارشاد ہے:

''إن اللّٰه لم یرض بحكم نبی ولاغیرهٗ فی الصدقات حتی حكم هو فیها فجزأ ها ثمانة أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطیتک حقک'' (المغنی لابن قدامہ ۵۲۶/۲)۔

(صدقہ (زکوٰۃ) کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی وغیرہ کے فیصلہ پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس کا اس نے خود فیصلہ کیا ہے اور اسے آٹھ خانوں میں تقسیم کیا ہے اب اگر تم ان میں سے ہوگے تو میں تمہیں تمہارا حق دوں گا)۔

پس اب اس میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوسکتا جو ان آٹھ قسموں سے الگ کوئی چیز ہو، البتہ یہ مصارف قیاس شرعی کا اس معنی میں محل ہوں گے کہ ان کی تعلیل کر کے اشتراک علت کی وجہ سے ان کے تحت کی اور مصرف شامل کیا جائے، زکوٰۃ سے رسول اللہ ﷺ نے جو عاقلہ کی رقم ادا کی تھی ''عن بشیر بن یسار زعم أن رجلا یقال لهٗ سهل بن أبی حتمة أخبرهٗ النبی ﷺ رواهٗ مأة من إبل الصّدقة یعنی دیة الأنصاری الذی قتل بخیر'' (ابوداؤد المجلد ۱/ص ۲۳۱، حوالہ مذکورہ)۔ اس کو بعض علماء نے فی سبیل اللہ کے تحت مصالح عامہ کا کام قرار دیا ہے، میری ناچیز فہم کے مطابق یہ تالیف قلب کی نوعیت سے تھا، اگرچہ عاقلہ ادا کرنا زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، لیکن تالیف قلب کی علت کی بناء پر ایسا کیا گیا، راقم کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد عسکری نہیں ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے کی صورت میں اس پر قیاس کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دوسری طرح کے جہاد بھی زکوٰۃ کا مصرف ہوں گے۔

Marfat.com

۶۔ تعلیمی ادارے، اکیڈمیاں اور دوسرے ادارے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ضروری ہوں اور جو فی سبیل الطاغوت کام کرنے والے اسکولوں، اکیڈمیوں اور اداروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہوں ان کا قیام، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، ایسی حکومت اپنی مالیات کی کمی کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ کی رقم فی سبیل اللہ کے تحت خرچ کر سکتی ہے، ہندوستان میں چونکہ ایسی حکومت کا وجود ہی نہیں، اس لئے علماء اور تنظیموں کے متدین اصحاب رائے کے مشورہ سے ان پر خرچ کرنا صحیح ہوگا، بشرطہ کہ یہ ادارے واقعۃً فی سبیل اللہ کام کر رہے ہوں، دنیا داری کے لئے نہ ہوں، ان سے انفرادی افادیت، تجارت، شہرت و اقتدار اور باہم مقابلہ آرائی مقصود نہ ہو، اس کے لئے اجتماعی نظام زکوٰۃ کی ضرورت ہے، اس کی غیر موجودگی میں زکوٰۃ دہندگان کی ذمہ داری ہوگی کہ مصارف کے مقاصد کی صحت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یہ دیکھ لیں کہ اس مدرسہ یا ادارہ کا خرچ ملت برداشت کر سکتی ہے یا نہیں، جس طرح جہاد کا اعلان کسی فرد کا کام نہیں ہے بلکہ حکومت یا اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے ہوگا، اسی طرح کوئی ادارہ فی سبیل اللہ لاعلاء کلمۃ اللہ کام کر رہا ہے یا اس کے قیام کی ضرورت ہے علماء اور مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کے مشورہ سے طے ہونا چاہیے، تاکہ انفرادی غلطی سے اس اجتماعی کام کو نقصان نہ پہنچے اور زکوٰۃ کا غلط استعمال نہ ہو۔

۷۔ قرآن مجید میں فی سبیل اللہ کے استعمالات اور ان کے سیاق وسباق کا جائزہ لینے، نیز مفسرین کرام کے نتائج فکر سے آگاہی کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی سبیل اللہ میں صرف وہ کام شامل ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین کے لئے ہوں، غیر مستطیع کو اس سے حج کرانا اس کا مصرف نہیں، البتہ حکومت کا بیت المال ناکافی ہو تو زکوٰۃ کے ذریعہ حج کے انتظامات کرنا اور اس کے لئے عمومی سہولتیں فراہم کرنا صحیح ہوگا۔

فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کے مصرف میں مصالح عامہ کے وہ تمام کام شامل ہوں گے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ضروری ہوں، رہے وہ مصالح عامہ کے کام جو براہ راست اعلاء کلمۃ اللہ

Marfat.com

سے متعلق نہ ہوں یا جن کا نفع فقراء و مساکین تک محدود نہ ہو، بلکہ خود زکوٰۃ دہندہ کو بھی پہنچتا ہو۔ ان پر زکوٰۃ خرچ کرنا صحیح نہیں ہوگا، مصالح عامہ کے ایسے کام اموال المصالح سے پورے کئے جائیں گے اور اس کے لئے مالیات کی فراہمی کی تدابیر کرنا حکومت کی اپنی ذمہ داری ہے، جہاں حکومت نہ ہو وہاں مسلمان کی اجتماعی قیادت، اصحاب خیر کو ان مقاصد کے لئے عطایا دینے پر آمادہ کرے۔

فی سبیل اللہ کے کاموں کی تعیین میں زمان و مکان کا خیال بھی ضروری ہے، اگر ایک زمانہ میں جہاد کے لئے ''رباط الخیل'' ضروری تھا، تو آج ''صناعۃ الصواریخ والدبابات'' ضروری ہے، اگر کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں شدھی کی تحریک چل رہی ہو وہاں تبلیغی مشن بھیجنا فی سبیل اللہ کا کام ہوگا، لیکن جہاں یہ خطرہ نہ ہو کہ طاغوتی قوتوں کا ریڈیائی نشریئے کے ذریعے اسلام کے خلاف پروپگنڈا ہو یا طاغوتی نظام کی تبلیغ واشاعت ہوتی ہو، وہاں ریڈیائی نشریئے کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب: تفسیر ''تدبر قرآن'' میں فرماتے ہیں ''فی سبیل اللہ'' ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوت دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں، وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگی، کسی کو کم، لیکن جس کام سے بھی اس کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے'' (تدبر قرآن - امین احسن اصلاحی ۲/ ۵۹۳، فاران فاؤنڈیشن لاہور)۔ مشہور مفسرین ابن جریر طبریؒ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر میں فرمایا ہے:

''يعنى وفى النفقة فى نصرة دين الله وطريقة شريعة التى شرعها لعباده بقتال أعدائه وذالک هو غزو الكفار'' (تفسیر طبری ۱۴/ ۳۱۷ طبع دار المعارف، مصر)۔

(فی سبیل اللہ کا مطلب ہے اللہ کے دین کی مدد اور اس کی اس شریعت کی راہ میں خرچ کرنا جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے تجویز کیا ہے اس کے دشمنوں سے جنگ کر کے، یعنی کافروں سے جنگ)۔

اس تفسیر کا پہلا جزء ''فی سبیل اللہ'' زکوٰۃ کے مصرف کا اصل معیار ہے، آگے کا ذکر قید

Marfat.com

اِتفاقی معلوم ہوتا ہے، عصر حاضر کے بیشتر فقہاء و مفسرین نے جو شریعت کے نبض شناس اور تقاضائے عصر سے آشنا ہیں، فی سبیل اللہ کا مصداق امام طبریؒ کی تفسیر کے جزء ہی کو سمجھا ہے (دیکھئے: تفسیر منار رشید رضا مصری ۱۰/۴۳۶، ۷/۴۳۳، الاسلام وعقیدہ وشریعہ/ ۱۲۴، طبع دار الشروق، قاہرہ، فی ظلال القرآن ۳/۱۶۷۰، مذکورہ طبع، فقہ الزکوۃ ۲/۶۵۸-۶۶۲-۶۶۶-۶۶۹، تفہیم القرآن ۲/۲۰۸)۔ غزوِ کفار جس کی انتہائی شکل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کی تشریح اور اس کے مفہوم کی توضیح

مولانا محمد سعید امینی☆

اللہ تعالی نے مصارف صدقات کو جو آٹھ قسموں پر مشتمل ہیں، قرآن کریم میں حصر کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بعد میں ''فریضة من الله'' فرما کر اسے مزید مؤکد بنادیا ہے، ان میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔

سبیل اللہ کے لغوی معنی تو اللہ کے راستے کے ہیں اور اس کے معنی اور مفہوم میں ہر وہ کار خیر داخل ہے جس سے مقصود رضائے الہی ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ایک اصطلاحی کلمہ بھی ہے کہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، اس کے لئے نہ کسی قرینے کی ضرورت ہے اور نہ کسی وضاحت کی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک غازی اگرچہ مال دار ہو اسے زکوۃ دینا جائز ہے، علماء حنفیہ کے نزدیک غازی کو اس وقت دینا جائز ہے جب وہ ضرورت مند ہو ورنہ نہیں۔

صاحب ''بدائع'' علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''وقال الشافعي يجوز دفع الزكاة إلى الغازي وإن كان غنيا، وأما عندنا فلا يجوز إلا عند اعتبار حدوث الحاجة'' (جلد دوم/۴۶)۔

علمائے شافعیہ کا مستدل یہ حدیث ہے:

''أن النبي ﷺ قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغاز في سبيل

☆ گوڑگاؤں، ہریانہ۔

Marfat.com

الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهدى المسكين للغني - رواه مالك مرسلا من زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار ورفعه معمر عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ" (تفسیر قرطبی ۹/۱۸۵)۔

حدیث: "لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة" کے ذیل میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"واستحقاق غازی غنی زکوۃ" زکوۃ را مذہب شافعی است (اشعۃ اللمعات ۲/۲۸)۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"وفي سبيل الله أريد بذلك عند أبي يوسف منقطعوا الغزاة و عند محمد منقطعوا الحجيج، وقيل: المراد به طلبة العلم" (روح المعانی ۱۰/۱۲۳)۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور علماء کے نزدیک **فی سبیل اللہ** سے مراد اصل میں غازی ومجاہد ہیں، لیکن اگر اس کے معنی میں وسعت دے دی **جائے تو پھر اس** میں حجاج اور طلبۃ العلم اور ہر وہ شخص داخل ہو جائے گا جو طاعۃ اللہ اور سبل الخیرات **میں جدوجہد** کرے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہو۔

علامہ علاء الدین الکاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وأما قوله تعالى: وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا، وقال أبو يوسف: المراد منه فقراء الغزاة؛ لأن سبيل الله إذا أطلق في عرف الشرع يراد به ذلك" (بدائع ۲/۴۶)۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک تو زکوۃ غازی فقیر ہی کو دی جائے گی، **لیکن اگر غور سے دیکھا جائے امام شافعیؒ** کے نزدیک بھی غنی غازی سے وہ مراد ہے جس کے پاس **ضرورت سے زائد دوسو**

Marfat.com

درہم کے بہ قدر مال ہو، لیکن اگر وہ غزوہ میں جائے تو سامان سفر اور آلات جہاد کا وہ محتاج ہوگا اور ان کی فراہمی میں اس کا سرمایہ ختم ہو جائے گا، ایسی صورت میں اسے زکوۃ لینا حلال ہوگا (دیکھئے: تفسیر قرطبی ۸/۱۸۷، احکام القرآن ۴/۳۲۹)۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے یہ پہلے آ چکا ہے کہ فی سبیل اللہ سے منقطع الغزاۃ مراد ہیں:

"قال الشافعي وأبو يوسف وجمهور العلماء: المراد به منقطع الغزاة" (تفسیر مظہری ۴/۲۳۹)۔

اور حنفیہ کا مسلک بھی اس میں یہی ہے کہ عام حالات میں تو غازی فقیر ہی کو مال زکوۃ جائز ہوگا، لیکن شریعت کی اصطلاح میں بغیر کسی دوسرے قرینے کے فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہی ہوتا ہے، اس لئے زکوۃ کا مال ایسے غازی کو بھی دے دیا جائے گا جو اگر جہاد میں نہ جائے تو وہ ایسا غنی ہے جسے مال زکوۃ حلال نہیں ہے اور اگر جائے تو اس کا فاضل سرمایہ اسباب جہاد کی فراہمی میں صرف ہو جائے گا، لہذا جہاد کی اہمیت اور افضلیت اور اس کے معنی مطابقی کی رعایت میں مذکورہ بالا نوعیت کے غنی کو بھی مال زکوۃ لینا حلال ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: احکام القرآن ۴/۳۲۹)۔

اور امام محمدؒ نے جو فی سبیل اللہ میں حاجی کو شامل کیا ہے وہ بھی اس صورت میں ہے جب اس کا زاد سفر تلف ہو جائے (حوالہ سابق)۔

اس پر قیاس کرتے ہوئے معتمر کے لئے بھی یہ قید لگائی جا سکتی ہے کہ وہ جب منقطع الزاد ہو جائے تو اسے بھی صدقہ لینا حلال ہوگا۔

ایک مغالطے کا ازالہ:

بعض حضرات کو علامہ علاء الدین الکاسانی کے اس قول سے:

"وأما قوله تعالى: "وفي سبيل الله" عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات" (بدائع الصنائع ۲/۴۶)۔

Marfat.com

یہ مغالطہ ہو گیا کہ علامہ کاسانی نے سبیل اللہ کو جملہ امور خیر میں عام کر دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ آگے موصوف نے "إذا كان محتاجا" کی قید بھی لگائی ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر میں جو یہ توسع نظر آرہا ہے وہ سبیل اللہ میں توسع بالکل نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود محتاجوں کا تنوع بیان کرنا ہے، یعنی محتاج خواہ کسی بھی نیکی یا عبادت میں مصروف ہو وہ مستحق زکوۃ ہے۔

"قال في النهر: الخلاف لفظي للاتفاق على أن كل الأصناف سوى العامل يعطون بشرط الفقر" (عمدۃ الرعایۃ ۱/۲۹۶)۔

اسی طرح علامہ ابن القاسم فرمایا کرتے تھے کہ مال دار غازی کے لئے صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہے جسے وہ جہاد میں صرف کرے اور فی سبیل اللہ خرچ کرے، یہ تو صرف فقیر کے لئے جائز ہے، بلکہ اگر مالدار غازی کو کوئی ضرورت پیش آجائے اور اسوقت اس کے پاس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مال نہ ہو تو وہ قرض لے لے اور اپنے شہر پہنچ کر اپنے مال سے اس کی ادائیگی کرے (تفسیر قرطبی ۸/۱۸۷)۔

قرآن کریم میں مصارف زکوۃ آٹھ بیان فرمائے ہیں، جن میں سے "مؤلفة القلوب" کو نکال کر باقی سات قسمیں ہیں، ان میں سے صرف عاملین ایسے ہیں جنہیں خواہ وہ غنی ہوں زکوۃ کے مال سے بہ طور اجرت لینا جائز ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے مصرف زکوۃ ہونے میں بھی فقر کا دخل ہے، عاملین حقیقت میں فقراء کے نمائندے یا ان کے اجیر ہیں، جنہوں نے فقراء کے کام کی خاطر اپنے تمام مشاغل اور ذرائع آمدنی کو پس پشت ڈال رکھا ہے جو کام فقراء کا تھا، یعنی مال زکوۃ کا لینا اسے یہ عاملین کر رہے ہیں، لہذا ان کی اجرت زکوۃ کے مال میں سے دی جائے گی جو کہ فقراء کا حق ہے، اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ اگر عامل ایک دن وصولی زکوۃ کا کام کرے تو اسے ایک دن کا صرفہ دیا جائے گا، اور اگر سال بھر کرتا رہے تو اسے سال بھر کا صرفہ دیا جائے گا، اور وہ بھی حنفیہ کے نزدیک بہ قدر کفایت دیا جائے گا، اگر چہ امام شافعیؒ کے نزدیک عامل اور اس اعوان کو کل صدقات کا آٹھواں حصہ دیا جائے گا، خواہ اس کی محنت اور عمل تھوڑا ہو یا

Marfat.com

زیادہ، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس کے عمل کو بھی دیکھا جائے گا، اور اس کی اس کے اعوان کی ضرورت کو بھی دیکھا جائے گا، اسی حساب سے ان کو دیا جائے گا (تفسیر مظہری ۴؍۲۳۴، روح المعانی ۱۰؍۱۲۱)۔

یعنی عاملین کی اجرت کی دو حیثیتیں ہیں، ایک اعتبار سے یہ اجرت کے مشابہ ہے، لہذا مال دار بھی مال زکوۃ میں سے لے سکتا ہے اور اسی لئے اگر صاحب مال اپنی زکوۃ براہ راست امام کو دے دے تو عامل کو اجرت میں اس میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے گا اور ایک اعتبار سے یہ صدقہ کے مشابہ ہے، اسی لئے ہاشمی کے لئے حلال نہیں ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ فرماتے ہیں:

''یعنی عاملین کو زکوۃ کے مال سے جو کچھ دیا جائے گا وہ بہ طور اجرت دیا جائے گا، اگر چہ وہ مالدار ہوں۔ اس لئے کہ زکوۃ نفس الامر میں فقراء کو دی جارہی ہے اور گویا عاملین فقراء کے اجیر کی حیثیت سے فقراء کے مال میں سے اپنی محنت کی اجرت لے رہے ہیں'' (تفسیر مظہری ۴؍۲۳۹)۔

ان تمام معروضات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان تمام سات قسموں کے مصارف زکوۃ ہونے کی اصل علت فقر ہی ہے۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

''وجميع من يأخذ الصدقة من هذه الأصناف فإنما يأخذ صدقة بالفقر'' (احکام القرآن ۴؍۳۳۰)۔

علماء حنفیہ کا مستدل یہ احادیث ہیں:

''عن عبيد الله بن عدى بن الخيار أن رجلين أتيا رسول الله ﷺ في حجة الوداع يسأ، لأنه من الصدقة فرفع لهما بصره وخفضه فرأهما رجلين جلدين فقال: إن شئتما اعنتكما ولا حظ فيها لغني ولا لقوى مكتسب – رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح'' (مجمع الزوائد ۳؍۹۵)۔

Marfat.com

"عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي - رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح" (مجمع الزوائد ۳/۹۵)۔

"قال النبي ﷺ: أمرت أن آخذ الصدقة من أغنياء كم وأردها في فقراء كم" (احکام القرآن ۴/۳۳۰)۔

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ صدقہ فقراء کی طرف منتقل کیا جائے گا، اور کوئی شخص بھی علت فقر کے علاوہ خواہ وہ علت وقتی اور عارضی ہو صدقہ کے مال کا حق دار نہیں ہے، اور یہ جو مصارف صدقات کی اقسام قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں اصل میں وہ فقر کے اسباب کا بیان ہیں۔

فقیہ کبیر حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"فتح القدیر میں شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجت مندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر و مسکین میں تو یہ ظاہر ہے۔ رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن سبیل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بنا پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بہ طور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں، جیسے غارمین کے مصرف ہونے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس شخص کے ذمے دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بہ قدر پانچ ہزار کی زکوۃ دی جا سکتی ہے، کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے" (معارف القرآن ۴/۴۰۷)۔

تنبیہ:

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم

Marfat.com

ﷺ کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ کو دیکھ کر زکوۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا ہے جو کسی بھی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوۃ قرار دے دیا ہے جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم ﷺ سے پڑھا ہے اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان سب میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارف زکوۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے ادارے اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے برخلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ بالا تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکوۃ کے مسئلے میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان معاذ اللہ بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلے میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو

Marfat.com

سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرمادئے، تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف لوگوں کے عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ وتابعین کی تصریحات سے ثابت ہے (معارف القرآن ۴/۴۰۶ تا ۴۰۹)۔

خلاصہ معروضات:

۱- سورۂ توبہ کی آیت (۶۰) ''انما الصدقات للفقراء'' میں جیسا کہ عہد صحابہؓ سے لے کر دور حاضر تک جمہور مفسرین، فقہاء اور علماء راسخین حصر حقیقی قرار دیتے ہیں، راقم الحروف بھی اسی کا مؤید ہے، کیونکہ قرآن کریم یا فرمودہ نبی ﷺ سے ثابت شدہ کوئی بھی حکم اگرچہ اس کا شان نزول اور وجہ فرمان خاص ہو، لیکن یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس کا حکم عام ہوتا ہے، اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں حصر اضافی ہے، جس کا مقصد صرف منافقین کے مطالبے کو رد کرنا ہے جو سیاق آیت کا مقتضی ہے، مسلمہ اصول سے اس کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ عبارۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص میں ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے اور اقتضاء النص کا درجہ تو چوتھے نمبر پر ہے اور اگر جزوی مصالح کی رعایت کا سلسلہ خدانخواستہ شروع ہوگیا تو پھر شاید ہی کوئی حکم رد وقدح کی تلوار سے محفوظ رہ سکے۔

۲- کتاب وسنت میں جب ''فی سبیل اللہ'' مطلق طور پر استعمال ہو تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے، راقم الحروف بھی جمہور مفسرین وفقہاء امت کے اسی دعوی سے متفق ہے۔

۳- بہتر یہی ہے کہ مصارف منصوصہ کی تفسیر وتشریح میں سلف کی روش اور ان کی قائم کردہ حدود سے بغیر کسی شرعی دلیل کے تجاوز نہ کیا جائے ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

۴- **الف:** زکوۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ سے اصالتاً غازی اور مجاہدین ہی مراد ہیں، لیکن

Marfat.com

تبعاً منقطع الزاد محتاج اور جملہ امور خیر میں مشغول ایسے افراد بھی شامل کئے جا سکتے ہیں جو ناداری کا شکار ہوں۔

ب۔ فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ و مجاہدین اور دوسرے امور خیر میں مشغول لوگ اس شرط کے ساتھ مستحق زکوۃ ہیں کہ وہ نادار اور فقیر ہوں اور جو لوگ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہوں گے ان کے مستحق زکوۃ ہونے کی بنیادی شرط فقر واحتیاج کی ہے اس کے بغیر وہ مستحق زکوۃ نہیں ہوں گے۔

۵۔ مصارف زکوۃ وہی متعین ہیں جو منصوص ہیں اور قلمی، فکری، ثقافتی جہاد کرنے والے حضرات کو بھی مال زکوۃ دیا جا سکتا ہے، بہ شرطیکہ وہ فقیر ہوں، لیکن ایسے مجاہدین کو زکوۃ اس لئے حلال نہیں ہوگی کہ وہ مجاہدین، بلکہ صرف اس لئے وہ مستحق زکوۃ قرار پائیں گے کہ وہ فقیر وحاجت مند ہوں۔ اور اصولا اس کی گنجائش بالکل نہیں ہے کہ ان مصارف پر قیاس کرتے ہوئے کچھ اور قسموں کو بھی مصارف زکوۃ میں شامل کیا جائے۔

۶۔ دور حاضر کی ترقیات اور نئے نئے مسائل کی پیداوار کی بہتات کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں میں صدقات نافلہ اور غیر زکوۃ کی مدوں میں کثرت سے نہ دینے کے رواج کے باوجود اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور بعض متاخر یا معاصر علماء کی تعیم توسیع والے قول کو اختیار کیا جائے، بلکہ اس کے برعکس موجودہ دور کی پیداوار بعض نئے نئے مسائل اور دوسرے دینی کاموں کی ضروریات اور مصارف کو پورا کرنے کے لئے علماء وخطباء اور مقررین کی یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نفلی خیرات کی بھی مزید ترغیب دیتے رہیں، اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور صرف زکوۃ کے مال ہی کو دینی امور کے مصارف میں صرف کیا جانے لگا تو ایک طرح سے اصل مستحقین زکوۃ کی حق تلفی کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اختیاری طور پر عملاً یہ مسلمانوں کو نفلی خیرات سے غافل کرنا متصور ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ پر تفصیلی گفتگو

مفتی محمد زید مظاہری☆

فی سبیل اللہ کا مصداق:

سبیل اللہ کا ایک تو لغوی مفہوم ہے اور ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے، قرآن پاک میں دونوں ہی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، لغت میں ''سبیل'' بمعنی طریق راستہ کے ہیں۔ سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ، یعنی ہر وہ راستہ جو اللہ کی رضا اور ثواب و جنت کی طرف لے جانے والا ہو (فقہ الزکوۃ ر ۶۵۳)، خواہ وہ قول ہو یا عمل، مال ہو یا جان، انفاق ہو یا ایثار، قبول ہو یا اعطاء، الغرض لغوی اعتبار سے ہر امر خیر سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ سبیل اللہ کا ایک تو یہ لغوی مفہوم ہے۔

سبیل اللہ کا دوسرا مفہوم اصطلاحی ہے، اس کا مصداق صرف غزوہ و جہاد ہے، صحابہ کرامؓ کی عام اصطلاح میں سبیل اللہ سے مراد غزوہ و جہاد ہی ہوا کرتا تھا اور احادیث نبویہ میں بھی بہ کثرت اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''وصحت أحاديث كثيرة عن الرسول وأصحابه تدل على أن المعنى المتبادر الكلمة سبيل الله هو الجهاد'' (فقہ الزکوۃ: ۶۵۶)۔

اور کلام مجید میں لغوی و اصطلاحی دونوں ہی معنیٰ میں اس کا استعمال ہوا ہے، لیکن احکام کے لحاظ سے دونوں کے استعمال میں بہت فرق ہے، مثلاً لغوی مفہوم میں جہاں اس کا استعمال ہوگا

☆ استاذ جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ۔

Marfat.com

وہاں شرائط وقیود ملحوظ نہ ہوں گے جو اصطلاحی مفہوم کے حکم میں ضروری ہوں گے، مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کی آیت: "للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله" میں سبیل اللہ کی تفسیر فقراء مہاجرین، اصحاب صفہ وطلبہ علم سے منقول ہے (روح المعانی ۳/۴۶، تفسیر مظہری ۳/۳۱۲۔ بیان القرآن ۱/۱۶۴۔ اصلاح انقلاب ۱۹۲)۔ اور مثلاً آیت: "مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله" میں انفاق فی سبیل اللہ سے مراد ہر نوع کا انفاق مراد ہے، اور ان دونوں آیتوں میں فی سبیل اللہ اپنے لغوی مفہوم میں مستعمل ہے، جس میں نہ تو تملیک کی شرط ہے نہ فقر کی۔

اس کے برخلاف سبیل اللہ، جب اپنے خاص اصطلاحی معنیٰ میں (مثلاً آیت مصارف زکوٰۃ) شرعی معنیٰ ہی مراد ہیں، یہی مسلک جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا، بلکہ ابن العربیؒ نے "احکام القرآن" میں یہاں تک نقل فرمایا ہے کہ سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ بہت کچھ ہوسکتا ہے، لیکن میرے علم میں اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف غزوہ وجہاد ہے (عن مالك قال سبيل الله كثيرة ولكني لا أعلم خلافاً في أن المراد بسبيل الله ههنا الغزو (أحكام القرآن ۲/۹۵۷))۔

تفسیر قرطبی وابن کثیر میں متعدد صحابہ وتابعین سے سبیل اللہ کی تفسیر غزوہ منقول ہے، نیز قرطبی میں حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں حجاج کو بھی نقل فرمایا ہے (ابن کثیر ۲/۳۶۶۔ معارف القرآن ۴/۴۰۸)۔

جمہور فقہاء وائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف غزوہ وجہاد ہے۔

بعض ائمہ وفقہا کے یہاں حجاج بھی داخل ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۲۲۱-۲۲۶) علامہ شوکانیؒ نے بھی "فتح القدیر" میں اس کا مصداق صرف غزوہ ومجاہدین کو قرار دیا ہے (۲/۳۷۱)۔

الغرض سلفاً وخلفاً صحابہ وتابعین ائمہ مجتہدین اور قدیم زمانہ سے اب تک فقہاء ومفسرین کا یہی مسلک رہا ہے کہ آیت میں سبیل اللہ سے مراد غزوہ وجہاد ہے (فقہ الزکوٰۃ ۲/۳۵۶) شیخ

Marfat.com

یوسف قرضاوی نے اس موضوع پر مفصل کلام فرمایا ہے اور کافی قرائن و دلائل سے اسی بات کو ثابت اور راجح قرار دیا ہے کہ آیت میں سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد ہے، اور فرمایا کہ میں بھی اسی کو ترجیح دیتا ہوں (حوالہ مذکور ر ۳۵۷)۔ حضرت مفتی شفیعؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنیٰ بہت عام ہیں۔ جو کام کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں (لیکن اس آیت میں) صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ سے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے، امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو'' (معارف القرآن ۴؍۴۰۸)۔

تفاسیر صحابہؓ سے عدول کرنا جائز نہیں:

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی تفسیر میں جو مقام صحابہ و تابعین کا ہے بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ صحابہ نے حضور ﷺ صاحب وحی سے بلا واسطہ کتاب اللہ کو پڑھا اور سمجھا اور جو کچھ بیان کیا، وہی بیان کیا جس کو حضور اقدس ﷺ سے سنا اور سمجھا۔ اسی وجہ سے صحابہ کی تفسیر کو حدیث مرفوع کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔

امام حاکمؒ مستدرک اور ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

بے شک صحابہ کی تفسیر جنہوں نے وحی کے زمانہ نزول کا مشاہدہ کیا ان کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، گویا کہ صحابی نے اس کو حضور ﷺ سے نقل کیا (تدریب الراوی ر ۶۴ معرفۃ علوم الحدیث ر ۳۰، التفسیر والمفسرون ۱ ر ۹۴)۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باب تفسیر میں صحابہ کے اقوال بعد والوں کے اقوال سے

Marfat.com

زیادہ درست ہیں، اور بے شک بعض اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ صحابہ کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، ابوعبد اللہ حاکم نے مستدرک میں اسی کو ذکر فرمایا ہے (اعلام الموقعین ۴/ ۱۵۴)۔

امام زرکشیؒ ''البرہان'' میں اور علامہ سیوطیؒ ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں:

''بے شک قرآن کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس کی تفسیر نقل سے وارد ہوئی ہے اور ایک قسم وہ جس کی تفسیر منقول نہیں، اول: یعنی جس کی تفسیر منقول ہے یا تو حضور سے منقول ہوگی یا صحابہ سے یا اجلہ تابعین، اول: یعنی جو حضور سے منقول ہے اس میں صحت سند سے بحث کی جائے گی اور دوسرے، یعنی صحابہ کی تفسیر، اگر انہوں نے بحیثیت لغت تفسیر فرمائی ہے تو کوئی شک وشبہ نہیں اس پر اعتماد کرنے میں'' (الاتقان للسیوطی ۲/ ۱۸۳)۔

حافظ ابن کثیر مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں:

اور جس وقت ہم تفسیر میں کتاب وسنت سے کچھ نہ پائیں گے تو صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ وہ اس کو زیادہ جاننے والے تھے۔

اس وجہ سے محققین کی بڑی جماعت نے فرمایا ہے کہ صحابہ اپنی رائے سے بھی اگر تفسیر کریں تو ان کی رائے زیادہ درست ہوگی، کیونکہ وہ کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اہل لسان تھے (إن فسرو برأيهم فرأيهم أصوب، لأنهم أدرى الناس بكتاب الله إذهم أهل اللسان" (التفسیر والمفسرون ۲/ ۹۶)۔ امام ابن سیرینؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ وعثمانؓ نے اس کو مکروہ سمجھا، اگر وہ علم (یعنی شرعی دلیل پر) مبنی تھا تو وہ مجھ سے اعلم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے افضل ہے، یہی وجہ ہے کہ اصولیین نے تصریح فرمادی ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اور وہ اختلاف دو قول پر منحصر ہو تو بعد والوں کے لئے ان دو قول کے علاوہ کسی تیسرے قول کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں، چنانچہ ''مسلم الثبوت'' اور اس کی شرح ''فواتح الرحموت'' میں صراحت ہے:

Marfat.com

''جب کسی مسئلہ میں اختلاف کیا جائے اور اہل عصر نے مسئلہ میں دوقول سے تجاوز نہ کیا ہو، اکثر حضرات کے نزدیک اب تیسرے قول کا احداث جائز نہیں اور بعض احناف نے اس حکم کو صحابہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب صحابہ کسی مسئلہ میں دوقول پر مختلف ہوں تو اب ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا قول اختیار کرنا درست نہیں'' (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۲/۲۳۵)۔

اور یہ امر متعین ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں سبیل اللہ کی تفسیر میں صرف دو ہی قول ملتے ہیں: مجاہدین یا حجاج، اس لئے اب سبیل اللہ کے مصداق میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ ائمہ اربعہ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور احناف کے یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزوہ وجہاد ہو اور بعض کے نزدیک حج بھی ہے، اس کے علاوہ کوئی تیسرا قول ائمہ اربعہ سے منقول نہیں، لہٰذا تیسرا قول جو بھی اختیار کیا جائے گا وہ ائمہ اربعہ کے مسلک سے بھی خارج ہوگا جس کی ممانعت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمائی ہے (دیکھئے: عقد الجید/۳۱)۔

حصر حقیقی واضافی کی بحث:

مصارف زکوٰۃ کی مشہور آیت ''**إنما الصدقات للفقراء الآية**'' میں آٹھ مصارف کا ذکر ہے، جن کو لفظ ''انما'' کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آیا آٹھ مصارف کا ذکر حصر حقیقی پر محمول ہے یا حصر اضافی پر؟ یہ مسئلہ زیر بحث ہے، حصر اضافی کہنے کی صورت میں بعض دیگر مصارف شامل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔ چنانچہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' **وعلیٰ هذا فالحصر فی قوله تعالیٰ ''إنما الصدقات'' إضافی بالنسبة إلیٰ ماطلبه المنافقون**'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۵)۔

حاصل بحث یہ کہ لغوی حیثیت سے لفظ ''إنما'' حصر کے واسطے استعمال ہوتا ہے اور حصر کے اندر اصل حصر حقیقی ہی ہے اور آیت میں صرف حصر حقیقی ہی معنی مراد ہیں، جیسا کہ ابن تیمیہؒ،

Marfat.com

امام قرطبیؒ، ابن قدامہؒ، علامہ شوکانیؒ وغیرہ محققین کی تصریحات سے واضح ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء مفسرین نے مصارف ثمانیہ کے علاوہ دوسرے مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی اور یہی مسلک جمہور صحابہ وائمہ اربعہ کا ہے۔

"إتفق جماهير فقهاء المذاهب علی أنه لايجوز صرف الزكوٰة إلی غير من ذكر الله تعالی" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۸۷۵، الانصاف ۳/ ۲۱۸، نیل المآرب ۱/ ۲۶۳، المغنی ۲/ ۶۶۷، روح البیان ۳/ ۴۵۳)۔

جملہ تصریحات کا حاصل یہی ہے کہ زکوٰۃ کو صرف مصارف ثمانیہ ہی میں صرف کیا جائے گا ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر صرف کرنا جائز نہیں، وجہ اس کی یہی ہے کہ مراد یہاں پر حصر حقیقی ہے، ورنہ حصر اضافی میں تو مصارف ثمانیہ کے علاوہ بھی صرف کرنے کی گنجائش رہتی ہے، جیسا کہ شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۵)۔

اصول کا مقتضیٰ:

اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو لفظ "اِنما" سے قطع نظر خود اس آیت ہی سے حصر حقیقی مستفاد ہوتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی حکم کو کسی وصف کے ساتھ دائر کرنا خود اس کی علت کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شئی کی علت اس کے حصر کا تقاضا کرتی ہے، چنانچہ ساتویں صدی کے مشہور مفسر ابوحیان الاندلسی تفسیر "البحر المحیط" (۵/ ۵۷) میں اس آیت کے تحت حصر حقیقی کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لفظ "اِنما" گر حصر کے لئے موضوع ہے تب تو اس لفظ ہی سے حصر مستفاد ہوتا ہے اور اگر اِنما حصر کے لئے موضوع نہیں ہے تو حصر اوصاف سے مستفاد ہے، کیونکہ کسی حکم کو کسی وصف کے ساتھ متعلق کرنا علت کا تقاضا کرتا ہے اور شئی کی علت اس پر اقتصار یعنی حصر کا تقاضا کرتی ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: روح المعانی ۱۰/ ۱۲۰، بدائع الصنائع ۳/ ۴۳)۔

Marfat.com

الغرض مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ لفظ اِنما سے قطع نظر خود آیت اور اصول کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ آیت میں حصر حقیقی مراد ہے نہ کہ حصر اضافی۔

احادیث کا مقتضیٰ:

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی کی مشہور حدیث شریف ہے جس کو ''ابوداوٗد'' نے نقل فرمایا ہے اور ابن کثیرؒ وقرطبیؒ نے بھی اس کو اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت ذکر فرمایا ہے:

''وہ فرماتے ہیں: کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے بیعت کی پھر طویل حدیث کو ذکر فرمایا، کہ اتنے میں ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے صدقہ (زکوٰۃ) عنایت کیجئے، حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی نبی غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے متعلق فیصلہ فرما کر اس کے آٹھ مصارف متعین فرمادیئے، پس اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں'' (مشکوۃ)۔

الغرض لغت اور اصل ونقل اور عقل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آیت میں حصر حقیقی مراد ہے نہ کہ حصر اضافی (تفصیل کے لئے دیکھئے: ابن کثیر ۲/ ۳۶۴، قرطبی ۸/ ۱۶۸، معارف القرآن ۴/ ۳۹۳، ۴۰۹، فقہ الزکوۃ ۲/ ۶۵۶، البتہ امام بخاری کا کچھ رجحان اس قسم کا معلوم ہوتا ہے، نیز بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بھی توسع کے قائل تھے، واللہ اعلم، شرح السنۃ للبغوی ۶/ ۹۶)۔

مصارفِ زکوٰۃ قیاسِ شرعی کا محل ہیں یا نہیں؟

مصارفِ زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل اس معنی کر یقیناً نہیں کہ قیاس کے ذریعہ مصارف ثمانیہ کے علاوہ مستقلاً کسی نوع کا اضافہ کر دیا جائے، البتہ مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل اس معنی کر ہیں کہ کتاب اللہ میں جو مصارف بیان کئے گئے ہیں وہ بمنزلہ جنس کے ہیں، جس کا استحقاق ان کو کسی خاص وصف کی بناء پر ہوا ہے، اور وہی وصف ان کے استحقاق کی علت ہے، لہٰذا جو شخص بھی اس علت سے متصف ہوگا اس جنس کے تحت داخل ہو کر وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہوگا، چنانچہ علامہ

Marfat.com

شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں تحریر فرمایا ہے:

''صدقات کی تعریف جنس کے لئے ہے، یعنی ان صفات کی جنس ان اصناف مذکورہ پر منحصر ہے'' (فتح القدیر ۲/۳۷۱)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''یعنی اللہ کے مال (زکوۃ) کو ان لوگوں پر تقسیم کیا جائے گا جو ان صفات سے متصف ہوں'' (روح المعانی ۱۰/۱۲۰)۔

(اور مصارف زکوۃ جن اوصاف سے متصف ہوں گے وہ وصف ہی بمنزلہ علت کے ہے)۔

ابوحیان اندلسی تفسیر ''البحر المحیط'' میں فرماتے ہیں:

''إذمناط الحکم بالوصف یقتضی التعلیل'' (۵/۵۷)۔

(یعنی حکم کو کسی وصف سے منوط کرنا اس کی علت کا تقاضا کرتا ہے)۔

مصارفِ زکوۃ کی علت:

اب دیکھنا چاہئے کہ مستحقین زکوۃ میں استحقاق زکوۃ کی علت کیا ہے؟

مجموعی طور پر فقہاء کرام نے مصرف زکوۃ کی جو علت تحریر فرمائی ہے، وہ فقر اور حاجت ہے۔

(واضح رہے کہ اس موقع پر فقہاء کرام نے فقر و حاجت کو ترادف کے ساتھ بغیر کسی فرق کے بیان فرمایا ہے) بعض حضرات نے حاجت کے علاوہ منفعتِ عامہ کو بھی اس کی علت ٹھہرایا ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۲، فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۹۰)۔

حنفیہ کے نزدیک مصرف زکوۃ کی علت:

فقہاء احناف نے مصارف زکوۃ کی جو علت تحریر فرمائی ہے وہ صرف فقر و حاجت ہے

Marfat.com

سوائے عاملین کے کیونکہ عاملین کے استحقاق کی علت فقر نہیں بلکہ عمل ہے، بقیہ جملہ مصارف میں استحقاق کی علت فقر و حاجت ہے، اور یہ فقر و حاجت عام ہے، خواہ اس کی ذاتی حاجت کی وجہ سے ہو یا مسلمانوں کے مصالح عامہ کی وجہ سے ہو، اگر فقر کی علت موجود ہے تو شخص بھی اس علت سے متصف ہوگا وہ مستحق زکوٰۃ ہوگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ علامہ کاسانی ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''آیت میں مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے اور اگرچہ ان کے اسماء وانواع مختلف ہیں، لیکن سب کے استحقاق کا سبب (علت) ایک ہی ہے اور وہ حاجت ہے، سوائے عمال کے کیونکہ غناء کے باوجود وہ مستحق ہوتے ہیں کیونکہ ان کے استحقاق کی علت عمل ہے'' (بدائع الصنائع ۲/۴۳، فتح القدیر ۲/۲۰۹)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوا کہ مصارف زکوٰۃ کی علت فقر و حاجت ہے، لہٰذا جس شخص میں بھی یہ علت پائی جائے گی دوسرے شرائط کی رعایت کے ساتھ وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہوگا، گو بہ ظاہر، ان مصارف ثمانیہ میں شامل نہ ہو، جن کا تذکرہ کتاب اللہ میں ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جو اس علت سے خالی ہو وہ مستحق زکوٰۃ نہ ہوگا، گو بہ ظاہر مصارف ثمانیہ کے تحت داخل ہوتا ہو، کیونکہ بجز عاملین کے اصل مصرف تو زکوٰۃ کا صرف فقراء ہی ہیں اور اصناف مذکورہ کو اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ فقیر ہوں، کیونکہ کتاب اللہ میں اصناف سبعہ کا تذکرہ ہے وہ سب فقراء کے انواع واقسام ہیں۔

فقر کی شرط ہر مصرف میں ضروری اور لازم ہے:

کتاب وسنت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرف زکوٰۃ کے لئے فقر کی شرط ہر حال میں ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور کسی بھی حال میں کسی شخص کے لئے اس کا استثناء درست نہیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

Marfat.com

۱- امام ابوبکر حصاص رازیؒ نے ''سورہ توبہ'' میں ہر مصرف کے لئے فقر کی شرط ضروری ہونے کی دلیل میں سورہ بقرہ کی آیت ذکر فرمائی، جس کا ترجمہ ہے:

(یعنی اگر تم ظاہر کر کے صدقات کو دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور فقیروں کو دو تو یہ اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے) (سورۂ بقرہ: ۲۷۱)۔

الغرض کتاب وسنت کے اطلاق وتعمیم اور تقسیم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ صدقات کو اغنیاء سے لے کر فقراء ہی پر صرف کیا جائے گا اور اصلاً فقراء ہی اس کا مصرف ہیں اس لئے ہر مصرف کے واسطے فقر کی شرط ضروری اور لازم ہے۔

اور وہ حدیث یہ ہے۔ ''لاتحل الصدقة لغني'' (رواہ ابوداؤد والترمذی)۔

اور ایک حدیث میں ہیں۔ ''لاحظ فيها لغني'' (رواہ ابوداؤد والنسائی)۔

ان احادیث میں مطلقاً غنی کے لئے مال صدقہ کی عدم حلت کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز کتاب وسنت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ غنی کے لئے کسی حال میں صدقہ حلال نہ ہو، جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

الغرض کتاب اللہ اور متعدد احادیث صحیحہ سے غنی کے لئے مطلقاً مال صدقہ کی حرمت اور صدقہ کے مال کی حلت کے لئے فقر کی شرط ضروری معلوم ہوتی ہے، اس کے برخلاف ایک حدیث سے غنی مجاہد کے لئے صدقہ لینے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور وہ حدیث مضطرب ومرجوح ہے۔ اس درجہ کی نہیں جس درجہ کی وہ احادیث ہیں جن سے حرمت ہوتی ہے اور اگر ہوں بھی چونکہ یہ روایت مبیح ہے اور دوسری احادیث صحیحہ مانع ہیں، لہٰذا ممانعت والی روایات کو ترجیح ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے یہاں تک فرمادیا کہ غنی کے لئے کسی حال میں بھی زکوٰۃ حلال نہیں، خواہ وہ مجاہد ہو یا عامل، چنانچہ ابن رشد مالکیؒ نے ''بدایۃ المجتہد'' میں ابن القاسمؒ سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔

''روى عن ابن القاسم أنه لايجوز أخذ الصدقة لغني أصلاً مجاهداً كان أو عاملاً'' (بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۲)۔

Marfat.com

غلط فہمی کا ازالہ:

گزشتہ تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ احناف پر یہ الزام کہ "فی سبیل اللہ" تو نص میں مطلق ہے اس پر فقر کی قید نص پر زیادتی ہے غلط ہے، کیونکہ خود نص (کتاب وسنت) ہی سے یہ قید ثابت ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی، بلکہ اس قید سے غازی کو مستثنیٰ سمجھنا محتاج دلیل ہے، کیونکہ جس دلیل سے استثنا کیا جارہا ہے وہ محل کلام اور مرجوح ہے، نیز جو حضرات فی سبیل اللہ پر فقر کی قید کو زیادتی علی النص بتلاتے ہیں خود وہ حضرات بھی تو ابن السبیل (مسافر) کے لئے بحالت سفر فقر کی قید لگاتے ہیں سو یہ زیادتی کس طرح درست ہوگی؟۔

فی سبیل اللہ کے دائرہ کار کی توسیع وتحدید:

علامہ کاسانی کی عبارت کی توجیہ:

گزشتہ مباحث میں یہ بات تفصیل سے عرض کی جاچکی ہے کہ فی سبیل اللہ کا ایک لغوی مفہوم اور عام معنی ہیں جس کے تحت ہر طاعت اور امر خیر داخل ہوسکتا ہے، اور ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے جس کا مصداق مجاہدین ہے، مصارف زکوٰۃ کے بیان میں فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزاۃ ومجاہدین یا حجاج ہی ہیں اس کے علاوہ کوئی تیسرا قول ماثور نہیں۔

اس لئے مصارف زکوٰۃ کے بیان میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع اور عام معنیٰ مراد لینے کی تو قطعاً گنجائش نہیں ہوسکتی، شیخ یوسف قرضاوی نے بھی اسی کی ترجیح فرمائی ہے۔

لیکن استحقاق زکوٰۃ کی جو علت فقہاء نے ذکر فرمائی ہے، یعنی فقر واحتیاج، اس علت کا اعتبار کرتے ہوئے ہر طاعت اور عمل خیر کو بھی فی سبیل اللہ کے تحت داخل کرسکتے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ مصارف زکوٰۃ میں بیان کردہ فی سبیل اللہ کا مصداق یہ امور بھی ہیں، بلکہ اس بناء پر کہ استحقاق زکوٰۃ کی جو علت ہے وہ علت یہاں بھی موجود ہے، گویا علت کے پیش نظر فی سبیل اللہ کے اصطلاحی معنی سے قطع نظر لغوی عام معنیٰ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں

Marfat.com

کہ آیت میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں بھی یہ تعمیم مقصود اور مراد ہے، کیونکہ اس کا مصداق تو مجاہد یا حاجی متعین ہے، اس کے علاوہ کسی تیسرے قول کی گنجائش ہی نہیں۔ فقہاء اور احناف کی جملہ طبقات کی کتب فقہ، متون، شروح، فتاویٰ، مبسوط، فتح القدیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی ہے یا مجاہد۔

البتہ علامہ کاسائیؒ نے ''بدائع الصنائع'' میں ایسی عبارت تحریر فرمادی جس سے لوگوں کو شبہ ہوگیا کہ آیت میں فی سبیل اللہ کے مصداق ہی میں جملہ امور خیر وطاعات داخل ہیں، حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے صاحب بدائع فرماتے ہیں:

''صاحب بدائع نے پہلے فی سبیل اللہ کی عام تعریف فرمائی ہے کہ تمام ثواب کے کاموں کو فی سبیل اللہ کہتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ لہٰذا ہر وہ شخص اس کے اندر داخل ہوگا جو اللہ کی طاعت اور نیک کاموں میں کوشش کرے، بشرطیکہ وہ حاجت مند ہو'' (بدائع الصنائع ۲/۴۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کاسائیؒ نے ہر طاعت اور بھلے کاموں کو محض علت کی بنا پر مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے، نہ کہ اس بنا پر کہ اصلاً فی سبیل اللہ کا مصداق بھی یہی ہیں، اور یہ بات عین اصول کے مطابق ہے کہ کسی حکم کو اس کی علت ہی کی بنا پر ہی اس کے دائرہ کی تحدید وتوسیع اور اس حکم کی تعریف وتعبیر کردی جائے۔ جیسا کہ یہاں پر کہا گیا ہے کہ اصل حکم فی سبیل اللہ کا مصرف زکوٰۃ ہونا ہے، جس کی علت فقر واحتیاج ہے، لہٰذا اس علت کے پیش نظر اگر اس حکم کی تعبیر اور اس کے دائرہ کی توسیع کردی جائے تو اس میں کون سے اشکال کی بات ہے۔

بہ الفاظ دیگر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صاحب بدائع نے علت احتیاج کی قید کے ساتھ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں توسیع اختیار فرمایا ہے اور فی سبیل اللہ کے اصل مصداق (غزاۃ وحجاج) سے قطع نظر اس کے عام معنیٰ مراد لئے ہیں، لیکن بہ طور درایت کے نہ کہ بہ طور روایت کے۔

لیکن فقر واحتیاج کی قید کے ساتھ چونکہ اس عام معنیٰ کو بھی مقید کردیا ہے، اس لئے تعمیم

Marfat.com

وتوسیع کے باوجود تخصیص باقی رہتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو بھی مستحق زکوٰۃ محتاج کسی بھی طاعت اور خیر کے کاموں میں مصروف ہو، احتیاج کی بنا پر وہ بھی مستحق ہوگا۔

اور اسی بنیاد پر ''فتاویٰ ظہیریہ'' کی عبارت ہے، جس میں سبیل اللہ کی تفسیر میں طلبہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطے کہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کرسکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر و اشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مالِ زکوٰۃ سے کردی جائے۔ مگر مالدار صاحب نصاب کو نہیں دیا جاسکتا'' (معارف القرآن ۴/۴۰۷)۔

فی سبیل اللہ اور جہاد بالقلم وغیرہ:

مذکورہ بالا تفصیل اور صاحب بدائع کی تصریح سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ علت، فقر واحتیاج کی قید کے ساتھ فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جس قدر چاہیں وسیع تر کرلیجیے، اور جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد بالقلم اور جہاد بالسنان کے ساتھ جہاد باللسان وغیرہ دیگر اقسام بھی شامل کرسکتے ہیں بشرطے کہ فقر واحتیاج کی علت موجود ہو جس کی قید صاحب بدائع نے ذکر فرمائی ہے۔ اس قید وشرط کے ساتھ جہاد فکری وثقافتی بھی اس کے تحت آجائیں گے، بلکہ فی سبیل اللہ کے عام معنیٰ کے لحاظ سے دوسرے مصارف کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں گے، لیکن تملیک کی شرط ہر حال میں لازم اور ضروری ہوگی، کیونکہ یہ تو رکن زکوٰۃ ہے جس کے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی ہی نہیں ہوسکتی، جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''فی سبیل اللہ میں حرف ''فی'' کا اعادہ کیا گیا ہے۔ تفسیر ''کشاف'' میں ہے کہ اعادہ

Marfat.com

سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب مفلس کی امداد اور دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت ...... اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں'' (روح بحوالہ ظہیریہ، معارف القرآن ۴/۴۰۶)۔

موجودہ حالات میں زکوٰۃ کے ذریعہ دینی ودعوتی تحریکوں اور انجمنوں وتنظیموں کو چلانا:

یہ سوال کہ موجودہ حالات میں جب کہ دینی ودعوتی اداروں وتحریکوں اور ملی کاموں کے لئے واقعی کثیر سرمایہ درکار ہے، اور مسلمان رؤسا سے جو سرمایہ حاصل ہوتا ہے اس کا اکثر حصہ زکوٰۃ ہی کا ہوتا ہے دین سے بے رغبتی وبے توجہی کی وجہ سے اس قسم کے کاموں کے لئے علیحدہ سے مستقل رقم ہونا دشوار ہے، پھر کیونکر اس قسم کی تنظیموں کو چلایا جاسکتا ہے جب کہ مدزکوٰۃ کو اس قسم کے کاموں میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس کا اصولی جواب تو یہی ہے کہ اصل مرض کا جو سبب ہے، یعنی مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی اور دعوتی کاموں سے بے توجہی، اس غفلت کو دور کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مسلمان سرمایہ دار اس قسم کے کاموں میں دل چسپی لیں۔

اور کوشش کے باوجود بھی اگر دینی تحریکوں اور تنظیموں کے چلانے کی اگر کوئی صورت نہیں پیدا ہوتی تو ہم تو اتنے ہی کے مکلف ہیں جتنا ہمارے بس میں ہے: ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا'' (سورۂ بقرہ:۲۸۶) کوشش کے بعد بھی ناکامی کی صورت میں ہم سے خدا کے یہاں اس کی باز پرس نہ ہوگی کہ تم نے ایسا کام کیوں نہیں کیا۔ رہا دین ومذہب کی ترقی اور صیانت وحمایت اور اشاعت کا مسئلہ تو اصلاً تو اللہ ہی اپنے دین کا محافظ اور نگہبان ہے۔ ہماری کوششیں محض وسائل وذرائع ہیں اور کوشش کرنے میں ہم اسی حد تک مکلف ہیں جتنا کہ ہمارے اختیار میں ہے۔

Marfat.com

ملی کاموں اور رفاہی امور میں اس طرح زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں جس میں کہ مستحقین زکوٰۃ کو اس کا مالک نہ بنایا جائے، بلکہ اس کا صحیح اور اسلامی طریقہ یہ ہے جس کو حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

''ان مشکلات کا حل اموال زکوٰۃ سے کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اگر حکومت اسلامی ہو تو ان کے لئے بیت المال کے دوسرے مدات کھلے ہوئے ہیں اور اگر حکومت اسلامی نہیں ہے تو مسلمان حسب مقدور و استطاعت ان خیرات وغیرہ کے لئے مستقل چندہ کریں یا شخصی طور پر پورا کریں، جیسا کہ ہندوستان وغیرہ ممالک میں اسلامی سلطنت اٹھ جانے کے بعد سے آج تک اسی طرح ہوتا بھی رہا ہے...... امیر المومنین کے لئے بھی یہ کب جائز تھا کہ اموال زکوٰۃ کو بلا تملیک فقراء رفاہ عام وغیرہ کے کاموں میں صرف کر سکے'' (جواہر الفقہ ۳۸۴/۱)۔

گنجائش کی صورت:

اور اگر مد زکوٰۃ ہی سے اس قسم کے امور خیر انجام دیئے جائیں تو اس کی گنجائش اس طرح نہیں ہے کہ دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر مطلقاً توسع کا قول اختیار کرلیا جائے جس میں کہ نہ فقر و حاجت کی شرط ہے اور نہ تملیک کا لحاظ، جو کہ رکن زکوٰۃ ہے۔ جب علت و رکن ہی نہ پایا جائے تو زکوٰۃ ہی کہاں ادا ہوگی۔

گنجائش کی صورت صرف یہی ہے جو علامہ کاسائیؒ صاحب بدائع کی عبارت سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ استحقاق زکوٰۃ کی علت (فقر و احتیاج) کو مدنظر رکھتے ہوئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنایا جائے، پھر ایسا شخص دینی و دعوتی کاموں میں بھرپور حصہ لے۔

بہ الفاظ دیگر جو شخص ان کاموں میں حصہ لینا چاہتا ہو علت فقر و احتیاج اور تملیک کی شرط کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم سے اس کی امداد کی جاسکتی ہے۔

الغرض فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جس قدر چاہیے وسیع کرلیجئے، جیسا کہ صاحب بدائع نے

Marfat.com

فرمایا ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک علت فقر واحتیاج، دوسرے تملیک کی شرط۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر واشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے، مگر مال دار صاحبِ نصاب کو نہیں دیا جا سکتا" (معارف القرآن ۴/ ۴۰۶، ۴۰۷)۔

بلکہ ضرورت کے وقت اس قسم کے کار خیر میں مال زکوٰۃ صرف کرنا دوسرے مصارف کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ نے "کشاف" سے نقل فرمایا ہے کہ:

"فی سبیل اللہ میں حرف فی کا اعادہ کیا گیا ہے، تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت" (معارف القرآن ۴/ ۴۰۶، ۴۰۷)۔

مستحق زکوٰۃ کو مالک بنائے بغیر محض کسی انجمن و ادارہ میں زکوٰۃ نہیں صرف کی جا سکتی نہ کسی عمارت میں اور نہ کسی کارکن کی خدمت کے معاوضہ میں۔

خلاصہ جوابات:

۱- الف: فی سبیل اللہ کا مصداق آیت مصارف زکوٰۃ میں صرف غزاۃ و مجاہدین اور حجاج ہیں (ابن کثیر، قرطبی)۔

۲- روایۃً تو اس کے دائرہ میں صرف غزاۃ و حجاج ہی آتے ہیں، البتہ درایۃً اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو محتاج ہو اور کسی بھی اطاعت اور کار خیر میں مصروف ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۴۵)۔

Marfat.com

۴۔ دیگر شرائط، یعنی فقر اور تملیک کی شرط کے ساتھ جس حد تک چاہئے لغوی اعتبار سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں وسعت کی جاسکتی ہے۔

ب۔ جو لوگ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں ان سب کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر و احتیاج کی شرط ضروری ہے'' (ہدایہ)۔

۵۔ مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل ہیں، جہاں کہیں دیگر موانع کے ارتفاع و شرائط کے وجود کے ساتھ علت پائی جائے گی استحقاق زکوٰۃ بھی ہو جائے گا۔ اور وہ علت فقر و احتیاج ہے (بدائع، فتح القدیر، بدایۃ المجتہد)۔

۶۔ ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق میں تو روایۃً جہاد عسکری کے ساتھ جہاد قلمی، جہاد فکری و ثقافتی نہیں مراد لے سکتے، البتہ درایۃً و قیاساً، یعنی علت فقر و احتیاج کی بنا پر ہر قسم کے جہاد کو اس میں شامل کر سکتے ہیں، اور فقر و احتیاج کی حالت میں بے شک جہاد فکری و ثقافتی کرنے والوں پر بھی زکوٰۃ صرف کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کو اس کا مالک بنا دیا جائے، بلکہ دوسرے مصارف کے بہ نسبت ان کو ترجیح حاصل ہوگی اور ان کو دینا باعث اجر ہوگا۔

۷۔ دلائل کی قوت و ضعف سے قطع نظر کر کے اس طرح تو چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ کو اس طرح وسیع کر دیا جائے کہ مصرف زکوٰۃ کی علت یعنی فقر و احتیاج اور رکن زکوٰۃ، یعنی تملیک کی شرط ہی کو اڑا دیا جائے اور بے دریغ انجمنوں اور تنظیموں اور دینی، دعوتی، ملی کاموں کے کرنے والوں پر زکوٰۃ صرف کرنے کی اجازت دے دی جائے۔

البتہ علت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فی سبیل اللہ کے دائرہ کو وسیع تر کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ تملیک بھی پائی جائے۔

۸۔ فی سبیل اللہ کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے؟ (۶) کے تحت اس کا جواب ذکر کیا جاچکا ہے، باقی اس کے دلائل اصل جوابات میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

5/17

Marfat.com

مصارف صدقات میں حصر حقیقی ہے

مولانا محمد ابوبکر قاسمی☆

قرآن پاک میں مصارف صدقات کو آٹھ اصناف میں منحصر کیا گیا ہے، ان میں جو حصر ہے وہ حقیقی ہے، جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- حصر حقیقی ہونے کی پہلی دلیل مصارف صدقات والی آیت کا شان نزول ہے، جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ملاحظہ کی جائے۔

۲- دوسری دلیل آیت مصارف کے شروع میں لفظ ''إنَّما'' وارد ہے جو حصر کے لئے آتا ہے، اور حصر کے اندر اس کا حقیقی ہونا ہی اصل ہے، جس سے انحراف خلاف اصل ہے۔

۳- تیسری دلیل آیت مصارف کے آخر میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فريضة من الله'' مصارف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں،

۴- چوتھی دلیل وہ حدیث نبویؐ ہے، جس کے اندر آتا ہے کہ ایک شخص حضور پاک ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا، اور اس نے یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ مجھے صدقات وزکوٰۃ میں سے کچھ دیجئے، تو آپ ﷺ نے اس شخص سے جواباً ارشاد فرمایا: کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کسی نبی اور غیر نبی کے فیصلہ سے راضی نہیں ہے، خود اس نے مصارف زکوٰۃ کی آٹھ حصوں میں تقسیم کردی ہے، اگر تم ان میں داخل ہوگے تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں، یہ روایت

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواره، دربھنگہ۔

Marfat.com

ابوداؤد شریف اور دار قطنی میں زیاد بن حارث صدائی کی سند سے مفصل موجود ہے (ابوداؤد مطبوعہ رشیدیہ/۲۳۰)۔

۵- حصر کے حقیقی ہونے کی پانچویں دلیل عہد نبوی سے لے کر آج تک کے اساطین امت، علماء شریعت کا اجماع ہے، گویا امت کا سواد اعظم مصارف صدقات کے آٹھ میں منحصر ہونے کا قائل ہے، جس کی پیروی کرنے کا حکم حدیث نبوی '' إتبعو السواد الأعظم '' میں دیا گیا (مشکوۃ ا/۱۶۲)۔

مصارف صدقات والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر طبری میں ہے:

'' آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو آگاہ کرتے ہوئے زکوۃ کے آٹھ مصارف کو بیان فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان آٹھ مصارف کے علاوہ میں زکوۃ کی رقم خرچ نہ کی جائے (تفسیر طبری)، بعینہ یہی بات ''الجامع لأحکام القرآن للقرطبی''میں بھی ہے (دیکھئے: ۴/۱۰۷)۔

مذکورہ تمام دلائل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی مصارف زکوۃ والی آیت میں جو حصر ہے، وہ حقیقی ہے، اور '' حجۃ اللہ البالغۃ '' میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو حصر کے اضافی ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے یہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے، اکابر امت، علماء سلف میں سے کوئی ان کے نظریہ کی تائید نہیں کرتا، بلکہ ائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین میں سے ہر ایک کی صراحت اس کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے کتب تفاسیر کی مراجعت کی جائے۔

۶- لفظ '' فی سبیل اللہ '' کا لغوی مفہوم اگرچہ بہت عام ہے، لیکن مصارف زکوۃ والی آیت میں اس کا مفہوم و مصداق کیا ہے، اور اس میں وسعت کہاں تک ہے، تو اس کو سمجھنے سے پہلے چار باتوں کا لحاظ ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ مصارف زکوۃ میں اشخاص مراد ہیں، اشیاء مراد نہیں ہے (دیکھئے: حاشیہ طحطاوی علی المراقی الفلاح/ ۳۹۲)۔

''فإن المصرف هو الشخص'' (زکوۃ کا مصرف شخص ہے)۔

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ کی رقم کی تملیک ضروری ہے، یعنی جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس کو مالک بنا دیا جائے، تنویر الابصار کی شرح الدر المختار میں ہے:

''ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ خرچ تملیکاً ہو، صرف مباح نہ کیا ہو، لہٰذا مسجد وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی'' (درمختار ۲/ ۶۸)۔

اسی طرح حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

''بیت المال میں جو مال جمع کیا جاتا ہے اس کی ایک قسم مسلمانوں کے صدقات ہیں، اور ان کا حق یہ ہے کہ ایسی جگہ خرچ کیا جائے جس میں کسی کو مالک بنانا ہو'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۵، نیز دیکھئے: احکام القرآن ۳/ ۱۲۵، بحوالہ جواہر الفقہ سیر کبیر ۴/ ۲۴۴، بدائع الصنائع ۲/ ۳۹)۔

مذکورہ تصریحات و دلائل کے علاوہ بھی بہت سے براہین ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، میں نے ان تمام دلائل کی تفصیل اپنے ایک مقالہ ''زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ'' میں کردی ہے۔ اور خود زکوٰۃ کی شرعی حقیقت بھی تملیک ہی ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ عاملِ صدقہ کے علاوہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس کا محتاج ہونا ضروری ہے، قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَالَّذِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ، لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ'' (سورۂ معارج: ۲۴-۲۵) (مالداروں کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مالداروں کے مالوں میں محتاجوں کا اللہ تعالیٰ نے حق متعین فرمادیا ہے، جس کی ادائیگی مالداروں پر ضروری ہے۔

دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تؤتوها الفقرآء (زکوٰۃ کی رقم فقراء کو دو)۔

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی رقم جس کو بھی دی جائے اس کا محتاج ہونا

Marfat.com

ضروری ہے، قرآن پاک کے علاوہ حدیث نبوی ﷺ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مال داروں سے لے کر فقراء ہی کو دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہیں جہاں اور ہدایات کیں منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جب اہل یمن مسلمان ہو جائیں اور نماز پڑھنے لگیں تو:

"فأَعْلِمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيأهم و ترد في فقرأهم" (المغنی لابن قدامہ ۲/۵۲۲)۔

(ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کیا ہے، زکوٰۃ کی یہ رقم مالداروں سے لی جائے اور محتاجوں پر خرچ کیا جائے)۔

غور کیجئے کہ اس حدیث پاک میں حضور پاک ﷺ نے لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے، ایک طبقہ مالداروں کا ہے اور دوسرا طبقہ غریبوں کا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلے طبقہ سے، یعنی مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے اور دوسرے طبقوں یعنی فقراء اور محتاجوں میں صرف کی جائے، حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کو تقریباً تمام صحاح ستہ کے مصنفین نے درج کیا ہے، بخاری شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے، بلکہ حدیث کی جس کتاب کو دیکھنے کا جی چاہے دیکھ لیجئے، تمام کتابوں میں یہ روایت مل جائیگی زکوٰۃ کی تقسیم کے باب میں اس حدیث کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مالداروں کو دینا جائز نہیں، "نصب الرایہ" میں سات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی روایتیں منقول ہیں، انھیں احادیث اور مذکورہ قرآنی آیات کی بنا پر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مالداروں کو زکوٰۃ کی رقم دینی جائز نہیں، فتاوی قاضی خاں (فتاوی خانیہ ۱/۲۶۷) میں ہے:

"لا يجوز دفع الزكوٰة الى الغني" (مالداروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے) (نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۴۳، فتح القدیر ۲/۲۰۵، البحر الرائق ۲/۲۶۰، حاشیہ بحر)۔

الغرض عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے جتنے بھی مصارف ہیں وہ محتاج ہیں، لیکن چونکہ ان کی

Marfat.com

مختلف قسمیں ہیں، اس لئے ان کو قرآن نے الگ شمار کر کے تفصیل سے بیان کر دیا ہے تا کہ کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ بات اہم ہے کہ لغت عرب میں ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم اگرچہ عام ہے، اور قرآن پاک کی بہت سی آیات میں وہی عام معنی مراد بھی ہے، جیسا کہ لفظ ''صلوٰۃ'' کا معنی و مفہوم لغت عرب میں بہت عام ہے، اور قرآن پاک کی بہت سی آیات میں وہ عام معنی مراد بھی ہے، مگر اس کے باوجود جس طرح ''أقیموا الصلوٰۃ'' اور اس کے ہم مثل آیات میں باتفاق صحابہ و تابعین، مفسرین و مجتہدین لفظ صلوٰۃ اپنے خاص معنی میں مستعمل ہے اور وہی خاص معنی اس کا شرعی معنی ہے اور مطلق بولنے کے وقت وہی خاص معنی مراد ہوتا ہے، اسی طرح مصارف زکوٰۃ والی آیت میں باتفاق صحابہ و تابعین، مفسرین و مجتہدین لفظ فی سبیل اللہ اپنے خاص معنی میں ہی مستعمل ہے، اور وہی خاص معنی اس کا شرعی معنی ہے، اور مطلق بولنے کے وقت اس کا وہی خاص معنی مراد ہوتا ہے، اور جس طرح اگر کوئی شخص آیت ''اقیموا الصلوٰۃ'' میں لفظ صلوٰۃ کو اس کے عام لغوی معنی پر محمول کرے گا تو اسے قرآن میں تحریف کہا جائے گا، اور اس کی یہ بات قابل رد ہوگی، اسی طرح مصارف زکوٰۃ والی آیت میں اگر کوئی شخص فی سبیل اللہ کو اس کے لغوی معنی پر محمول کرے گا تو یقیناً اس کا بھی یہ اقدام قرآن میں تحریف کے مرادف ہوگا، اس سلسلہ میں امت کے سواد اعظم کا اجماع ہے، اور سوائے شرذمۂ قلیلہ کے کسی قابل ذکر شخص نے اختلاف نہیں کیا ہے، مَن ''ادّعیٰ خلاف ذالک فعلیه البینان بالبرھان''

گذشتہ صفحات میں اب تک جو لکھا گیا اس سے چار باتیں معلوم ہوئیں:

۱- مصارف زکوٰۃ میں اشخاص مراد ہے، اشیاء مراد نہیں ہے۔

۲- ادائیگی زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ کی رقم کی تملیک ضروری ہے۔

۳- عامل صدقہ کے علاوہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جائے، اس کا محتاج ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

۴۔ آیت مصارف زکوۃ میں لفظ فی سبیل اللہ اپنے خاص شرعی معنی میں مستعمل ہے۔

یہ چار باتیں ہوئیں ان کو ملحوظ رکھ کر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو سمجھیے، جمہور مفسرین وفقہاء نے صحابہ وتابعین کے اقوال، نیز دیگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "فی سبیل اللہ" کا اصل مصداق محتاج غازی ہے، اور محققین کے بیان کے مطابق صحابہ وتابعین کے عہد میں اس کا یہی مفہوم معروف تھا، اور تقریباً تمام ائمہ نے اس کو نقل کیا ہے، اور ائمہ اربعہ بھی قدرے اختلاف کے ساتھ اسی مفہوم کو تسلیم کرتے ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۲۴)، اور نزول عہد قرآن میں بھی اس کا یہی معنی سمجھا جاتا تھا، پس اس کا یہ مذکورہ مفہوم قطعی ومتواتر ہے، اور علماء وفقہا کے نزدیک اتنا مشہور ومتعارف ہے کہ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور لفظ صلوۃ وزکوۃ کی طرح یہ لفظ اپنے مذکورہ معنی میں منقول شرعی ہے، جسے اس کے مذکورہ شرعی معنی کے ساتھ مخصوص رکھنا ہی ضروری معلوم ہوتا ہے، "بدائع الصنائع" میں ہے:

"حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد محتاج غازی ہے، اس لئے کہ جب فی سبیل اللہ عرف شرع میں مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے" (بدائع الصنائع ۲/ ۴۶)۔

"فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے "فی سبیل اللہ" سے مراد محتاج غازی کو لیا ہے، اور مضمرات کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہی صحیح ہے" (فتاوی تاتارخانیہ ۲/ ۲۷۰)۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

"تمام نیکی کے کام فی سبیل اللہ ہیں، لیکن اس لفظ کو مطلق بولنے کے وقت لوگوں کے نزدیک ان سے مراد غازی ومجاہد ہوتے ہیں" (مبسوط سرخسی ۳/ ۱۰، نیز ملاحظہ ہو: بذل المجہود ۳/ ۴۴، شرح نقایہ ۱/ ۱۶۱، فتح الباری کتاب الزکوۃ ۳/ ۳۳۲، تاج العروس بحوالہ النہایہ ۷/ ۳۳۶، حاشیہ طحطاوی)۔

الغرض جمہور علماء نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غازی سے کی ہے، اور لغت عرب سے بھی

Marfat.com

اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے فی سبیل اللہ سے غازی ومجاہد مراد لینے میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے فی سبیل اللہ کے لغوی مفہوم اور بعض دوسری روایات کی بنا پر فی سبیل اللہ کے مصداق میں محتاج حاجی کو بھی شامل کیا ہے، اسی طرح بعض اہل علم نے طلبہ علوم دین کو بھی اس کے مفہوم میں داخل کیا ہے، اور صاحب بدائع کی تصریح کے مطابق اس کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی دینی کام میں مشغول ہو (بدائع الصنائع ۲/۴۵)۔

''البحرالرائق'' کے حاشیہ ''منحۃ الخالق'' میں علامہ شامیؒ نے صراحت کی ہے، یہ اختلاف درحقیقت لفظی ہے، کیونکہ اس پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مذکورہ اشخاص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں تو یہ مذکورہ حضرات زکوٰۃ کے کس مصرف میں داخل ہوتے ہیں؟ تو کسی نے ان کو ''فقراء'' میں داخل کیا، کسی نے ''ابن السبیل'' میں، پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف استحقاق زکوٰۃ والا اختلاف نہیں ہے، بلکہ اختلاف اسماء جس کی بنا پر اصل مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اوپر ادائیگی زکوٰۃ کے لئے جو چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں مذکورہ اشخاص کے اندر پائی جاتی ہیں، کیونکہ مذکورہ تمام چیزوں کا تعلق اشخاص سے ہے اشیاء سے نہیں، ہے، نیز ان کے اندر تملیک کی بھی صلاحیت پائی جاتی ہے، اسی طرح یہ حضرات محتاج بھی ہیں، نیز فی سبیل اللہ کا جو مفہوم جمہور نے بیان کیا ہے اس سے بھی متصادم نہیں ہے، کیونکہ بعض علماء نے جن لوگوں کو فی سبیل میں داخل کیا ہے تو انہوں نے فقر کی شرط لگائی ہے، پس ان حضرات کو فی سبیل اللہ کے اندر داخل نہ مانا جائے تو فقراء ومساکین جو زکوٰۃ کے عمومی مصارف میں سے ہیں ان میں وہ حضرات یقیناً داخل ہوں گے، اور زکوٰۃ کی رقم کے مستحق ٹھہریں گے، چنانچہ ''البحرائق'' کے حاشیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''صاحب ''بحر'' کا یہ قول کہ اختلاف کا ثمرہ زکوٰۃ میں ظاہر نہیں ہوگا، نہر میں کہا ہے کہ (فی سبیل اللہ کے مصداق میں) اختلاف لفظی ہے، اس لئے کہ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ عامل صدقہ کے علاوہ ہر مصرف کو زکوٰۃ کی رقم فقر کی شرط کے ساتھ دی جائے گی، پس حاجیوں سے

Marfat.com

بچھڑے ہوئے شخص کو (فقر کی شرط کے ساتھ) بالاتفاق زکوٰۃ دی جائے گی'' (منحۃ الخالق ۲/۲۶۰)۔

اسی طرح ''بحر'' میں ہے:

''صاحب کنز کا قول منقطع الغزاۃ سے یہی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کی، اور یہی حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، جسے مصنف نے پسند کیا ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الحاج ہے، اور کہا گیا ہے کہ طالب علم ہے، اور ''فتاویٰ ظہیریہ'' میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے، اور ''بدائع'' میں اس کی تفسیر نیکیوں کے کام سے کی گئی ہے، پس ہر وہ شخص جو اللہ کی طاعت اور نیکیوں کے کام میں سعی کرتا ہو تو وہ اس میں داخل ہے جب کہ وہ محتاج ہو، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فقر و احتیاج کی شرط زکوٰۃ کے تمام مصارف میں ہے، پس اس اختلاف کا ثمرہ زکوٰۃ کے باب میں ظاہر نہیں ہوگا'' (البحر الرائق ۲/۲۶۰)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ غازی و مجاہد تو فی سبیل اللہ کا متفق علیہ مصداق ہے، اس میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں ہے، البتہ ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق میں محتاج حاجی یا محتاج طالب علم یا دینی خدمت میں مشغول محتاج حضرات کو داخل کرنے میں ائمہ اور فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ اگر وہ حضرات محتاج ہوں تو انہیں فقر کے تحت داخل کر کے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، البتہ بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کے مفہوم و مصداق میں ہر نیکی کے کام کو بھی داخل کیا ہے اور اس طرح انہوں نے تمام رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم کے صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ کے باب میں شریعت نے چار چیزوں کو بنیادی حیثیت دی ہے، اگر ان بنیادی امور کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصارف صدقات کے اندر فی سبیل اللہ کے مصداق میں تمام نیکی کے کاموں کو داخل کرنا غلط اور بے بنیاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ زکوٰۃ کے باب میں شریعت کے بیان کردہ اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے، اگر اسے سمجھ لیا جائے تو انشاء اللہ تمام غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔

Marfat.com

تفسیر کے باب میں نقل کی حیثیت:

کسی آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں قرون اولیٰ سے جو اقوال منقول ہوں آیت کو ان ہی اقوال کے دائرہ میں محدود و منحصر رکھنا ضروری ہے، بغیر کسی قوی دلیل کے اس سے خروج جائز نہیں ہے، ورنہ وہ تفسیر بالرائے کے حکم میں ہوگا، جس کے متعلق حدیث نبوی میں وعید شدید آئی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں فقر کی شرط:

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں سوائے عاملین کے فقر کی شرط ملحوظ ہے، اوپر مدلل بحث گذر چکی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں قیاس:

مصارف زکوٰۃ قیاس شرعی کا محل نہیں ہیں، ان کا بیان خود باری تعالیٰ نے مفصل کر دیا ہے، نیز قرآن وحدیث میں تقسیم زکوٰۃ کے بنیادی اصول کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے، ان اصولوں کی روشنی میں جو شخص مصارف زکوٰۃ کا مستحق ہوگا، انہیں زکوٰۃ کی رقم ملے گی، ورنہ محروم ہوگا، جہاد قلمی و دیگر نیکی کے کام کرنے والے حضرات اگر محتاج ہیں تو انہیں فقر و احتیاج کی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جائے گی، کیونکہ تقسیم زکوٰۃ کی بنیاد جہاد نہیں ہے، فقر ہے، اور اسباب فقر بھی محدود و متعین ہیں، قرآن پاک میں ان کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

نیکی کے کاموں میں مشغول حضرات کو زکوٰۃ دینا:

عاملین زکوٰۃ کے علاوہ کسی کو بھی بطور اجرت زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر محتاج ہو تو احتیاج کی بنیاد پر اسے زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول حضرات کو زکوٰۃ کی رقم سے بطور اجرت دینے کو جائز کہتے ہیں ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ میں تعمیم کا نظریہ:

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' میں تعمیم کا نظریہ درست نہیں ہے، یعنی اس سے مواقع خیر کو مراد لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے تمام مصارف میں اشخاص وافراد مراد ہیں، بنابریں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں، اس کے لغوی معنی میں عموم کی وجہ سے جس کسی کو بھی داخل کیا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشخاص میں سے ہو، محتاج ہو، اسی کے ساتھ اس کے اندر تملیک، یعنی مالک بننے کی صلاحیت بھی موجود ہو، مگر چونکہ جمہور علماء کی تصریحات کے مطابق ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ منقول شرعی ہے، اور اپنے مصداق کے اعتبار سے غازی اور مجاہد کے ساتھ خاص ہے، اور ایک حدیث نبوی میں اس کی تفسیر غازی ہی سے کی گئی ہے، اور بہت سے علماء وفقہاء نے اسی کو راجح اور صحیح بھی قرار دیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کو غازی ومجاہد ہی کے ساتھ خاص رکھا جائے، اور دیگر جو حضرات دینی کاموں میں مشغول ہوں اگر وہ محتاج وضرورت مند ہوں تو انہیں فقراء ومساکین کے تحت داخل کر کے زکوٰۃ دی جائے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ بطور اجرت نہ دی گئی ہو، ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے تحت مصارف زکوٰۃ کے اندر رفاہی کاموں اور امور خیر کو داخل کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، دراصل قرآنی آیات کا مطلب سمجھنے میں جن لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں لغت عرب کو اولیت کا درجہ دیا، جبکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر میں لغت عرب کو اولیت حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ثانویت کا ہے، اور اس سلسلہ میں اگر اولیت حاصل ہے تو صحابہ وتابعین کے اقوال کو، اگر اس اصول کا لحاظ رکھا جاتا تو یقیناً غلطی واقع نہ ہوتی، اگر آج بھی کوئی شخص اس اصول کی رعایت کرے تو انشاء اللہ غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کا مصداق

مولانا محمد شعیب مفتاحی☆

آیت مصارف زکوٰۃ ''إنما الصدقات للفقراء الخ'' میں زکوٰۃ کا ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' بتایا گیا ہے، اس کی تفسیر میں ائمہ مجتہدین وفقہا متقدمین سے دوقول ملتے ہیں۔

پہلا قول:

پہلا قول یہ کہ اس سے مراد جہاد ہے، یعنی غازی کو جہاد کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یہی اکثر علماء وائمہ مذہب کی رائے اور مختار قول ہے۔ کما قال ابن حجرؒ فی الفتح (۳/۲/۳۳۲) حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے، اور علماء احناف نے اسی کو اظہر اور صحیح قرار دیا ہے (شامی ۲/۳۴۳)۔ اور بہت سے اصحاب متون جیسے صاحب کنز الدقائق، صاحب المنار اور صاحب مختصر (امام قدوری) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

یہی قول امام شافعیؒ اور حضرات شوافع کا ہے۔ ''الام'' میں امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد میں جہاد کرنے والوں کو زکوٰۃ دی جائے گی، ان کے علاوہ کسی اور کو اس مد سے نہیں دیا جائے گا (کتاب الأم ۲/۶۰)، ''الفقه على المذاهب الأربعة'' میں شافعیہ کا

☆ استاذ مدرسہ مسیح العلوم بنگلور۔

Marfat.com

مسلک بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''فی سبیل اللہ'' وہ رضا کارانہ جہاد کرنے والا ہے جس کا دیوان میں کوئی مشاہرہ نہ ہو'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۲۶)۔

امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے (دیکھئے: امام قرطبیؒ مالکی کی تفسیر ۸/۱۸۵)۔

مشہور مالکی فقیہ ومفسر قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ:

''امام مالکؒ نے فرمایا: کہ میرے علم میں اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں (آیت صدقات) میں اس سے مراد جہاد ہے'' (احکام القرآن ۲/۹۵۷)۔

نیز حنابلہ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے، ابن قدامہ حنبلیؒ نے فرمایا: صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے، اس لئے کہ فی سبیل اللہ سے یہی مراد ہوتا ہے، اور قرآن میں بھی چند مقامات کے سوا اس سے جہاد ہی مراد ہے، اس بنا پر آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوگا کہ یہی آیت کا ظاہر ہے (المغنی بحوالہ فقہ الزکوۃ ۲/۱۳۴)۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہے، البتہ بعض تفاصیل میں ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک غازی کو زکوٰۃ بشرط فقر دی جائے گی، جب کہ جمہور کے نزدیک فقر کی شرط نہیں ہے، اسی طرح کچھ اور امور میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

دوسرا قول:

فی سبیل اللہ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حج ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت یہی ہے، اور امام اسحاق بن راہویہؒ کا بھی یہی قول ہے، حنفیہ میں سے امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے بھی یہی مروی ہے (فتح الباری ۳/۳۳۳، شامی ۲/۳۴۳، بحر الرائق ۲/۲۴۲، تفسیر روح المعانی ۱/۱۲۳)۔

Marfat.com

یہ قول امام محمدؒ سے مروی ہے، مگر احناف نے پہلے قول ہی کو صحیح واظہر قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اور امام احمدؒ سے بھی اگر چہ ایک روایت ہے، مگر ان کے یہاں بھی صحیح قول اول ہی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ حنبلیؒ سے نقل کیا گیا۔

حضرات صحابہ میں سے بعض حضرات سے حج کا فی سبیل اللہ ہونا منقول ہے، جیسے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے، اور ابن حجر نے بتایا ہے کہ اس کو ابو عبید نے موصولاً ''الأ موال'' میں روایت کیا ہے، مگر امام احمدؒ نے اس کو سند کے لحاظ سے مضطرب قرار دیا ہے (فتح الباری ۳/ ۳۳۲)۔

اور ابن عمر کی روایت بھی ابو عبید نے اموال میں ذکر کی ہے، ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (حوالہ سابق)، مگر اس روایت میں صرف اتنا ہے کہ 'حج فی سبیل اللہ' ہے، زکوٰۃ دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور تابعین میں حضرت حسنؒ سے بھی یہ بات مروی ہے، امام بخاریؒ نے تعلیقاً اس کو روایت کیا ہے، اور ابن ابی شیبہؒ نے بسند صحیح موصولاً روایت کیا ہے (ایضاً)۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحابہ میں سے ابن عباسؓ سے اگر چہ یہ قول مروی ہے، مگر یہ روایت مضطرب ہے، اور ابن عمرؓ سے اگر بسند صحیح یہ آیا ہے کہ حج فی سبیل اللہ سے ہے، مگر اس میں زکوٰۃ دینے کا ذکر نہیں، اور یہ معلوم ہے کہ حج اللہ کے لئے ہی ہوتا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں، مگر زکوٰۃ دینے نہ دینے کا مسئلہ دیگر ہے، البتہ حضرت حسنؒ سے ضرور یہ منقول ہے اور بہ سند صحیح منقول ہے، مگر جیسا کہ اوپر گذرا جمہور اس سے متفق نہیں ہیں۔

لہٰذا فی سبیل اللہ کی تفسیر میں جمہور کی رائے سے ہی اتفاق کرنا چاہئے، البتہ اگر کوئی دوسرا قول اختیار کرتا ہے تب بھی اس کے لئے گنجائش ہے کہ سلف میں سے بعض ائمہ اس کے ساتھ ہیں، اس ضروری وضاحت کے بعد اس سلسلہ کے سوالات پر نظر ڈالنا ہے۔

حصر حقیقی یا اضافی:

پہلا سوال یہ ہے کہ آیت صدقات نے آٹھ اصناف کو تخصیص ذکر کر کے، ان کا مصرف

Marfat.com

زکوٰۃ ہونا واضح کیا ہے، اور شروع کلام ہی میں ''انما'' کلمہ حصر لاکر مصارف زکوٰۃ کو ان آٹھ اصناف میں محصور کردیا ہے، یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کو حصر اضافی قرار دیا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہے؟

ظاہر ہے کہ اس حصر کو اگر غیر حقیقی اور اضافی قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ اصناف کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوسرے امور بھی مصرف زکوٰۃ ہوسکتے ہیں، مگر یہ بات جمہور علماء کے خلاف ہے، بلکہ خود احادیث کے بھی خلاف ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ آپ صدقات میں سے مجھے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی یا غیر نبی پر صدقات کو موقوف نہیں رکھا، بلکہ خود ہی اس میں فیصلہ اور حکم فرمایا، اور اس کے آٹھ اصناف قرار دیئے ہیں، اگر تو ان آٹھ میں سے ہے تو میں تجھے تیرا حق دوں گا'' (ابوداؤد مع بذل المجہود ۳/۴۲)۔

اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی پر علماء نے کلام کیا ہے، مگر اتنا یاد رہے کہ یہ متفق علیہ ضعیف نہیں ہیں، بعض ائمۂ جرح نے اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے۔ تاہم بعض ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ جیسے امام بخاریؒ نے ان کو قوی اور ''مقارب الحدیث'' کہا ہے۔ ابن صالح نے ان کی حدیث کو حجت اور صحیح قرار دیا ہے، اور ان کے قول کو غیر مقبول کہا ہے جو ان پر کلام کرتے ہیں، اور ان کو ثقہ قرار دیا ہے، یعقوب بن شیبہ نے بھی ثقہ صدوق کہا ہے، ابن سفیان نے ''لابأس بہ'' کہا ہے، یحیٰ القطان نے بھی ثقہ گردانا ہے (دیکھئے: تہذیب التہذیب لابن حجر ۶/۱۷۳، ۱۷۵)۔

لہٰذا یہ روایت کم از کم حسن ہوگی کہ مختلف فیہ راوی کی روایت ہے، غرض اس سے معلوم ہوا کہ آٹھ اصناف جو اللہ تعالیٰ بیان فرمائے ہیں سوائے ان کے کوئی اور زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوسکتا، گویا یہ حدیث آیت کریمہ کی شرح ہے، جو حصر کو حقیقی قرار دے رہی ہیں، اسی لئے علماء نے بھی اس کو حقیقی حصر ہی پر محمول کیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں درج علماء کی عبارت سے واضح ہے کہ

Marfat.com

سب نے باتفاق ان آٹھ اصناف کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دینے کا ناجائز ہونا بیان کیا ہے۔

لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ کی تشریح اور اسی کے مطابق حضرات فقہاء کی تصریح کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق کہ یہ حصر اضافی ہے غیر مقبول ہے۔

فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہے:

دوسرا سوال یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کی تعبیر قرآن وسنت میں کیا جہاد وغزوہ ہی کے لئے آئی ہے۔ اور اس سے کیا کچھ اور امور خیر مراد نہیں لیا جا سکتا؟

جواب یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کی تعبیر عام طور پر قرآنی وحدیثی استعمالات میں جب مطلق آئے تو غزوہ وجہاد ہی مراد ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکاۃ'' میں سیر حاصل بحث کر کے اور قرآن وسنت کے ذخیرہ میں اس کے استعمالات کا تتبع واستقراء کر کے ثابت کیا ہے، ہم اس تحقیق سے پورا پورا اتفاق کرتے ہیں۔

تفسیر میں اقوال سلف سے ہٹ کر کوئی قول اختیار کرنا جائز نہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں حضرات صحابہ وائمہ سے صرف دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ مراد جہاد ہے، دوسرا یہ کہ مراد حج ہے، تو کیا کسی کو اس سے ہٹ کر تیسرا یا چوتھا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں سلف سے صرف دو قول مروی ہوں تو اس کے بعد لغت، قیاس، عقل وغیرہ کسی ذریعہ سے بھی تیسرا یا چوتھا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ہے، علامہ ابن تیمہؒ فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

''ومما ينبغي أن يعلم أن القرآن و الحديث إذا عرف تفسيره من جهة النبي ﷺ لم يحتج في ذالک إلى أقوال أهل اللغة'' (فتاویٰ شیخ الاسلام ۱۳/۲۷)۔

یہ ظاہر ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر اللہ کے نبی علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے، چنانچہ

5/18

Marfat.com

حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: لاتحل الصدقة لغنی إلالخمسة: لغازفی سبیل الله الخ، اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے عنوان سے آپ ﷺ نے صرف غازی کو پیش کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے صرف غازی مراد ہے (اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث میں غنی لوگوں میں سے جن کو زکوۃ دینا جائز قرار دیا ہے، ان میں ایک غازی ہے، اگر فی سبیل اللہ سے مراد غازی کے علاوہ کچھ اور بھی ہوتا تو حدیث میں ''لا'' نفی اور ''اِلا'' سے جو حصر پیدا کیا گیا ہے وہ غلط ہوتا، کیونکہ اس حدیث میں مذکور اور چار مصارف سے ہٹ کر ہیں، اور فی سبیل اللہ کے عنوان سے صرف غازی کو پیش کیا ہے، اب اگر قرآن میں فی سبیل اللہ سے صرف غازی مراد نہ لیا گیا تو دو ہی صورتیں ہیں: ایک شرط فقر ملحوظ ہو، پھر تو تفسیر میں اختلاف ہے کہ حکم زکوۃ میں نہیں، اور اگر شرط فقر نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ فی سبیل اللہ میں اور اغنیاء بھی داخل ہیں، جبکہ حدیث کا حصر اس کو باطل کر رہا ہے، پس معلوم ہوا کہ اس میں صرف غازی داخل ہے)۔

(پس جب حدیث وسنت نے مراد کو واضح کر دیا تو اب اہل لغت وغیرہ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ان حضرات کا رد کیا ہے جو تفسیر میں سلف سے صرف دو قول ہونے کے باوجود، تیسرا اقوال ایجاد کرتے ہیں اور اس کو پوری امت کی تضلیل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی ابن تیمیہ ۱۳/۵۹)۔

اور ظاہر ہے کہ پوری امت کی تضلیل یا تجہیل، سوائے جہالت وضلالت کے کچھ نہیں، اس لئے جب سلف کرام کسی بات پر قائم ہو جائیں تو اس کے خلاف کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

فی سبیل اللہ کا دائرہ:

چوتھا سوال یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' جس کی تشریح وتفسیر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر عرض کی گئی اس کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ 5/18

Marfat.com

جواب یہ ہے کہ چونکہ سلف سے اس سلسلہ میں صرف دو قول منقول ہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک اس سے غزوہ یا حج ہی مراد ہے، اور اس کے دائرہ میں بقول احناف محتاج غازی یا محتاج حاجی، اور دیگر ائمہ کے قول پر مطلق حاجی آتے ہیں۔

اور احناف میں سے بعض فقہاء نے جو طالب علم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، انہوں نے خود ہی فقر کی قید بھی لگا دی ہے، اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے، کہ یہ آیت کی مراد میں اختلاف ہے، حکم میں کوئی اختلاف حقیقی نہیں، کیونکہ طالب علم اگرچہ فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، مگر ان کو زکوٰۃ فقیر ہونے کی حیثیت سے دی جائے گی۔

علامہ حصکفیؒ نے طالب علم کو فی سبیل اللہ کا مصداق بتانے کے بعد لکھا کہ:

"وثمرة الاختلاف في نحو الأوقاف".

اس پر علامہ شامیؒ نے فرمایا:

"يشير أن هذا الإختلاف إنما هو في المراد بالآية لا في الحكم، و لذا قال في النهر: والخلاف لفظي للاتفاق على أن الأصناف كلهم سوى العامل يعطون بشرط الفقر الخ" (درمختار مع الرد ۲/۳۴۳)۔

اور جن لوگوں نے بلا قید فقر، طالب علموں کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، ان کا قول مرجوح ہے، اور غیر معتمد، چنانچہ طحطاویؒ نے فرمایا:

"وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد" (شامی ۲/۳۴۰)۔

خلاصہ یہ کہ جن فقہاء نے طالب علم کو بشرط فقر مصرفِ زکوٰۃ قرار دیا ہے، ان کے مسلک پر طالب علم کو زکوٰۃ بحیثیت فقر دی جاتی ہے، اور جنہوں نے بلا قید فقر طالب علم کو دینا جائز قرار دیا ہے، ان کا قول جمہور کے نزدیک غیر راجح بلکہ غیر معتمد و غیر مقبول ہے۔

اسی طرح جن حضرات فقہاء نے "فی سبیل اللہ" میں تمام امور خیر کو داخل کیا ہے، جیسے

Marfat.com

علامہ کاسانی صاحب بدائع، انہوں نے بھی فقر کی شرط لگائی ہے، لہٰذا ان امور خیر میں زکاۃ دینا بوجہ فقر ہوا، ہمارے نزدیک فی سبیل اللہ میں اصلاً واصالۃً غازی یا حاجی داخل ہیں، یہی اس کی صحیح تفسیر ہے۔

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط:

اسی ضمن میں ایک سوال یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق حاجی ہو یا غازی، ان کو بشرط فقر مستحق زکوٰۃ کہا جائے گا، یا بلا قید فقر؟

جواب یہ ہے کہ اس میں ائمہ اجتہاد ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، حنفیہ کے نزدیک فقر شرط ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ''بحر الرائق'' میں فی سبیل اللہ کی مراد بتانے کے بعد فرمایا کہ:

''ولا يخفى أن قيد الفقر لابدمنه على الوجوه كلها'' (بحر الرائق ومنحۃ الخالق ۲/ ۲۴۲)۔

اس پر شامی نے ''منحۃ الخالق'' میں نہر الفائق کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''إن الأصناف كلها سوى العامل يعطون بشرط الفقر'' (بحر الرائق ومنحۃ الخالق ۲/ ۲۴۲)۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف غازی کو دیا جائے گا، خواہ غنی ہو یا فقیر، جیسا کہ خود امام شافعیؒ نے ''الأم'' میں تصریح کی ہے (کتاب الام ۲/ ۶۰)۔

اسی طرح علماء مالکیہ کے نزدیک بھی فقر شرط نہیں، بلکہ غازی غنی ہو یا فقیر دونوں صورتوں میں اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ:

''وهم الغزاة و موضوع الرباط، يعطون ماينفقون في غزوهم كانوا أغنياء أوفقراء، وهذا قول أكثر العلماء، وهو تحصيل مذهب مالك'' (قرطبی ۸/ ۱۸۵)۔

Marfat.com

اسی طرح امام احمدؒ و حنابلہ بھی غازی غنی کو دینا جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ یوسف القرضاوی نے مطالب اولی النہی سے ان کا مسلک نقل کیا ہے (فقہ الزکوۃ ۲/۱۳۲)۔

لہٰذا دونوں طرف گنجائش ہے۔

مصارف زکوٰۃ اور قیاس:

بعض حضرات نے فی سبیل اللہ کا مصداق تو جہاد عسکری کو قرار دینے کے باوجود یہ کہا ہے کہ موجودہ زمانہ میں قلمی، فکری، ثقافتی جہاد بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح پہلے دور میں عسکری جہاد ضروری تھا، اور جس علت سے جہاد عسکری میں زکوٰۃ دینا جائز ہے اسی علت کی بنا پر قلمی، فکری اور ثقافتی جہاد پر بھی زکوٰۃ لگائی جاسکتی ہے، شیخ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں اس پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور اسی رائے کو پیش کیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ رائے و نظریہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اگر یہ قلمی و فکری اور ثقافتی جہاد کرنے والے لوگ محتاج و مستحق زکوٰۃ ہیں، تب تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہوگا، جیسا کہ طالب علم وغیرہ کو بشرط فقر دینا جائز قرار دیا گیا ہے، اور یہ حضرات چونکہ دینی کاموں اور دعوتی کارروائیوں میں لگے ہوتے ہیں، اس لئے ان فقراء کو دینا بہ نسبت عام فقراء کے افضل ہوگا، جیسا کہ طالب علم کے سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے۔

اسی تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ جب ان لوگوں کو بشرط فقر دیا جائے گا تو یہ بمد فقراء زکوٰۃ دی گئی، پھر ان کو ''فی سبیل اللہ'' کے مد میں شامل کرنے کا کیا مطلب اور کیا ضرورت؟

جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ فقیر ہونے کی حیثیت سے مستحق زکوٰۃ ہوئے ہیں تاہم ان میں اور عام فقراء میں ایک وصف کے لحاظ سے بڑا عظیم فرق ہے، کہ یہ اللہ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کو الگ سے بیان کیا گیا (دیکھئے: بحرالرائق ۲/۲۴۲)۔

اور اگر یہ لوگ محتاج و فقیر نہیں ہیں تب احناف کے نزدیک تو کسی طرح بھی وہ مستحق

Marfat.com

زکوٰۃ نہ ہوئے، کیونکہ ان کے نزدیک عسکری جہاد کرنے والے کو بھی بشرط فقر دیا جاتا ہے، جب یہ فقیر نہیں تو ان کو دینا ان کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔

اور دیگر ائمہ کے مسلک پر غنی مجاہد کو دینا اگرچہ جائز ہے، مگر یہ بات خود ثابت نہیں کہ قلمی، ثقافتی وفکری جہاد بھی عسکری جہاد کی طرح فی سبیل اللہ کا مصداق ہے، اور اشتراک علت کی بناء پر قیاس کے ذریعہ دونوں کو ایک قرار دینا، اور حکم کو ایک سے دوسرے کی طرف متعدی کرنا جائز نہ ہوگا۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے بموجب، مصارف زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے فیصلہ پر نہیں رکھا ہے، بلکہ خود ہی ان کو مقرر فرما دیا ہے (کما روی فی الحدیث)، لہٰذا یہ محل قیاس نہ ہوں گے۔

ایک شبہ کا جواب:

اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ فقہاء نے بعض مواقع پر مصارف زکوٰۃ میں قیاس کے ذریعہ حکم کو متعدی کیا ہے، اگر یہ محل قیاس نہ تھے تو انہوں نے یہ کیسے کیا؟ مثلاً فقہاء احناف نے اس شخص کو جس کا مال جاتا رہا ہو اور اسے اس پر قدرت نہ ہو، ابن السبیل (مسافر) کے ساتھ ملحق کیا ہے اور زکوٰۃ دینا اس کو جائز قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ نے زیلعیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وألحق به کل من هو غائب عن ماله وإن کان فی بلده؛ لأن الحاجة هی المعتبرة و قد و جدت؛ لأنه فقیر یداً وإن کان غنیاً ظاهراً“ (رد المحتار کتاب الزکوٰۃ)۔

تو جواب یہ ہے کہ یہ قیاس نہیں ہے، کیونکہ قیاس کہتے ہیں غیر منصوص پر اشتراکِ علت کی بنا پر منطبق کرنا، اور یہ یہاں نہیں ہے، بلکہ ایک منصوص حکم میں اس کے فرد ایک کو داخل کرنا ہے، چنانچہ ”من هو غائب عن ماله“ کو فقیر ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے، اس کو ابن السبیل میں شمار کرنا محض ایک نکتہ کی بناء پر ہے، ورنہ وہ فقیر کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہی

Marfat.com

مستحق زکوٰۃ ہے، جیسے علماء نے لکھا ہے کہ کسی نے دوسرے کو قرض دے دیا اور وہ ابھی وصول ہونے والا نہ ہوا اور اس دینے والے کو خرچ کے لئے حاجت پڑ جائے تو اس کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

آخر کے دو سوالات کے جواب اوپر کی معروضات سے واضح ہیں کہ ہمارے نزدیک مختلف دینی سرگرمیوں اور دعوتی کاموں کے لئے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

اور ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ جہاد عسکری و حج کے وسیع ہے۔ اور دوسرے امور اس میں داخل ہیں بھی تو وہ فقر کی شرط سے مشروط ہیں، دلائل گزشتہ صفحات میں پیش کیے جاچکے ہیں۔ ولا معنی لاعادتھا۔

خلاصۂ کلام (محور اول):

خلاصہ یہ کہ جن اموال پر زکوٰۃ ہے وہ پانچ قسم کے ہیں (۱) چوپائے (۲) سونا چاندی (۳) مال تجارت (۴) معدن ورکاز (۵) کھیتی اور پھل، اور ان پر وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط ملکِ تام ہے، یعنی مال مملوک بھی ہو اور قبضہ میں بھی ہو، لہٰذا:

۱- مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو مگر مال ہنوز وصول نہیں ہوا، اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی کہ قبضہ نہ ہوا۔

۲- اسی طرح اس پیشگی ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ خرید پر نہ ہوگی کہ اس پر ملکیت ہی نہیں ہے، البتہ بائع پر بعد حولان حول اس کی زکوٰۃ ہوگی، وھو ظاھر۔

۳- اڈوانس کی رقم پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی، کیونکہ قبضہ نہیں ہے، جیسے مال مرہون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۴- مدارس میں جمع شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ نہیں، کیونکہ اس کا بھی کوئی متعین مالک نہیں ہے۔

Marfat.com

۵- مال حرام پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کہ وہ مملوک ہی نہیں، البتہ اس کے مالکوں کو واپس کرنا اور معلوم نہ ہوں تو صدقہ کرنا اس مال حرام کا واجب ہے۔

۶- مگر مخلوط مال (یعنی حلال وحرام سے مخلوط) پر زکوٰۃ لازم ہے، کیونکہ خلط سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مگر یہ اس وقت واجب ہے جب کہ اس مخلوط مال کے علاوہ اس کے پاس دوسرا نصاب بھی ہو، ورنہ واجب نہیں، بلکہ اس مال مخلوط میں سے حرام مال کو اس کے مالکوں تک پہنچانا ضروری ہے، البتہ اس کے مالک اس کو بری کردیں تو پھر اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ دوسرا نصاب نہ ہو، اسی طرح اگر مالک معلوم نہ ہو تو بھی اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔

۷- دین کی زکوٰۃ، جبکہ دین مقرر ہو یا اس پر بینہ قائم ہو، دائن پر ہوگی، اور گذشتہ تمام سالوں کی واجب ہوگی، البتہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وصول ہو جائے اور جو مقروض وسعت کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہو، اس پر اس دین کی زکوٰۃ عائد کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس کو قرض کے ادا کرنے پر مجبور کرنا چاہئے۔

۸- پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ امام اعظمؒ کے مسلک پر لازم نہ ہوگی، اور صاحبینؒ کے مسلک پر لازم ہوگی، ان اموال زکوٰۃ پر وجوب زکوٰۃ کی دوسری شرط ''نما'' ہے، اور ''نما'' کے معنی زیادتی کے ہیں، اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک حقیقی نما جیسے جانوروں میں ہوتا ہے، اور دوسرے تقدیری نما جیسے سامان تجارت میں ہوتا ہے۔

تیسری شرط حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ہے، اور حاجت اصلیہ وہ ہے جس کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اپنے کو بچاتا ہے، اور یہ زمانہ کے تغیر سے متغیر ہوتی ہے، اور اس کا معیار بدلتا رہتا ہے، **مگر اس معیار کو مقرر کرنے کے لئے علماء کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے، عوام کی رائے پر نہ چھوڑنا چاہئے۔**

Marfat.com

چوتھی شرط یہ ہے کہ مال قرض سے محفوظ ہو، وہ قرض اللہ کا ہو یا بندوں کا اور اس کا کوئی مطالب بندوں میں سے ہو۔

طویل الاجل قرضوں کو مانع زکوٰۃ قرار دینا ایک قول پر ممکن ہے، مگر بہتر ہے کہ ایسے قرضوں کو مانع وجوب زکوٰۃ نہ قرار دیا جائے، ورنہ نظام زکوٰۃ ہی درہم برہم ہو جائے گا۔

۱- کمپنی کے اثاثہ پر اس وقت زکوٰۃ نہیں ہے جبکہ وہ تقسیم کے بعد کسی کا بھی نصاب نہ بنے، اور اگر بعض کا نصاب بنتا ہو یا سب کا تو زکوٰۃ مجموعہ پر واجب ہوگی، اور ایک دوسرے سے اپنے حصہ کے بقدر رجوع کریں گے۔

۲- ہیرے اور جواہرات جو زینت کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ جو بطور کنز کے رکھے جائیں ان پر زکوٰۃ ہونا چاہئے۔

۳- سامان تجارت پر زکوٰۃ، موجودہ بازاری نرخ کے حساب سے ہوگی، نہ کہ لاگت کے حساب سے، اور جو تھوک فروش بیوپاری ہو اس کے مال پر زکوٰۃ تھوک کے بھاؤ کے مطابق ہوگی، اور خوردہ فروش کے مال پر پھٹکر فروختگی کے بھاؤ سے۔

اور تجارت کی زمین پر زکوٰۃ ہے، اور متوقع قیمت کے مطابق زکوٰۃ ہوگی، البتہ فروختگی تک زکوٰۃ کو مؤخر کر دیا جائے تا کہ صحیح و قطعی قیمت معلوم ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

۴- تجارتی کمپنیوں کے شیرز پر زکوٰۃ لازم ہے، اور ان کی موجودگی بازاری قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی، اور بونڈز پر بھی زکوٰۃ ہے کہ یہ قرضہ ہے، البتہ ادائیگی کا وجوب بعد کیش کرانے کے ہوگا۔

محور ثانی:

۱- سونے چاندی میں سے سونے کو نصاب کے لئے اصل قرار دینا اوفق معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

محور ثالث:

۱- مدزکوۃ سے طلبہ کی فیس طعام وقیام وتعلیم وصول کرنا جائز ہے، خواہ چیک دے کر یا بغیر اس کے، مگر پہلے توکیل ہوجائے تو بہتر ہے۔

۲- مدارس کے سفراء اصح قول پر عاملین کے حکم میں ہیں، اور ان کو مدزکوۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے، اسی طرح زکوۃ کے حساب لکھنے والوں کو بھی اس سے دینا جائز ہے، مگر دوسرے حساب لکھنے والوں کو اس مد سے دینا صحیح نہ ہوگا، اور کمیشن دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر احقر کو کسی جانب اطمینان نہیں ہے،

مصرف ''فی سبیل اللہ'':

۱- حصر آیت مصارف زکوۃ میں حقیقی ہے، نہ کہ اضافی۔

۲- فی سبیل اللہ سے جمہور کے مطابق جہاد، یعنی غزوہ ہے، اور بعض کے نزدیک حج، اور قرآن وحدیث میں یہ تعبیر اسی کے لئے عام طور پر اختیار کی گئی ہے۔

۳- سلف کے اقوال سے ہٹ کر کوئی اور قول تفسیر قرآن میں اختیار کرنا روا نہیں ہے۔

۴- فی سبیل اللہ کا دائرہ غزوہ یا حج تک محدود ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس میں فقر شرط ہے، اور جمہور کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

۵- مصارف زکوۃ میں قیاس کو دخل نہیں، اور اس کی رو سے قلمی، ثقافتی وغیرہ جہاد کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ اور عمومی مصالح

مولانا محی الدین☆

فی سبیل اللہ کی توسیع میں دین کا نقصان ہے:

عوام کو یہ بات معلوم ہے کہ عمارت، مسجد و مدارس کی ضروریات، تنخواہیں، اشاعت وطباعت جیسے امور کے لئے للہ رقم چاہئے، عوام مسلمین اس کو پورا کر رہے ہیں، لیکن دائرہ کو وسیع کردیا گیا تو عوام کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ زکوٰۃ جملہ امور خیر میں بلا کسی فقر و تملیک کی شرط کے کافی ہوتی ہے تو صرف زکوٰۃ کی رقم دے کر وہ ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے، اور یقین جانئے ہند و پاک جیسے غریب ممالک میں پوری زکوٰۃ کی رقم صرف مدارس و مساجد کی عام ضرورتوں میں خرچ کردی جائے تو کافی نہیں ہوگی، کیونکہ اغنیاء کا تناسب کم ہے، پھر زکوٰۃ دہندگان کم ہیں۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ خدام دین کے نام پر اور علماء دین کے نام پر امت کا ایسا طبقہ زکوٰۃ پر قابض ہو جائے گا کہ اہل مدارس و مساجد تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، کالج اور یونیورسٹیاں چلانے والے خود کو خدام دین و مسلمین سے کیوں جدا سمجھیں گے، آپ کے لئے دائرہ نہایت تنگ ہو جائے گا۔

بعید نہیں کہ خدام الیکشن و ممبران پارلیمنٹ بھی اپنا بھتہ زکوٰۃ کی رقم سے وصول کرنے لگیں، کیونکہ وہ بھی مسلمین کے خادم ہیں، مساجد و مدارس کے علاوہ دیگر انجمنیں، ادارے،

☆فلاح دارین، ترکیسر گجرات۔

Marfat.com

اکیڈمیاں کی کوئی کمی نہیں اور بعید نہیں کہ فیصلہ کے بعد میں اور بھی اضافہ ہو جائے، اسی طرح فی سبیل اللہ کا اولین مصداق کسی بھی قسم کے وہ مبلغین اسلام ہوں گے جو تبلیغ دین کے لئے سفر کرتے ہیں، اور جب اغنیاء خدام کے لئے دروازہ کھل گیا تو تبلیغ دین کے نام پر غیر ممالک کے سفر میں بہت سہولت پیدا ہو جائے گی، اہل مکاتب جو یہ سمجھ کر کہ مکتب میں زکوٰۃ نہیں چلتی اپنے مکاتب کے لئے للہ رقم خرچ کرتے ہیں، وہ اولا زکوۃ کی رقم کو اپنے مکتب کے لئے ترجیح دیں گے، اصحاب عرس ومزار اور اصحاب نیاز کو تو عمدہ مصرف ہاتھ لگ جائے گا۔

رہے دوسرے چھ مصرف تو ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اللہ نے آپ کو ہاتھ پیر دیئے ہیں آپ غنی ہیں کماؤ اور کھاؤ، اور جو مجبور ہے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

حضرات شوافع کے یہاں اگر فی سبیل اللہ میں مجاہد غنی داخل ہے تو ان کے یہاں یہ اصول بھی ہے کہ ساتوں مصارف پر زکوۃ کی تقسیم واجب ہے، اس لئے مجاہدین سبع کے حقدار ہیں، بقیہ چھ مصارف کے لئے ہے، اور موسعین احناف کے یہاں تو ایک ہی گروہ کو سب کچھ دیدینا کافی ہوتا ہے۔

امام جب زکوۃ وصول کرتا ہے تو وہ تقسیم میں ایک نظام رکھتا ہے، اور ادارے اور انجمن زکوۃ وصول کر کے اپنی ہی اغراض میں خرچ کر دیں گے، اس لئے توسیع دائرہ فی سبیل اللہ کی نہ ضرورت ہے نہ عدم توسیع سے کوئی مشکل پیش آتی ہے۔

دلائل کا جائزہ:

اس تمہید کے بعد زیر بحث مسئلہ میں فریقین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

حنفیہ وجمہور کے اہم دلائل تو سوال نامے میں مذکور ہو چکے ہیں، اس لئے اہم کام تو صرف فریق ثانی (اہل توسیع) کے دلائل کا جائزہ ہی ہے، پھر بھی مختصر طور پر حنفیہ وجمہور کے دلائل کو بیان کیا جا رہا ہے اس کے ضمن میں سوال نامے کے سوالات کا جواب بھی مذکور ہے۔

Marfat.com

(الف) زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق غازی فقیر ہے یا وہ غازی جو اپنے وطن میں غناء کے باوجود اثناء غزوہ میں ضرورت مند بن گیا ہو یا زیادہ سے زیادہ وہ غازی جو صاحب نصاب ہے، لیکن غزوہ پیش آجانے کی بناء پر اسباب سفر و جہاد میں یہ نصاب زائد خرچ ہو کر مستحق اور مقروض بن گیا، اگرچہ ابھی غزوہ کا سفر شروع نہیں ہوا۔

(ب) جس طرح فقر مشروط ہے، اسی طرح تملیک بھی مشروط ہے، احناف فقر تملیک کو اس لئے مشروط قرار دیتے ہیں کہ تملیک رکن ہے، مصرف فقیر ہے، علت فقر ہے اور غرض سد حاجۃ الفقیر ہے۔آیتِ کریمہ جس کا ترجمہ ہے:

(صدقات ان فقراء (محتاجوں) کے لئے ہیں جو اللہ کے راستہ میں محصور ہیں، کسب معاش کے لئے سفر کی قدرت نہیں ہے (انہماک فی الدین کی وجہ سے) ناواقف ان کو سوال سے احتراز کی بناء پر غنی سمجھتا ہے تم ان کی حالت کو (چہرہ پر نمایاں) علامات (نیز لباس) وغیرہ سے جان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر (باصرار) نہیں مانگتے ہیں) (سورہ بقرہ: ۲۷۳)۔

یہ آیت مہاجرین صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن کثیر) اور تفسیر نسفی میں ہے کہ ان چار سو اصحابِ صُفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کا نہ مدینۃ الرسول میں گھر تھے نہ ان کے قبائل تھے، جملہ سرایا میں شرکت کرتے تھے، پھر مسجد الرسول ﷺ میں آکر مقیم ہوتے تھے۔

آیتِ کریمہ صدقات کے فقراء کے ساتھ مخصوص ہونے پر حجت تو یہ ہے، مطلق صدقاتِ نافلہ یا مفروضہ کے لئے مصرف بتلاتے ہیں کہ ان فقراء کو دینا راجح ہے جن میں فقر کے ساتھ یہ اوصاف ہوں، وہ منہمک فی الدین ہوں، کسب معاش کی جنہیں فرصت نہ ہو، اور شان نزول مذکور سے پوری وضاحت ہوجاتی ہے، پھر حاجت مند ہوتے ہوئے ان کی شان یہ ہے کہ وہ ہاتھ نہیں پھیلاتے اور غنی سمجھ کر لوگ دیتے بھی نہیں، اس لئے ترغیب کی ضرورت پیش آئی، مذکورہ آیت کریمہ کے پیش نظر اس کے بعد سورہ توبہ کی آیتِ کریمہ: "إنّما الصّدقات للفقراء" میں فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعیین میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ فی سبیل اللہ سے "منقطع

Marfat.com

الغزاۃ'' وہ مجاہدین مراد ہیں جو اپنے فقر اور عدیم الفرصتی کے سبب صدقات کے مستحق ہیں، اسی طرح وہ سب لوگ شامل ہو جائیں گے، جو انہماک فی امور الدین کے سبب کسب معاش سے معذور ہیں، مستحقین میں یہ لوگ قابل ترجیح اور زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔

کسب معاش کی فرصت نہ ہونا انہماک فی الدین کا لازم ہے اور کسب معاش نہ ہونے سے فقر لازم ہے، نیز فقراء کی تصریح بھی ہے۔

تملیک بھی ضروری ہے:

صدقات کے باب میں جناب نبی کریم علیہ السلام کا معمول اور امت کا عام تعامل تملیک کا ہی رہا ہے، یہ سب سے قوی حجت ہے صدقہ میں تملیک مشروط ہونے کی، کسی ایک روایت سے صدقہ میں عدم تملیک معلوم ہوتی ہو تو دیگر حجتوں کو نظر انداز کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، جب کہ عدم تملیک کی روایت مؤول ہے جس پر آئندہ اہل توسیع کے دلائل کے جائزہ کے ضمن میں کلام ہوگا۔

چنانچہ ''ابوداؤد و مسلم شریف'' کی حدیث:

''عن أنس أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتی بلحم قال ماھذا؟ قالوا: شئی تصدق به علی بریرۃ فقال: ھو لھا صدقة ولنا ھدیة۔'' (ابوداؤد ار ۲۳۴)۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کیا ہے؟ کہا کچھ گوشت ہے جو حضرت بریرۃؓ کے پاس صدقہ میں آیا تھا، تو ارشاد فرمایا وہ ان کے لئے صدقہ ہے ہمارے لئے ہدیہ ہے''۔

یہ روایت اور اس جیسی دوسری روایات سے صدقہ میں تملیک ثابت ہوتی ہے۔

صدقہ اور وقف منقول میں مابہ الامتیاز تملیک ہی ہے، اگر صدقہ سے تملیک کی شرط کو حذف کر دیا جائے تو کوئی صدقہ نہیں رہے گا، وقف ہو جائے گا، اس لئے صدقات سے یکسر تملیک کو ختم کر دینے کا جواز نہیں رہتا، رہی یہ بات کہ صدقات کو تملیک و عدم تملیک دونوں سے عام مانا

Marfat.com

جائے اور فی سبیل اللہ سے وقف مراد لیا جائے کہ صدقہ کا ایک مصرف وقف ہے (تو یہ تعامل کے خلاف ہے) لیکن بالفرض اگر ہم اس دعویٰ کو تسلیم کر لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے عدم تملیک کے مفہوم کے پیش نظر یہ وقف علی الفقراء کے ساتھ مخصوص ہے یا وقف علی الفقراء والأغنیاء پر عام ہے۔

اگر وقف علی الفقراء کے ساتھ مخصوص ہے تو اہل توسیع کے مقصد کے موافق نہیں، اس سے رفاہِ عام کے کاموں، تعمیر مساجد و مدارس، ہسپتال اور تنخواہوں میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں نکلے گی، بلکہ صرف فقراء پر بلا تملیک خرچ کرنے کی گنجائش رہے گی، اس میں علماء اغنیاء اور مجاہدین اغنیاء کو شامل نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ حضرات شوافع نے اغنیاء مجاہدین کو اس میں شامل مانا ہے، اور علماء اغنیاء کو اہل توسیع شامل کرنا چاہتے ہیں۔

اور شوافع کے لئے، نیز اہل توسیع کے لئے اغنیاء کو شامل کرنے کی جو حجت پیش کی گئی ہے وہ ناکام ہو جاتی ہے، وہ حجت یہ حدیث ہے:

"لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة غازفي سبيل الله أولعامل عليها أولغارم أورجل إشتراها بماله أولرجل كان له جار مسكين فتصدق علىٰ المسكين للغني" (ابوداؤد و مالک)۔

(صدقہ غنی کے لئے حلال نہیں، مگر پانچ کے لئے، غازی فی سبیل اللہ کے لئے، عامل کے لئے یا مقروض کے لئے یا اس شخص کے لئے جس نے اپنے مال سے صدقہ خرید لیا یا کسی کا فقیر پڑوسی ہے جس پر صدقہ ہوا اس فقیر نے غنی پڑوسی کو ہدیہ دے دیا)۔

کیونکہ اس حدیث میں اس صدقہ کے بارے میں حکم مذکور ہے جس میں تملیک ہو، عامل کے لئے تملیک ہے، غارم کے لئے تملیک ہے، اور آخری دو میں تو حیلۂ تملیک کی طرف اشارہ ہے۔

اس لئے مذکورہ حدیث کو استلال میں پیش کرنا مفید نہ ہوگا۔

Marfat.com

اور اگر فی سبیل اللہ سے وقف (صدقہ بلاتملیک) اغنیاء فقراء سب کے لئے عام ہوتو: "لا تحل الصّدقة لغنیٔ" سے اِستثناء کی پھر ضرورت نہیں رہتی، حالانکہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حدیث وارد ہے، بہرحال فی سبیل اللہ سے بلاواسطہ وقف (صدقہ خالی عن التملیک) مراد ہونے پر نہ روایات مؤید ہیں نہ آیات، خصوصاً سورۂ توبہ کی آیت: "إنما الصدقات الخ" کا سیاق بتلارہا ہے کہ ہر مصرف میں تملیک ملحوظ ہے، ورنہ وفی الرقاب وفی سبیل اللہ کو آخر میں ذکر فرماتے، وفی الرقاب کے بعد الغارمین۔ اور فی سبیل اللہ کے بعد ابن السبیل کا لے آنا دلیل ہے کہ غارمین میں تملیک کی طرح وفی الرقاب میں تملیک ہے، اور ابن السبیل میں تملیک کی طرح فی سبیل اللہ میں تملیک ہے، ورنہ نظم قرآنی میں معنیٰ ومفہوم کے لحاظ سے بے ترتیبی اور گڑبڑ کا قائل ہونا پڑے گا، اور یہ کلام اللہ کی فصاحت وبلاغت کے خلاف ہے۔

مصارف میں فقر بنیادی حیثیت رکھتا ہے:

دراصل سورۂ توبہ کی آیت: "إنما الصدقات" سے اسباب فقر کا ذکر مقصود ہے، یعنی ان اصناف مذکورہ میں عمومی طور پر فقر کا تحقق ہوتا ہے۔

اگر ان جملہ اصناف میں فقر کو ملحوظ نہ رکھا جائے، فی سبیل اللہ میں غازی غنی، ابن السبیل غنی اور غارم غنی اور اہل توسیع کے مطالبہ پر عالم غنی کو بھی شامل کرلیا جائے، تو ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ عالم غنی، مبلغ غنی، مجاہد غنی ہمیشہ علم وتبلیغ میں منہمک ہیں، اس لئے ان کے غناء کے باوجود ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہ ہو، اور یہ نص کے خلاف ہے، اسی طرح جو شخص اپنے اوپر قرض کرلے، بینک سے بڑی لون اٹھالے پھر قرض کو منہا کرنے کے بعد وہ صاحب نصاب رہتا ہے تب بھی اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو اور غازی اور ابنُ السبیل غزوہ اور سفر میں ان کے پاس نصاب موجود ہوتے ہوئے بھی ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، حالانکہ یہ معقول کے بھی خلاف ہے، اور منقول کے بھی خلاف ہے۔

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ میں فقر کی شرط معقول ہے:

معقول کے خلاف اس لئے کہ عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ جو بالفعل مستحق زکوٰۃ ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہو، احناف کے یہاں تو غازی اور ابن السبیل حالت غزوۃ اور سفر میں بالفعل حاجت مند ہوتے ہیں، اس لئے اخذ زکوٰۃ ان کے لئے جائز ہوتا ہے، لیکن وطن میں ان کے مال میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، کیونکہ حیثیت بدل جاتی ہے، لیکن ایک ہی وقت ایک ہی حیثیت میں ایک شخص مستحق اور مصرف زکوٰۃ بھی ہو اور اسی حیثیت میں زکوٰۃ اس پر فرض ہو یہ عقلاً و شرعاً ممنوع ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ سلطان جائر پر زکوٰۃ فرض نہ ہو سکے کہ سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''پہلے یہ بات گزر چکی کہ فقراء کے لئے جو مال کی وصیت ہوئی ہو وہ مال اگر سلطان جائر کو دیدیا جائے تو وجوب ساقط ہو جائے گا، پس اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا جواز اس پر زکوٰۃ فرض ہونے کے منافی ہے'' (شامی)۔

''اگر چہ دوسری حیثیت سے زکوٰۃ لینا جائز ہوتا ہے، اس کے مال میں زکوٰۃ فرض ہو، اس کے باوجود جیسے مسافر یا وہ شخص جس کا لوگوں پر قرض مؤجل ہے، لوگ دے نہیں رہے ہیں، تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ اپنے مال پر ان کو قدرت نہیں ہے'' (شامی)۔

مصرف زکوٰۃ میں فقر مشروط ہونے پر نقلی دلیل:

مصرف زکوٰۃ میں فقر کا مشروط نہ ہونا منقول کے بھی خلاف ہے، اس لئے ''بخاری شریف'' میں ضمان ابن ثعلبہ کی آمد والی روایت میں انسؓ بن مالک سے مروی ہے:

'' أنشدک بالله آلله أمرک أن تأخذهذه الصدقة من أغنيائنا فتقسمها علیٰ فقرائنا فقال النبی ﷺ اللّهم نعم''

(میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ

Marfat.com

زکوٰۃ ہمارے اغنیاء سے لے کر فقراء پر تقسیم فرمائیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: جی! اللہ نے یہ حکم فرمایا ہے)۔

دیگر فقہائے کرامؒ نے اس بارے میں حضرت معاذؓ کی روایت سے استدلال کیا جس میں نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم فرمایا:

"أخبرهم أن الله تعالىٰ قد فرض عليهم زكاة تؤخذمن أموالهم (من أغنياء هم و ترد علىٰ فقرائهم" (بخاری شریف: ۱/۱۹۶)

ان مذکورہ روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں ایک فریق اغنیاء ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، دوسرا فریق فقراء ہے جن پر زکوٰۃ صرف ہوتی ہے اور امر کا تقاضہ ہے کہ اس تقسیم پر عمل لازم ہو، اس لئے اغنیاء کو زکوٰۃ دینا جائز ہو یا اغنیاء پر زکوٰۃ فرض نہ ہو تو مذکورہ تقسیم کے منافی ہوگا۔

چنانچہ حضرت علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اپنی تفسیر "أحکام القرآن" میں رقمطراز ہیں:

"جو لوگ بھی صدقہ کے مستحق ٹھہرے ہیں وہ صدقہ کو فقر کی بنیاد پر ہی لیں گے۔، مؤلفہ قلوب اور عاملین بطور صدقہ نہیں لیتے، صدقہ امام کے ہاتھ میں فقراء کے لئے پہنچتا ہے، پھر امام فقراء اور باقی مسلمین سے مؤلفہ قلوب کی ایذا کی مدافعت کے لئے دیتا ہے اور عاملین کو ان کے اعمال کے عوض دیتا ہے بطور صدقہ نہیں دیتا، ہم یہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم ہوا ہے کہ صدقہ تمہارے اغنیاء سے وصول کروں اور تمہارے فقراء پر تقسیم کروں، تو نبی ﷺ نے واضح فرمادیا کہ صدقہ فقراء پر صرف ہوگا، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کوئی بھی شخص صدقہ کا بطور صدقہ کے فقر کی بنیاد ہی پر مستحق ٹھہرے گا، اصناف مذکورین تو اسباب فقر کے طور پر ذکر کی گئی ہیں" (احکام القرآن ۳/۸۵)۔

آگے علامہ رازیؒ فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ سے صدقہ کا استحقاق جن کو پہنچتا ہے اس کی علت وہ نام ہیں جو بیان کردہ ہیں یا حاجت ہے یا دونوں علت ہیں، اگر نام علت استحقاق ہے تو ہر غارم اور ہر ابن السبیل

Marfat.com

مستحق ہونا چاہئے اگر چہ غنی ہو، اور یہ باطل ہے اگر تسمیہ اور حاجت دونوں علت ہوں تو کسی شخص میں فقر و ابن السبیل دونوں جمع ہو جائیں تو اس کو دوھرا استحقاق ہونا چاہئے (دو سہم ملنا چاہئے) پس جب کہ دونوں وجہ باطل ہیں تو یہ وجہ متعین ہو جاتی ہے کہ حاجت علت استحقاق ہے“ (احکام القرآن ۳/ ۱۷۳)۔

ان مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ میں جو بھی داخل ہو اور اس کا دائرہ کتنا ہی وسیع کر دیا جائے استحقاق صدقہ فقر کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے،

علامہ محمد بن ابی سہیل السرخسیؒ (شمس الائمہ سرخسیؒ) ”السیر الکبیر“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”مذکورہ حدیث کا مطلب (تاویل) ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب غازی اپنے وطن کے لحاظ سے غنی ہے، لیکن جہاں وہ موجود ہو اس جگہ اس کے پاس مال نہیں ہے، تو اس وقت اس کے لئے اس قدر صدقہ لینے کی گنجائش ہے جس سے اس کو قوت مل جائے، ایسے ہی غارم جبکہ اس کا مال غائب ہو یا لوگوں کے ذمہ قرض ہو اس کو وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ دونوں اس وقت ابن السبیل کے درجہ میں ہیں، لیکن جس کا مال اس کے پاس ہو اور جس قدر دین اس پر ہے اس سے زائد ہو کر بقدر نصاب ہو تو اس کے لئے صدقہ دینا لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مطلقاً فرمایا کہ کسی غنی کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے، البتہ عامل تو وہ اپنے عمل کے مقابلہ میں لے رہا ہے اس کے حق میں یہ مال صدقہ نہیں ہے، لہٰذا اس کا غنیٰ اس مال کو لینے سے مانع نہیں ہے (شرح سیر کبیر ۱/ ۳۳)۔

حضرت علامہ کاسانیؒ ”بدائع الصنائع“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”فی سبیل اللہ نام ہے بجملہ قربتوں کا، پس ہر وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں اور خیر کے راہوں میں کوشاں ہے وہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ جب کہ محتاج ہو“ (بدائع الصنائع ۲/ ۴۵)۔

آگے اپنے معمول کے مطابق ائمہ کے اقوال وحجج کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

ہماری حجت نبی کریم ﷺ کی (مطلق روایت) "لاتحل الصدقة لغنی" ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد "أمرت أن أخذ الصدقة من أغنیاء کم وأردها إلیٰ فقراء کم" ہے پس اگر صدقہ غنی کو دینا جائز قرار دیا جائے تو تقسیم فی الروایت باطل ہو جائے گی، اور یہ جائز نہیں ہے، البتہ حجت شوافع میں غازی کا استثناء محمول ہے حاجت درپیش ہونے پر اور ایسے غازی کو غنی کہنا حاجت پیش آنے سے قبل کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غنی ہے پھر اس کو حاجت پیش آئی، اس کے پاس رہنے کے لئے مکان ہے استعمال کے لئے اسباب ہے، پہننے کے کپڑے ہیں۔ اور ان ضروریات کے علاوہ دو سو درہم زائد بھی ہے، اس حیثیت سے اس کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے، پھر وہ جہاد کے لئے سفر کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو ضرورت پڑتی ہے، اسباب سفر کی ہتھیاروں کی، غزوہ کے لئے سواری کی، اپنی معاونت کے لئے خادم کی، ان چیزوں کا محتاج حالت اقامت میں نہیں تھا، تو جائز ہے کہ اس کو صدقات کے مال میں سے اس قدر دیا جائے جو اس کی ضروریات کی کفایت کرے، تو یہ شخص اپنے مقام کے لحاظ سے غنی ہے، حالت سفر کے لحاظ سے محتاج ہے، اس لئے "لاتحل صدقة لغنی إلاّ لغاز فی سبیل الله" کو محمول کریں گے، اس شخص پر جو حالتِ اقامت میں غنی ہے، لیکن سفر میں درپیش ضرورت کی بناء پر محتاج ہے تو اس احتیاج کی بناء پر اس کو کچھ دیا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کو غنا کی حالت میں دیا جا رہا ہے (بدائع الصنائع ۲/۴۶)۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ علامہ سرخسیؒ اور علامہ کاسانیؒ نے غازی فی سبیل اللہ کو حالتِ احتیاج میں بقدر ضرورت دینے کا حکم فرمایا۔

تو پھر علماء اغنیاء کو مطلقاً زکوٰۃ دینے کا جواز کیسے نکالا جائے، ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم کے لئے کتب علم ضروریات اصلیہ میں داخل ہیں، تو جو عالم کتابیں خریدنا چاہتا ہو اگر دیگر ضروریات سے دو سو درہم زائد ہوں جس سے صاحب نصاب بن جاتا ہے، لیکن کتب علم کے ضروریات میں داخل ہونے کی بناء پر یہ دو سو درہم ایسے صاحب ذوق کے لئے زائد از ضرورت نہ سمجھتے ہوئے جب کہ وہ اس دو سو درہم کو کتابوں پر صرف کر دیتا ہے یا ارادہ رکھتا ہے

Marfat.com

کتابوں کے خریدنے کا تو زکوٰۃ دینا جائز ہو جائے گا، اس لئے نہیں کہ وہ غنی ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ صاحب نصاب درحقیقت ہے ہی نہیں۔

حضرت علامہ بدرالدین عینیؒ نے امام اعظمؒ پر وارد شدہ اعتراض کا جواب خوب صاف طور پر دے دیا:

''صاحب التوضیح نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کا قول کہ غازی محتاج ہو تب ہی زکوٰۃ اس کو دی جاسکتی ہے، ظاہر کتاب وسنت کے خلاف ہے، کتاب کے خلاف اس لئے کہ فی سبیل اللہ ارشاد ہے اور حدیث تو عبدالرزاق عن معمرؒ الخ۔ ''لاتحل لصّدقة لغنی إلاّ لخمسة الخ'' (عمدۃ القاری ۹/۴۵)۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں، صاحب ''التوضیح'' اکابر کے ساتھ حسن ادب سے پیش نہیں آئے۔ ابوحنیفہ نہ کتاب کی مخالفت کی نہ سنت کی، ابوحنیفہؒ نے تو حدیث پر عمل کیا اپنے مذہب میں وہ حدیث نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: '' لا تحل الصدقة لغنی''۔ اور مراد اس حدیث میں جس کو صاحب توضیح نے پیش فرمایا، غازی فی سبیل اللہ سے وہ غنی غازی مراد ہے جو جسمانی لحاظ سے تندرست اور کسب معیشت پر قادر (بالقوۃ) ہے، ایسا غنی مراد نہیں ہے جو نصاب شرعی کا مالک ہو، حضرت معاذؓ کی اس حدیث کی بنیاد پر جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، صدقہ فقراء کو دیدو'' (عینی ۹/۴۵)۔

اور یہ اشکال کہ فی سبیل اللہ سے غازی غنی مراد نہیں ہے تو پھر وہ فقراء یا ابن السبیل میں داخل ہے اس کو جدا بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تو اولا یہ جواب ہے کہ غازی کے لئے سفر ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ ابن السبیل میں داخل ہو، دوسری بات یہ ہے کہ علامہ ابن نجیمؒ نے ''البحرالرائق'' میں ارشاد فرمایا: ویسے تو سب فقراء میں داخل ہیں، لیکن منقطع الغزاۃ والحج کے لئے فی سبیل اللہ سے استحقاق کا ایک امتیازی وصف الانقطاع فی عبادۃ اللہ تعالیٰ ہے (یعنی انہماک فی الدین) اس امتیازی شان کی بناء پر فی سبیل اللہ دوسرے مصارف سے ممتاز ہو جاتا ہے (بحرالرائق ۲۴/۱)۔

Marfat.com

اہل توسیع کے دلائل کا جائزہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر فریق مخالف کے دلائل کا بھی جائز لے لیا جائے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے غازی غنی مراد ہے اور اسی بنیاد پر زیر بحث مسئلہ بھی وجود میں آیا ہے کہ علماء بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہیں، اگر چہ اغنیاء ہوں کیونکہ وہ دین کی خدمت میں منہمک ہیں، یا جہاد قلمی ولسانی میں مشغول ہیں۔

ان حضرات کی مستدل وہ روایت ہے جو ابوداؤد اور مالک کے حوالہ سے پہلے مذکور ہوئی۔

اس روایت کے بارے میں گذر چکا کہ مؤول ہے، خود قائلین بھی کہتے ہیں کہ وہ مجاہد جس کے لئے بیت المال سے وظیفہ جاری نہ ہو، اور حکومت سے کچھ لیتا نہ ہو، ایسا مجاہد مراد ہے۔

تو کیا وہ علماء جو تنخواہیں لیتے ہیں یا کسب معاش ان کو حاصل ہے ایسے اغنیاء علماء کے لئے اس حدیث سے زکوٰۃ لینا جائز ہوسکتا ہے، جب کہ حضرت امام احمدؒ نے ''سیر کبیر'' میں فرمایا: غازی غیر غنی مراد ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ محل قیاس ہیں یا نہیں:

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو حصر وارد ہوا ہے وہ حقیقی ہے، عام فقہاء ومفسرین نے جو کچھ بیان کیا اس کے ساتھ خاص طور پر ''ابوداؤد'' کی اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے، جو زیاد بن حارث الصدائیؓ سے مروی ہے:

''زیاد بن حارث الصدائی فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، اور آپ ﷺ سے بیعت کی (پھر طویل حدیث ذکر کی) پھر ایک شخص آیا اور کہا، مجھے صدقہ کا مال دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں نہ کسی نبی کے فیصلہ

Marfat.com

پر خوش ہیں نہ غیر نبی، بلکہ خود ہی اس بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے، اور صدقات کے آٹھ مصرف (اجزاء) بیان فرمائے ہیں تم اگر ان مصارف میں سے ہو تو میں تم کو تمہارا حق دیدوں گا'' (ابوداؤد ار۲۳۰)۔

روایت دلالت کرتی ہے کہ اصناف ثمانیہ میں حصر آیت کریمہ کے اندر حقیقی ہے، روایت میں ثمانیہ کا عدد خاص ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں دوسرے کسی کو دخیل نہیں بنایا، اور دخیل بنانے پر خوش نہیں ہے، یہ انداز بیان بتلا رہا ہے کہ اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے اور کوئی شخص اصناف ثمانیہ پر نویں یا دسویں صنف کے اضافہ کا مجاز نہیں ہے۔

ہاں یہ اصناف جن اسباب فقر واحتیاج کی نشاندہی کر رہی ہیں وہ اسباب جس میں پائے جائیں وہ ان اصناف میں سے کسی کے دائرہ میں داخل ہو کر مستحق صدقہ بن سکتا ہے۔

ہر صنف کا ایک دائرہ ہے، جیسے فقر اور مسکنت کے دائرہ کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ کا ایک دائرہ ہے، اس دائرہ میں جو بھی آئے گا وہ مستحق ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ اصناف ثمانیہ میں داخل ہے، نہ یہ کہ وہ صنف مستقل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت:

حضرت شاہ صاحبؒ نے جن دلائل کی بنیاد پر یہ فیصلہ فرمایا ہے، اور حصر کو اضافی قرار دیا ہے، وہ دلائل بھی ایسے زوردار نہیں ہیں کہ جمہور کے مقابلہ ان کو ترجیح دی جائے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور ابولاسؓ کی روایت سے استدلال میں جیسا کہ بیان ہوا تملیک کی نفی نہیں ہے، نیز حضرت علامہ عینیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں زکوٰۃ سے غلام آزاد کرنے کو جائز سمجھتا تھا، پھر میں اس سے باز آ گیا، اس لئے کہ میں نے کوئی سند نہیں دیکھی جو صحیح ہو، جو یہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے سامنے حجت کے طور پر ابن عباسؓ کی روایت پیش کی گئی تو فرمایا یہ مضطرب ہے (دیکھئے: عمدۃ القاری ۹ر۴۹)۔

Marfat.com

جمہور کی اس دلیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباسؓ کا ''وفی الرقاب'' سے اعتاق عبد مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مکاتب کے ثمن میں اعانت ہے، اور مکاتب کو دینے میں تملیک ہے۔

اس قدر احتمالات اور تاویلات کے بعد حدیث کو صرف اس پر محمول کر لینا کہ وقف کر دینا زکوٰۃ اداء کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ میں بالکل تملیک کی ضرورت نہیں بحیثیت استدلال کمزور ہے جب کہ دوسرے نصوص سے معارض بھی ہو، اور جب کہ خود شاہ صاحبؒ بھی مطلق تملیک کے منکر نہیں ہیں۔

اس لئے یہ بعید ہے کہ ابولاسؓ کی حدیث کو مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کی تفسیر قرار دے دیا جائے، ہاں جو لوگ مجاہدین فی سبیل اللہ کے معنی میں آ جاتے ہیں، انہماک فی الدین انقطاع الی اللہ کی وجہ سے عدم استطاعت للکسب اور فقر میں مبتلاء ہیں وہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل ہو کر اصنافِ ثمانیہ کی حیثیت سے زکوٰۃ کے مستحق ٹھہریں گے۔

رفاہ عام کے لئے عمدہ آمدنی:

لیکن فی سبیل اللہ میں اس قدر توسیع کہ ہسپتال اور رفاہِ عام کے سب کام اس میں داخل ہو جائیں، خود شاہ صاحبؒ کے مقصد کے بھی خلاف ہے، وہ خود ہی بیان فرما چکے ہیں کہ وہ اموال جو لاوارث ہیں، ان کو رفاہ عام پر خرچ کیا جائے گا۔ جیسے نہروں کی کھدائی، مساجد اور پلوں کی تعمیر وغیرہ۔

ہمارے زمانہ میں زکوٰۃ کا مال اس قدر کثیر نہیں ہے کہ توسیع کے بعد ان تمام ضروریات میں کافی ہو جائے، ان نوائب کے لئے مسلم قوم کے پاس ایک سرمایہ ہے جس کا مصرف بجا طور پر رفاہ عام ہے، وہ سود کا سرمایہ ہے جو بنکوں میں جمع ہے، احوال زمانہ کے لحاظ سے اس گنجائش سے ضرور فائدہ اٹھایئے۔

Marfat.com

حدیث قسامۃ:

جولوگ زکوۃ کی رقم مسلمین کے رفاہ عام میں خرچ کرنے کے قائل ہیں ان کی سب سے مضبوط دلیل (ان کے خیال سے) حدیث قسامۃ ہے، جس میں یہ تذکرہ ہے: ”فوادہٗ من إبل الصدقة“ یعنی یہود کی طرف سے نبی کریم ﷺ نے دیت ادا کی اور دیت کے اونٹ صدقہ کے اونٹ تھے۔

حضرت نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمہور شوافع و دیگر جمہور فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقات کے اونٹ اہل صدقات کو مالک بنانے کے بعد ان سے خرید لئے پھر اولیاء مقتول کو شرعاً دیدیا، اور ابواسحاق مروزیؒ اصحاب شوافع میں سے فرماتے ہیں: کہ دیت کا ادا کرنا زکوۃ کے اونٹوں سے جائز ہے، بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اولیاء مقتول محتاج تھے، اور زکوۃ ان کے لئے جائز تھی، کہتے ہیں یہ تاویل باطل ہے، اس لئے کہ اس قدر کثیر مال زکوۃ ایک ہی شخص کو نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور پھر آپ ﷺ اس کو زکوۃ نہیں دیت کہہ رہے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ قلوب کے حصہ میں سے یہ دیت ادا کی گئی، یہود کی تالیف کے لئے تا کہ وہ اسلام لے آئیں، تاویل ضعیف ہے، اس لئے کہ زکوۃ کافر کو دینا جائز نہیں۔

پس مختار وہی تاویل ہے جو ہم نے جمہور سے نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقات کے اونٹ خرید لئے تھے، لیجئے حضرت امام نوویؒ نے فیصلہ فرمادیا کہ جمہور کی تاویل مختار و راجح ہے (نووی ۱/۵۵۰، تکملہ فتح الملہم)۔

ضمیمہ:

۱- شیرز کی زکوۃ وقت ادا میں بازاری قیمت پر ادا کی جائے گی، آمدنی پر بھی زکوۃ آئے گی، اگر آمدنی خرچ نہیں ہوگئی ہے تو دیگر نقد کے ساتھ حساب میں آجائے گی، صاف آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی، اگر مزکی پہلے سے صاحب زکوۃ چلا آرہا ہے تو حولان حول پر جو کچھ باقی ہے وہ

Marfat.com

فاضل عن الحاجة الأصلية ہی شمار ہوگا، اس لئے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر حولان حول نہیں ہوا ہے، اور حولانِ حول سے قبل ہی زکوٰۃ معجّل ادا کرنا چاہتا ہے تو اپنی حاجت اصلیہ کے بقدر کل مال نقد میں سے منہا کر کے ادا کردے۔

حولان حول پر جو کچھ ہے اس حساب سے زکوٰۃ ادا ہوگی، درمیان میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہوتا، نفع وہ شمار ہوگا جو حاصل ہو۔

شیئرز مالِ تجارت ہے، اس پر زکوٰۃ ضرور آنا چاہئے، خواہ طویل مدت گزر جائے کیونکہ جو حصص ہیں وہ مال تجارت کی ہیر پھیر میں لگے ہوئے ہیں، آمدنی تو نقد میں منقسم ہو جائے گی، شیرز اگر آلات حرفت کے ہیں، تو زکوٰۃ شیرز پر نہیں آئے گی، آمدنی پر آئے گی۔

شیئرز کو بیچنے کی صورت میں بیچنے سے جو نقد حاصل ہو اس پر زکوٰۃ آئے گی، اگر یہ قیمت کچھ مدت کے بعد حاصل ہو تو سمجھنا چاہئے کہ مشتری کے ذمہ دین ہے، دین قوی وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ ماضی کی بھی واجب ہوتی ہے، فروخت سے پہلے شیرز کی جو آمدنی ہمارے نام لگ چکی اس پر بطور نقد زکوٰۃ آئے گی۔

۲- جو کچھ نفع ہو چکا حولان حول پر اس میں سے جو باقی ہو اس پر نقد کے حساب سے زکوٰۃ آئے گی، اور جو اسٹاک بچا ہے وہ سامان تجارت ہے اس پر تجارت کے لحاظ سے زکوٰۃ آئے گی، ٹھیک ہے اگر جانور بطور آلات حرفت ہیں تو صرف آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی، اگر مرغی کا فارم ہے اور مرغی بکتی بھی ہے تو پھر کل کو مال تجارت شمار کیا جائے گا۔ ورنہ غالب کا اعتبار ہوگا۔

۳- نیا سال شروع ہو رہا ہے اور حولان حول سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تب اخراجات کو منہا کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس صورت میں ہر شخص کے سالانہ اخراجات اصلیہ کو منہا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، مثلاً ایک شخص کے پاس سکونت کا مکان نہیں ہے، اور وہ چالو سال میں مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے اور حولان حول سے قبل ہی زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو مکان کا خرچ منہا کرے گا، اگر حولان حول کے بعد زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو منہا کرنے کا سوال نہیں رہتا، اس لئے کہ

Marfat.com

حولان حول پر جو کچھ بچ رہا، دین کے علاوہ وہ فارغ عن الحاجۃ ہی شمار ہوگا۔

۴۔ ٹیکس سے بچنے کے لئے تو حکومت کی ان اسکیموں میں حصہ لیا جاسکتا ہے، جو امدادی طور پر چلتی ہیں، اور جو آمدنی خالص سود کی تعریف میں داخل ہوں اس کو اس قسم کے ظالمانہ ٹیکس میں ادا کرسکتی ہے، اور جو آمدنی سود کی تعریف میں نہیں آتی اس کا لینا جائز ہے، البتہ خالص سودی کاروبار کرنے والے اداروں میں اختیاری حصہ لینا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تعمیم

مولانا محمد راشد☆

فی سبیل اللہ کے معنی کی تعیین سے قبل اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ زکوۃ کا مقصد اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ صحیحین کی ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کی طرف نہایت ہی واضح اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے انہیں تلقین فرمائی کہ اہل یمن کو بتلانا کہ:

”إن اللہ قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من أغنیائهم فترد علی فقرائهم“ (متفق علیہ بحوالہ)۔

آیت کریمہ: ”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ“ کے تحت صاحب ”تفسیر مظہری“ تحریر فرماتے ہیں:

”قلت المراد بالآیة واللہ اعلم ان مصرف الصدقات هم الفقراء فقط دون الاغنیاء وهوأعم من المسکین وغیره من الأصناف...الخ“ (تفسیر مظہری ۲۳۱/۴)۔

قرون اولی کے مجتہدین جن سے قطع نظر کر کے اس دور میں بھی پیش آمدہ کسی مسئلہ میں تحقیق وتخریج اجتہاد واستنباط کی کوئی قابل اعتبار بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ ان حضرات کے درمیان حقیقت زکوۃ کے سلسلہ میں دو نقطہ نظر رہے ہیں۔ ایک تو یہ زکوۃ

☆ استاذ دار العلوم دیوبند۔

Marfat.com

صرف فقیر ہی کو دی جاسکتی ہے اور سورہ توبہ میں جو آٹھ اصناف بیان ہوئے ہیں وہ فقیر ہی کی انواع میں داخل ہیں حتی کہ عامل صدقہ بھی مال زکوۃ سے اسی بنا پر لیتا ہے کہ وہ وکیل فقراء ہونے کی وجہ سے حکما فقراء ہی میں داخل ہے۔

"لأنهم وكلاء الفقراء فى أخذ الصدقات و تقسيمها مشغولون بأمورهم فيجب عليهم مؤنتهم فهم فقراء حكما" (تفسیر مظہری ۴/ ۲۳۲)۔

یہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے طرز فکر سے اتفاق رکھنے والے بے شمار علماء کرام کا قول رہا ہے، دوسرا امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کا قول ہے کہ یہ آٹھوں اصناف مستقل ہیں ان میں ہر ایک کے اندر فقر کی شرط نہیں ہے، بلکہ مولفۃ قلوب، مکاتب، مدیون، غازی فی سبیل اللہ، ابن السبیل مال دار ہونے کے باوجود زکوۃ لے سکتے ہیں،، دونوں اقوال کے مستدلات احادیث نبویہ ہیں، پہلے قول کی بنیاد تو وہی حدیث معاذ ابن جبل ہے جو ابھی مذکور ہوئی، دوسرے قول کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

" قال رسول الله ﷺ: لاتحل الصدقة لغنى إلا لخمسة لغاز فى سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراهابماله أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهدى المسكين للغنى" (رواہ مالک وابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ۱/ ۱۶۱)۔

اس حدیث میں پانچ قسم کے لوگوں کو مال دار ہونے کے باوجود زکوۃ لینے کی اجازت ہے۔

ان دونوں استدلالوں میں کون قوی ہے، اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے محقق ابن الہمام حدیث عطاء ابن یسار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"هذا الحديث قيل لم يثبت ولو ثبت لم يقوقوة حديث معاذ فانه رواه أصحاب الكتب الستة مع قرينة من الحديث الآخر ولو قوى ترجح حديث معاذ بأنه مانع وهذا مبيح مع أنه دخله التاويل عندهم حيث قيدوا إباحة الأخذ

Marfat.com

للغازی بأن لا یکون له شیٔ فی الدیوان ولا اخذ من الفیٔ وھوأعم من ذلک وذلک یضعف الدلالة الی مالا یدخله التاویل" (فتح القدیر ۲/۲۱۰)۔

یعنی یہ روایت حدیث معاذ کی بہ نسبت تین وجھوں سے مرجوح ہے۔

۱-اس روایت کا پایہ ثبوت حدیث معاذ کے برابر نہیں، ۲-حدیث معاذؓ مانع اور یہ مبیح ہے اور تعارض کے وقت مانع ہی کو ترجیح ہوتی ہے، ۳-اس روایت میں تاویل ہوئی ہے اور حدیث معاذؓ میں کوئی تاویل نہیں اور تاویل سے قوت دلالت میں ضعف آجاتا ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری ۴/۲۴۷)۔

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں سنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی، اور اضطراب سے دلیل کی قوۃ میں بڑی حد تک ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے قول کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

"عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ :لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی، رواہ الترمذی وأبوداؤد والدارمی ورواہ أحمد والنسائی وابن ماجة عن أبی ھریرۃ وحسنه الترمذی" (بحوالہ مشکوۃ ۱/۱۶۱)۔

اس حدیث کے رواۃ میں ریحان بن زید ہیں جن کے سلسلہ میں بعض حضرات نے کلام کیا ہے، لیکن ابن حصین اور حبان نے ان کی توثیق کی ہے، نیز اس حدیث کے کئی ایک طرق بھی ہیں جسے ابن ہمام نے تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۲/۲۱)۔

ان احادیث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ زکوۃ حقیقۃً فقیر ہی کے لئے ہے جو بقیہ سات انواع آیت کریمہ میں مذکور ہیں وہ فقیر ہی کی انواع ہیں، تو گویا للفقراء کے بعد بقیہ مصارف کا ذکر کرنا تخصیص بعد التعمیم کی قبیل سے ہے، نیز مذکورہ آیت میں "انما" کی وجہ سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ جنس فقراء کے اعتبار سے توحقیقی ہے اور انواع فقراء کے اعتبار سے اضافی ہے، یعنی فقیر کے علاوہ تو زکوۃ کا کوئی مصرف نہیں، ہاں فقراء کے بے شمار انواع میں سے یہ چند انواع جو آیت میں مذکور ہوئیں اہم اور قابل ترجیح ہیں، آیت مذکورہ میں جو فقراء کی سات انواع

Marfat.com

مذکور ہوئی ہیں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تذکرہ ہوا ہے، ورنہ علماء کرام نے نصوص شرعیہ سے اخذ کر کے فقراء کی کچھ اور بھی انواع کا تذکرہ کیا ہے، جن کی وہ اہمیت اور افضلیت نہ تھی، اس لئے آیت کریمہ میں ان کا ذکر نہیں آیا، تاہم وہ بھی زکوۃ کے مصارف ہیں ان کو دے دینے سے بھی ادائیگی زکوۃ بلاشبہ ہو جاتی ہے (دیکھئے: تفسیر مظہری ۴/۲۴۰)۔

پھر آگے صاحب ''تفسیر مظہری'' نے انواع فقراء میں ذوی القربی، جار، سائل وغیرہ کو بھی شمار کیا ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ زکوۃ کے یقینی اور حتمی طور پر وہ بھی مصرف ہیں۔

ان تصریحات سے یہ بات منقح ہوئی کہ احادیث صحیحہ کے اندر مصارف زکوۃ اپنی جنسیت کے اعتبار سے محدود و متعین ہیں اور ان کے اندر فقر کی شرط بہر حال ملحوظ ہے، اور یہ بات کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے کہ نصوص شرعیہ کے اندر ان مصارف کے سلسلہ میں کوئی حکم اور کوئی تعیین وتحدید نہیں ہے، مثلاً ''فی سبیل اللہ'' کے اندر اس اختلاف کی گنجائش تو ہے کہ غزاۃ مراد ہیں یا حجاج اس میں مزید تعمیم اور توسیع بھی کی جاسکتی ہے، طلبہ علوم دینیہ اور دیگر راہ خدا میں خدمات انجام دینے والوں تک اس کے دائرہ کو وسیع کیا جاسکتا ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی شرط فقر سے مستثنی رکھنے کا خیال بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔

سوالنامہ میں مذکورہ پانچ اقوال میں سے پہلا قول جسے امام قفالؒ نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے اور نواب صدیق صاحبؒ پوری قوت بیان سے جس کو نقل فرماتے ہیں (الروضۃ الندیہ ۱/۲۱۷)۔

اس سلسلہ میں یہی عرض ہے کہ شرط فقر کے سلسلہ میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئیں ہیں نواب صاحب مرحوم نے ان پر غور نہیں فرمایا، یا پھر وہ ان نصوص کو نصوص شرعیہ نہیں سمجھتے، نیز فی سبیل اللہ کو اگر معانی لغویہ کے عموم پر رکھا جائے تو بقیہ سات مصارف کا ذکر معاذ اللہ تطویل کے بجز کیا ہوگا، کیونکہ فی سبیل اللہ اپنے معنی لغوی کے اعتبار سے فقیر، مسکین، عامل، مولف، فک رقاب، غارم وابن السبیل سب ہی کو شامل ہے، سچ تو یہ ہے کہ فی سبیل اللہ پر غور کرنے کا شرعی

Marfat.com

راستہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان مذکورہ ساتوں مصارف کا علاحدہ علاحدہ تذکرہ اس بات کا قطعی اشارہ ہے کہ فی سبیل اللہ اپنے عام اور لغوی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے، اس میں تخصیص وتحدید تو بہر حال ہے اب وہ تخصیص کیا ہے احادیث نبویہ کی روشنی میں اس کی تعیین ہوگی، جس طرح ''وامسحوا بروؤسکم'' والی آیت میں فقہاء حنفیہ نے مسح رأس کے صرف مقدار ناصیہ فرض ہونے پر حدیث مغیرہ سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا استدلال بخاری شریف کی ''باب قسامۃ'' والی حدیث کی بنیاد پر ہے کہ آپ ﷺ نے خوں بہا صدقہ کے اونٹوں سے دیا، اس سلسلہ میں شراح حدیث نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے وہ اونٹ خود لے کر پھر اپنی طرف سے خوں بہا کے طور پر دیا، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ''من عندہ'' کے الفاظ بھی ہیں جو اس کی واضح طور پر تائید کرتے ہیں (عمدۃ القاری وفتح الباری وغیرہ)۔

پہلے قول کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ بیت المال میں جمع شدہ رقم کا ایک حصہ مال زکوۃ ہوا کرتا تھا اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مال دار وغریب دونوں قسم کے تھے (الروضۃ الندیۃ) نواب صاحب مرحوم خود ہی فرماتے ہیں کہ ''بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مال زکوۃ ہوا کرتا تھا'' کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عطیات اسی زکوۃ والے ہی حصے سے ہوں، اس سلسلہ میں مفتی شفیع صاحبؒ کی یہ تصریحات قابل ملاحظہ ہے:

''تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سلسلہ میں بعض لوگوں کو پیش آیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیئے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری اور ترمذی کی روایت میں جو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صفوان بن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے تھے، اس کے متعلق امام نوویؒ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ عطیات زکوۃ کے مال سے نہ تھے، بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیئے گئے، اور یہ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

بیت المال کے اس مد میں مسلم اور غیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے، پھر فرمایا کہ امام بیہقی، ابن سید الناس، امام ابن کثیر وغیرہم نے یہی قرار دیا ہے کہ وہ مال زکوۃ سے نہیں، بلکہ خمس غنیمت ہی سے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے، مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا، اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمس غنیمت، خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جدا اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے، جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مدات علاحدہ علاحدہ رکھنی چاہئے اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علاحدہ رکھنا نہیں، بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال ہی الگ ہونا چاہئے، تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے (معارف القرآن ۴/ ۴۰۳)۔

دوسرا قول جو شیخ رشید رضا اور شیخ شلتوت کا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد مسلمانوں کے عمومی مصالح ہیں جن سے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے دین کی بقا و ترقی اور مملکت کے اجتماعی امور وابستہ ہیں، ان کا پہلا استدلال کہ قرآن و حدیث میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص چیز کے لئے مخصوص کرسکیں، لہٰذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنے کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے، ہر عالم و فقیہ کو اس کے بارے میں اپنی رائے دینے کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ وہ احادیث صحیحہ جو تمام مصارف زکوۃ کو فقر کے ساتھ مشروط کرتی ہیں، مثلاً حدیث معاذ بن جبلؓ وغیرہ فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ان احادیث سے یہ حکم اور یہ قید کیوں مستنبط نہیں ہوگی؟ ہاں فقر کی قید کے بعد فی سبیل اللہ کے مصداق کا عام کرنا چنداں محل نظر نہیں ہے۔ دوسرا استدلال بخاری کی ''باب قسامۃ'' والی حدیث کی بنیاد پر ہے، جس کے سلسلہ میں شراح حدیث کی وضاحت گذر چکی ہے۔

تیسرا استدلال کہ فقہاء کی ایک جماعت نے زکوۃ کے آٹھوں مصارف کے لئے صرف زکوۃ کی علت یہ قرار دی ہے کہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کی عمومی حاجت اور

Marfat.com

منفعت پوری ہوتی ہے تو کیوں نہ اس علت کو عام کرتے ہوئے ان تمام کاموں کو مصارف کے دائرے میں لے آئیں جن میں مسلمانوں کی عام مصلحت اور سوسائیٹی کا اجتماعی مفاد ہو۔ فقہاء کی اس جماعت کی صراحت نہیں کہ وہ کون حضرات ہیں کس پائے کے ہیں اور ان کے دلائل کیا ہیں؟ لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ جب احادیث رسول ﷺ میں صرف زکوۃ کی علت فقر کو قرار دیا گیا ہے تو کسی فقیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ اس علت کے علاوہ کسی اور علت کا استنباط کرے۔

تیسرا قول کہ فی سبیل اللہ میں حج داخل ہے، احادیث کی روشنی میں یہ قول معتبر ہے۔

صاحب ''بدائع'' لکھتے ہیں:

''وقال محمد: المراد منه الحاج المنقطع لماروی أن رجلا جعل بعيرا له فی سبيل الله فأمره النبی ﷺ أن يحمل عليه الحاج'' (بدائع ۴۶/۲)۔

لیکن اس حدیث سے غازی کی نفی نہیں ہوئی اور دیگر احادیث سے غازی کا اثبات ہے۔

بہر حال غزاۃ مراد ہوں یا حجاج، اولی اور غیر اولی کی بحث ہے، یا مقتضائے وقت کی بنیاد پر کبھی یہ اہم کبھی وہ، لیکن خواہ غزاۃ ہوں، خواہ حجاج یا کوئی اور سب کا فقیر ہونا تو بہر حال ضروری ہے، علامہ کاسائیؒ حدیث معاذؓ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جعل (أی النبی ﷺ) قسمين قسما يؤخذ منهم وقسما يصرف إليهم فلوجاز صرف الصدقة إلى الغنی لبطلت القسمة وهذا لا يجوز'' (بدائع الصنائع ۴۶/۲)۔

چوتھا قول کہ عمدۃ الاسلام کے شارح نے لکھا ہے کہ غازی کے ساتھ وہ لوگ بھی ملحق کئے جائیں جو مسلمانوں کی کسی عمومی مصلحت مثلاً قضاء، افتاء اور تدریس وغیرہ انجام دے رہے ہوں، خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں (سبل السلام ۱۷۵/۱)۔

احادیث صحیحہ کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو خواہ وہ لوگ مالدار ہی ہوں کے بجائے یہ کہا جاتا کہ بہ شرطیکہ وہ لوگ فقیر ہوں۔

5/20

Marfat.com

پانچواں قول کہ فی سبیل اللہ سے صرف غزوہ و جہاد مراد ہے جس کے دلائل سوالنامے میں تفسیر ابن جریر وغیرہ سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہی اولی، احوط، افضل اور اقرب الدلائل ہے، اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

"وهذا قول أكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالك" (تفسیر القرطبی ۴/۲۳۸)۔

معروضات کا خلاصہ:

۱- سورہ توبہ کی آیت "انما الصدقات" میں فقراء کی جنس کے اعتبار سے حصر حقیقی ہے اور انواع فقراء کے اعتبار سے اضافی ہے۔

۲- فی سبیل اللہ سے غازی مراد لینا اولی اور اقرب الی الدلائل ہے، سیاق وسباق یا کسی اور قرینہ کے بغیر اطلاق کی شکل میں عموماً فی سبیل اللہ سے غزوہ اور جہاد ہی مراد ہوتا ہے، صاحب "قاموس" فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أي الجهاد وكل ما أمر الله به من الخير واستعماله في الجهاد أكثر" (القاموس المحیط الجزء الثالث/۳۲۹)۔

۳، ۴- قرون اولی میں فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں صرف دو قول ہی ثابت ہیں اور دونوں احادیث شریفہ کے مطابق ہیں، لیکن اصل علت جب فقر ہی ٹھہری تو ان دونوں اقوال کے ساتھ ساتھ علت فقر کے اشتراک کی بنیاد پر دوسروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، جیسے ذوی القربی، جار، سائل وغیرہ۔ کما فی التفسیر المظہری۔ یا طالبان علوم دینیہ وغیرہ۔ کما اثبتہ العلامۃ الکاسانی وصاحب الفتاوی الظہیریہ (بحوالہ البحر الرائق ۲/۲۶۰)۔

۵- مصارف زکوۃ فقراء کے دائرے میں رہتے ہوئے قیاس شرعی کے محل ہیں، مثلاً ایک شخص جو فقراء کی تعریف میں داخل ہے، مال زکوۃ لے کر جہاد قلمی، جہاد فکری، جہاد ثقافتی سب کچھ

Marfat.com

کرسکتا ہے، صاحب ''بدائع'' لکھتے ہیں:

''وفی سبیل الله عبارة عن جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله وسبیل الخیرات إذا کان محتاجا'' (۲/۴۵)۔

۶۔ معاصر علماء کی وہ تعمیم وتوسیع جس میں حقیقت زکوۃ اور علت زکوۃ سے بالکل ہی صرف نظر کرلیا گیا ہے درست نہیں ہے، کسی ضرورت دینیہ اور ملیہ سے حقائق شرعیہ کو بدل دینا سراسر خلاف شرع ہے، ملت مسلمہ کی پیش آمدہ ضروریات کے لئے روح زکوۃ ہی کو بدل دینے کی سعی کے بجائے قوم وملت کی طبیعت ومزاج کے بدلنے کی تگ ودو ہونی چاہئے۔

۷۔ فی سبیل اللہ کے دائرے کو اگر وسیع بھی کیا جائے پھر بھی حد فقر میں محدود رہنا از حد ضروری ہے، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

''ولا یخفی أن قید الفقر لابد منه علی الوجوه کلها'' (البحر الرائق ۲/۲۶۰)۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ کا شرعی دائرہ

مولانا اختر امام عادل☆

ا-حصر حقیقی یا اضافی:

مصارف زکوٰۃ کو طے کرنے میں سب سے بنیادی حیثیت سورۂ توبہ کی آیت: ''إنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ'' کو حاصل ہے، یہ آیت زکوٰۃ کے مصارف کو حصر کے ساتھ بیان کرتی ہے،اس میں کلمہ ''إنما'' استعمال کیا گیا ہے اور إنما حصر پر دلالت کرتا ہے، یہاں حصر سے مراد حقیقی ہے،اور حصر اضافی نہیں،اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

ا- حصر کے دو معنیٰ ہیں۔حقیقی اور مجازی: حصر حقیقی اس کا حقیقی اور اصلی معنیٰ ہے اور حصر اضافی اس کا مجازی معنیٰ ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کلمہ کا حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن ہو تو مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں۔

۲- حصر حقیقی،حصر کا فرد کامل ہے، جب کہ حصر اضافی،فرد ناقص،قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مطلق استعمال کیا جائے تو اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے۔

۳- حصر اضافی مراد لینے کے لئے کوئی دلیل نہیں،اور بغیر دلیل حصر اضافی مراد لے کر مزید مصارف کا اضافہ کیا گیا تو مدلولِ قرآنی اور معدود قرآنی کی مخالفت لازم آئے گی۔

۴- حضور علیہ نے فرمایا:

☆ ناظم جامعہ ربانی، منوروا، سستی پور۔

Marfat.com

''إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء'' (مشکوۃ)۔

(بے شک خدا کی مرضی یہ نہ ہوگی کہ زکوٰۃ کے بارے میں کوئی نبی یا غیر نبی فیصلہ کردے کہ اس نے اس کے متعلق خود فیصلہ کیا اور آٹھ اجزاء میں اس کو تقسیم کر دیا)۔

اس میں حضور ﷺ نے مصارف زکوٰۃ صراحت کے ساتھ آٹھ بیان فرمائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصر حقیقی مراد ہے، اگر اس میں مزید افراد کی گنجائش ہوتی تو آٹھ کی قید کی ضرورت نہ تھی۔

۵- عہد نبوی ﷺ سے لے کر تمام علماء امت کا اجماع بھی حصر حقیقی کی پختہ اور مستند دلیل ہے، اس کے مقابلے میں کسی ایک محقق کی رائے ان کی منفرد رائے قرار دی جاسکتی ہے مگر سند نہیں بنائی جاسکتی ہے۔

۲- قرآن وسنت میں فی سبیل اللہ کا استعمال:

قرآن مجید میں جہاں فی سبیل اللہ، سیاق وسباق کے ساتھ آیا ہے، وہاں اس کے متعدد معانی لئے گئے ہیں، جس کی تعیین سیاق وسباق سے ہوتی ہے، مگر قرآن میں فی سبیل اللہ کا ایک استعمال انفاق کے صیغہ یا معنی کے ساتھ ہوا ہے، تمام استعمالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس استعمال میں دو معنی میں سے کوئی ایک معنی مراد لیا گیا ہے، ایک معنیٔ عام، اور دوسرا معنیٔ خاص، معنیٔ عام سے مراد مطلق راہ خیر ہے، جہاد کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور معنی خاص سے مراد خاص جہاد اور احیاء کلمۃ الٰہی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں جو فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے وہ اگرچہ لفظاً صیغۂ انفاق کے ساتھ نہیں ہوا ہے، لیکن صدقہ کے لفظ سے انفاق کا معنیٰ مفہوم ہوتا ہے، اب یہ طے کرنا ہے کہ یہاں معنی عام مراد ہے یا معنی خاص، اس کے لئے قرائن اور دلائل ہیں۔

Marfat.com

۱- اگر فی سبیل اللہ سے مراد عام جہات خیر لئے جائیں تو مصارف زکوۃ کا آٹھ اصناف میں محصور کرنا لغو ہوگا، اس لئے کہ اس وقت دینی اور فلاحی کام کی ہزاروں قسمیں اس میں داخل ہو جائیں گی۔

۲- بلکہ اس وقت آٹھ اقسام بیان کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، صرف فی سبیل اللہ کہہ دیا جاتا، اس میں فقراء، مساکین، غارمین سب داخل ہو جاتے، اس لئے کہ یہ تمام خیر ہی کے مختلف راستے ہیں، ان کو الگ الگ شمار کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر نہیں! قرآن نے ان سب کو الگ الگ شمار کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد معنی عام نہیں ہے، بلکہ معنی خاص یعنی جہاد ہے، ان کو مترادف کہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ لغوی معنی اور محل گفتگو کے علاوہ خود قرآنی اسلوب کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ قرآنی الفاظ میں افادہ، اعادہ سے بہتر ہے، خدا کی کتاب بے فائدہ تکرار کے عیب سے پاک ہے،

۳- احادیث میں بھی اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں کہ فی سبیل اللہ کا مطلق استعمال جہاد کے معنی میں ہوتا ہے، ''طبرانی'' کی روایت ہے کہ صحابہ ایک دن حضور ﷺ کے ساتھ تھے، اسی اثنا انہوں نے ایک صحت مند جوان کو دیکھا اور کہا کہ کاش اس کی طاقت و جوانی اللہ کے راہ میں خرچ ہوتی۔

''لو کان شبابه و جلده فی سبیل الله'' (الترغیب للمنذری کتاب الجہاد ۲؍۴) ظاہر ہے کہ ان کی مراد جہاد اسلامی ہی کی تھی، طاقت اور جوانی کی سب سے زیادہ ضرورت اسی میں ہوتی ہے۔

۴- ایک صحیح حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے: **''حملت علی فرس فی سبیل الله''**۔

یہاں فی سبیل اللہ بالیقین جہاد ہے۔

۵- ''بخاری و مسلم'' دونوں میں یہ روایت ہے۔

Marfat.com

"لغدوة فی سبیل الله أو روحة خیر من الدنیا و ما فیها" (مابعد)۔

(اللہ کی راہ میں نکلنا صبح وشام، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے)۔

فی سبیل اللہ سے مراد بلاشبہ جہاد ہے۔

۶- بخاری شریف کی روایت کا یہ جملہ ہے:

"من احتبس فر سافی سبیل الله ایمانا بالله و تصدیقاً بوعدہٖ فان شبعهٗ و ریه فی میزانه یوم القیمة"۔

(جو اللہ پر ایمان کے جذبے اور اس کے وعدہ پر صداقت کے یقین کے ساتھ اللہ کی راہ میں کوئی گھوڑا وقف کرے تو اس گھوڑے کی سیرابی، آسودگی اور پیشاب پاخانہ سب قیامت کے دن اس شخص کی میزان میں تولا جائے گا)۔

فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی ہے۔

۷- بخاری ومسلم کی روایت ہے:

"مامن عبد یصوم یوماً فی سبیل الله إلا باعدالله بذالک الیوم وجهه عن النار سبعین خریفاً (مابعد)"

(جب کوئی بندہ اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کو جہنم سے ستر سال کے بقدر دور کر دیتے ہیں)۔

۸- بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"ما أغبرت قدما عبدٍ فی سبیل الله فتمسه النار۔ (مابعد)

(جس بندہ کے پاؤں پر اللہ کی راہ میں دھول پڑی ہوگی اس کو آگ چھو نہیں سکتی)۔

ان دونوں روایتوں میں بھی فی سبیل اللہ بلاشبہ جہاد ہی کہ معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔

۹- ان قرائن ودلائل کے علاوہ ایک حدیث میں ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح غازی فی سبیل اللہ سے کی گئی ہے۔

Marfat.com

"لا تحل الصدقة لغني إلاّ لخمسة ...... و غاز في سبيل الله"

اس حدیث میں فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی قید مراد الٰہی کو متعین کر رہی ہے۔

۳-آیات احکام میں قرون اخیرہ کے اقوال:

اب یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ قرونِ اولیٰ میں زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تشریح میں دو ہی قول ملتے ہیں، صحابہ تابعین، مفسرین، فقہاء کی غالب اکثریت نے فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے اور دوسرا قول یہ رہا ہے کہ اس میں حج بھی شامل ہے، لیکن کیا قرون اخیرہ کے تیسرے اور چوتھے قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں، اس لئے کہ یہاں مذکورہ دلائل کی رشنی میں یہ طے ہے کہ فی سبیل اللہ میں صرف غزوہ داخل ہے، اور یہی امت کے سواد اعظم کا مذہب بھی ہے، اس کے مقابلے میں خود حج کی تفسیر بھی شاذ اور مرجوح ہے، دوسرے اور تیسرے قول کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ویسے عام ضابطے کی رو سے آیات احکام میں اختیار کیا جانے والا تیسرا اور چوتھا قول اگر کسی ایسی علت کی بنا پر ہو جو اس نص میں موجود ہے تو معتبر ہے، ورنہ نہیں۔

۴-الف: فی سبیل اللہ سے مراد جہاد:

میرے نزدیک یقین کے ساتھ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غزوہ وجہاد ہے، جن حضرات نے اس کی تفسیر حج سے کی ہے وہ مرجوح ہے، اسی طرح جن حضرات نے فی سبیل اللہ سے مصالح عامہ یا جہات خیر مراد لئے ہیں وہ بھی صحیح نہیں، ہم مختصر طور پر ان حضرات کے دلائل پر نگاہ ڈالتے ہیں جنہوں نے فی سبیل اللہ میں غزوہ کے سوا دوسرے معانی بھی مراد لئے ہیں۔

مخالف دلائل کا احتساب:

پہلی دلیل:

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب کا یہ کہنا کہ فی سبیل اللہ کا غزوہ کے ساتھ مخصوص کرنے

Marfat.com

کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے عام رکھا جائے گا، یہ بالکل غلط ہے، پیچھے ہم متعدد دلائل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی ہی ہے اور یہی قرآن وسنت اور اسلامی عرف ومزاج کا تقاضہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر فی سبیل اللہ کی تخصیص پر کوئی دلیل موجود نہ تھی تو تمام صحابہ ائمہ مجتہدین اور علماء امت نے اس کی تفسیر ومراد میں غزوہ جہاد ہی کی بات کیوں کی؟ اور کوئی دوسرے معنیٰ مراد کیوں نہ لئے؟ اگر بالفرض فی سبیل اللہ کی تخصیص پر قرآن وسنت میں کوئی دلیل موجود نہ بھی ہو تو جمہور علماء کا یہ اجماع اس تخصیص پر بجائے خود دلیل ہے۔

دوسری دلیل:

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک دلیل ''باب القسامۃ'' کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کو خیبر میں یہودیوں نے قتل کر دیا، ان کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کا خون بہا صدقہ کے اونٹوں میں سے دیا، اس حدیث سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خوں بہا دینا محض ایک کار خیر اور مصلحت عامہ کی چیز ہے، اس میں حضور نے زکوٰۃ کا مال صرف کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مصالح عامہ اور کار خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

اس حدیث سے استدلال کرنا بہت کمزور ہے، علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱- مالکیہ جن کے نزدیک جہاد کے تمام ابواب میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت سہل ابن ابی حثمہ کے واقعے میں حضور نے صدقہ کے اونٹوں سے جو دیت ادا کی وہ بھی جہاد ہی کی ایک نوع ہے، اس لئے کہ اس قتل کا تعلق یہود دشمنان اسلام سے تھا، دشمنوں نے حضرت سہل کا قتل کیا تھا، مگر اس کے لئے کوئی ثبوت نہ تھا، اس وقت ممکن تھا کہ سہل کے خاندان اور یہود کے درمیان ایک تیسری قسم کی قبائلی جنگ شروع ہو جاتی، جس سے اسلامی جہاد کے تشخص اور افادیت پر بُرا اثر پڑتا، اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں کے شر سے مصالحت کے طور

Marfat.com

پر مسلمان جو محفوظ تھے وہ بات ختم ہو جاتی اور تمام مسلمان ان کی ریشہ دوانیوں کی زد میں آجاتے جس کی بنا پر اسلام کے جو تعمیری کام دوسری جانب جاری تھے وہ یکلخت رک جاتے، اس بنا پر آپ نے اس جھگڑا کا خاتمہ اور اسلامی جہاد کی افادیت تادیر قائم رکھنے کے لئے مالِ زکوٰۃ سے دیت ادا کردی تو گویا یہ بھی جہاد ہی کا ایک باب تھا، فلا اشکال۔

۲- شافعیہ اس واقعہ کو غارمین میں داخل مانتے ہیں، اس لئے کہ غارمین کے مفہوم میں ان کے نزدیک دو قبیلوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے جو اخراجات ہوتے ہیں، وہ مال زکوٰۃ سے لئے جاسکتے ہیں اور سہل ابن ابی حثمہ کے واقعہ کی صورت حال یہی تھی۔

"الغارم من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه، وقال الشافعي: من تحل غرامة فى إصلاح ذات البين وإطفاالثائرة بين القبيلتين" (ہدایہ مع البنایہ ۱۹۷/۳)۔

۳- علامہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب "المفہم" میں یہ جواب دیا ہے کہ صدقہ کے اونٹ سے خون بہا ادا کرنا دراصل تالیفِ قلب کے طور پر تھا، اس لئے کہ اگر خون بہا نہ دیا جاتا، جب کہ قاتل کا پتہ بھی نہ تھا، اور یہود دینے کو تیار بھی نہ تھے، تو سہل کے ورثہ کا دل ٹوٹ جاتا، اس لئے آپ نے تالیف کے لئے زکوٰۃ کے مال سے خون بہا ادا کیا، اس تفسیر کی رو سے گویا یہ واقعہ فی سبیل اللہ کے بجائے "مؤلفۃ القلوب" کے مصرف میں داخل ہے (فتح الباری ۲۳۵/۱۲)۔

۴- یہ جوابات درایتی نقطۂ نظر سے ہیں، محدثین نے اپنے روایتی طرز کے مطابق روایت کے اس ٹکڑے "فوداه مائة من إبل الصدقة" پر کلام کیا ہے، تمام شارحین بخاری نے یہ لکھا ہے کہ: "من إبل الصدقة کا لفظ" اس سند کے ایک راوی سعید ابن عبید کی غلطی کا نتیجہ ہے، انہوں نے اپنی طرف سے "من إبل الصدقة" کا اضافہ کردیا ہے، اس لئے کہ اس روایت کی دوسری سند میں یحییٰ بن سعید صراحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں "فوداه مائة من

Marfat.com

عندہ" کہ حضور ﷺ نے اپنی جانب سے خون بہا ادا کیا۔ "ابوداود شریف" میں یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے جس میں ایک میں "من قبلہ" کا لفظ ہے، اور دوسرے میں "من عندہ" کا، ایک تیسری سند میں، "من ابل الصدقة" کا لفظ بھی ہے، مگر سعید ابن عبید کی سند سے "من إبل الصدقة" مروی ہے (ابوداؤد ۲/۶۲۱، ۶۲۲) غرض ابل الصدقۃ کا لفظ قابل اعتبار نہیں اور اعتراض کی بنیاد یہی لفظ تھا۔

۵- اسی لئے محدثین نے دوسری صحیح اور مستند روایات جس میں "من عندہ" کا لفظ ہے، اس کی بنا پر حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خوں بہا اپنی طرف سے، یعنی بیت المال کے اس خصوصی فنڈ سے ادا کیا جو اس قسم کے مصالح عامہ کے لئے مختص کئے گئے تھے۔

۶- مگر بعض محدثین نے دونوں روایات (یعنی من ابل الصدقۃ اور من عندہ والی روایات) میں تطبیق دیتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ اس وقت اتفاق سے بیت المال کے مصالح عامہ کے فنڈ میں خوں بہا کے لئے اونٹ موجود نہ تھے، اس لئے آپ نے بیت المال کے خصوصی فنڈ سے صدقات کے اونٹ خرید کر خون بہا کے لئے دیئے تھے۔ اس تشریح کی روشنی میں دونوں روایات کے الفاظ درست ہو جائیں گے اور ساتھ ہی صدقہ کے اونٹ سے خوں بہا دیئے جانے والا اشکال بھی ختم ہو جائے گا۔

۷- محدثین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ اس حدیث میں صدقہ کا لفظ اپنے خاص اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہے، بلکہ عام معنی میں مستعمل ہے، جیسے کار خیر میں خرچ کرنے کو صدقہ نافلہ اور عطیہ وغیرہ بولتے ہیں تو اصل میں حضور ﷺ نے یہ خوں بہا بیت المال کے خصوصی فنڈ ہی سے ادا کیا تھا، مگر راوی نے اس پر صدقہ کا اطلاق عمومی معنی کی بنا پر کیا۔

تیسری دلیل:

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ ہر سال

Marfat.com

بیت المال سے یہ عطیہ لیا کرتے تھے، بیت المال میں جمع شدہ مال کا ایک حصہ مالِ زکوٰۃ ہوا کرتا تھا، اور بیت المال سے عطیہ لینے والے صحابہ میں مالدار وغریب دونوں قسم کے صحابہ تھے۔ ایک ایک شخص کا عطیہ ہزاروں کو پہنچ جاتا ہے۔

۱- یہ دلیل نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے، مگر میرے خیال میں یہ نسبت صحیح نہیں ہے، اس سے مجھے انکار نہیں کہ نواب صاحب ان لوگوں میں ہیں جو فی سبیل اللہ کے عموم کے قائل ہیں، لیکن اس کے باوجود خود ان کے نزدیک یہ دلیل اس عموم کے لئے نہیں ہے، بلکہ انہوں نے یہ بات اس ذیل میں کہی کہ مجاہد کے لئے فقر کی شرط نہیں ہے، بلکہ مجاہد غنی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے، اس کے لئے انہوں نے ان مجاہدین صحابہ کو مثال میں پیش کیا ہے جو مستقل اسلام کی خاطر غزوات میں مشغول رہتے تھے، اور سالانہ بیت المال سے ان کو وظیفہ ملتا تھا اور ان میں امیر وغریب سب ہوتے تھے۔

چنانچہ ان کی عبارت کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے:

"و فیھم الأغنیاء والفقراء" (الروضۃ الندیہ ۱/۳۰۶)۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نواب صاحبؒ کے نزدیک صحابہ مال زکوٰۃ سے جو سالانہ عطیہ لیتے تھے وہ بحیثیت مجاہد فی سبیل اللہ لیتے تھے نہ کہ عام کار خیر کرنے والے کی حیثیت سے، اس لئے اس کو عام کار خیر کی دلیل بتانا خود نواب صاحب کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ نواب صاحب اس عطیہ کو پوری طرح زکوٰۃ بھی کہنے کو تیار نہیں ہیں، اس لئے کہ بیت المال میں مختلف شعبہائے مال تھے، جن میں ایک شعبہ زکوٰۃ کا تھا، پھر یہ متعین کرنا کیسے ممکن ہے کہ ان کو زکوٰۃ ہی کی رقم سے وظیفہ تھا، عطیہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ ان کی سالانہ تنخواہ تھی جو ان کو خاص رقوم سے ملتی تھی، چنانچہ نواب صاحبؒ کتنے احتیاط اور احتیاط سے زیادہ کے ساتھ یہ جملہ لکھتے ہیں:

"یأخذون من أموال اللہ عزوجل التی من جملتھا الزکوٰۃ فی کل عام ویسمّون ذلک عطاءً" (حوالہ سابق)۔

Marfat.com

اس احتیاط کے بعد نواب صاحبؒ بہت حد تک سبک دوش ہو جاتے ہیں۔

۳- البتہ نواب صاحب نے اس سے اگلے صفحہ پر ان علماء کے لئے بھی زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے، جو مسلمانوں کے مصالح عامہ میں مشغول ہیں، اور اس کے لئے انہوں نے ان علماء صحابہ کو دلیل میں پیش کیا ہے؟ جو بیت المال سے حسب ضرورت تنخواہ کے ساتھ ساتھ کچھ مزید رقوم بھی لیتے تھے، تاکہ وہ اس فنڈ سے ان فقراء اور محتاجوں کی مدد کر سکیں جو ان کے پاس فریاد لے کر آئیں، مگر یہاں نواب صاحبؒ نے کہنے کی ہمت نہیں کی ہے کہ ان کی تنخواہ زکوٰۃ سے ملتی تھی، بلکہ انہوں نے دیانت کے ساتھ اس کو عطیہ قرار دیا ہے، اور اگر وہ کہتے بھی تو ان کی بات معتبر نہ ہوتی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی جو رقوم ان کو ملتی تھی وہ اپنے لئے نہیں، بلکہ غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے ملتی تھیں۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ان کی تنخواہ کو بھی زکوٰۃ ہی کے فنڈ سے مان لیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ اس وقت وہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہونے کے بجائے عاملین میں داخل ہوں گے، کیونکہ عاملین کے ذیل میں وہ حضرات بھی آتے ہیں جو زکوٰۃ کو غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ان صحابہ کا کام یہی تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے: الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۷)۔

چوتھی دلیل:

فی سبیل اللہ کے عموم پر ایک دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ بعض فقہاء کے مطابق مصارف زکوٰۃ کی علت مسلمانوں کی عمومی حاجات کی تکمیل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کی تمام عمومی حاجات میں زکوٰۃ صرف کرنے کی اجازت ہو۔

۱- مگر یہ دلیل حد سے زیادہ گئی گذری ہے، اس لئے کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں ایسی تعلیل کی تو اجازت ہے جس سے فقراء مساکین، مجاہدین وغیرہ کے افراد و انواع میں اضافہ ہو، مگر ایسی تعلیم کی اجازت نہیں دی جاسکتی جس سے ان آٹھ اصناف سے گذر کر دسیوں اصناف زکوٰۃ پیدا ہو جائیں، اس لئے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ حصر حقیقی ہے، اضافی نہیں۔

Marfat.com

۲- دوسری بات یہ ہے کہ عمومی حاجات کی تکمیل، مصارف زکوٰۃ کے لئے علت کے بجائے حکمت کا درجہ رکھتی ہے، علماء نے یہ حکمت کے طور پر بیان کیا ہے کہ ان مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی عمومی حاجات کی تکمیل ہوتی ہے اور واضح رہے کہ حکمت میں تعدیہ درست نہیں اور نہ اس کے فقدان سے اصل حکم پر کوئی فرق پڑتا ہے۔

پانچویں دلیل:

جن حضرات نے فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج کو بھی شامل کیا ہے، انہوں نے اپنے استدلال میں وہ روایات پیش کی ہیں جن میں محبوس فی سبیل اللہ اونٹ کو آپ نے حج کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دی تھی، اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج بھی داخل ہے۔

۱- اس کے جواب کے طور پر عرض ہے کہ اس باب میں جو روایت حضرت ابن عباسؓ کی سند سے منقول ہے وہ بلاشبہ صحیح ہے۔ مگر ام معقلؓ کی روایت پر محدثین نے کلام کیا ہے، علامہ نووی نے ''شرح مہذب'' میں اس پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ام معقلؓ کی روایت محمد ابن اسحاقؒ کی سند سے ہے اور محمد ابن اسحاق مدلس ہے، اس کا عنعنہ مقبول نہیں، جب کہ ام معقلؓ کی حدیث محمد ابن اسحاق نے عن کہہ کر روایت کی ہے، اس لئے یہ روایت نا قابل اعتبار ہے۔

۲- دوسرا جواب جو اس طرح کی تمام احادیث کا مشترکہ جواب ہے، یہ دیا ہے کہ ان روایات سے صرف اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ حج کو فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جب بھی بولا جائے اس میں حج ضرور داخل ہوگا اور ہماری گفتگو اس سے نہیں ہے کہ حج فی سبیل اللہ ہے یا نہیں، بلکہ ہمارا محور کلام یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ سے مراد حج نہیں ہے صرف غزوہ ہے، جس کے لئے بہت سے دلائل موجود ہیں، ان روایات میں کوئی بھی روایت یہ ثابت نہیں کرتی کہ مصرف فی سبیل اللہ میں حج داخل ہے، بلکہ ان میں لغوی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں حج بھی داخل ہے اور اس سے ہمیں

Marfat.com

انکار نہیں، مگر ہماری گفتگو فی سبیل اللہ کے لغوی عموم کے بجائے اصطلاحی خصوص سے ہے۔

۳-تیسری بات یہ ہے کہ ان روایات میں کسی میں یہ ثابت نہیں کہ اونٹ صدقات کے تھے اور پھر ان کو حج کے لئے استعمال کیا گیا، بلکہ وقف کی نوعیت تھی کہ ان کو فی سبیل اللہ محبوس رکھا گیا تھا اور پھر حج کے لئے ان کو استعمال کیا گیا، اس لئے ان روایات کا ہماری بحث سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:

فی سبیل اللہ کے ذیل میں حج کے قائلین ایک دلیل ابولاسؓ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس کو امام بخاریؒ نے تعلیقاً نقل کیا ہے، حضرت ابولاسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کرنے کے لئے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا، اس روایت کو امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے سند متصل کے ساتھ بھی روایت کیا ہے، مگر ابن حجرؒ نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحاق ہیں اور عن کے ذریعہ وہ روایت کرتے ہیں جب کہ محمد ابن اسحاق مدلس ہیں، ان کا عنعنہ مقبول نہیں، اور اسی بنا پر محدث ابن المنذرؒ نے اس روایت کے ثبوت وصحت میں شک کا اظہار کیا ہے۔

ساتویں دلیل:

بعض حضرات نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے فتاویٰ کو دلیل میں پیش کیا ہے کہ ان دونوں اکابر نے حج کے لئے صدقہ کے مال کو خرچ کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔

۱-مگر اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات کو سند کے اعتبار سے مضطرب قرار دیا ہے۔

۲-دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان اصحاب کی ذاتی رائے تھی، ان کے مقابلے میں جمہور

Marfat.com

صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ ''حج'' فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل نہیں ہے۔

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط:

ب- فی سبیل اللہ میں حنفیہ فقر کی شرط لگاتے ہیں، ائمہ ثلاثہ فقر کی شرط نہیں لگاتے، بلکہ ان کے نزدیک ہر مجاہد کے لئے خواہ وہ غنی ہو یا محتاج زکوٰۃ کا مستحق ہے، تقلید کی بنا پر حنفیہ کے قول سے خروج کی ہمت نہیں ہے، ورنہ قرآن نے جس طرح فقراء کو مستقل مصرف قرار دیا ہے اسی طرح فی سبیل اللہ کو بھی مستقل مصرف قرار دیا ہے، پھر ایک کو دوسرے کے لئے شرط قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ایک فقیر محض فقر کی بنا پر مستحق زکوٰۃ ہے، خواہ اس میں دوسرے مصارف کی مصرفیت موجود ہو یا نہ ہو تو پھر مجاہد میں استحقاق زکوٰۃ کے لئے محض فی سبیل اللہ کی علت کافی کیوں نہیں ہے؟ اس میں فقر کی شرط لگانا ایک مستقل مصرف کو دوسرے کے تابع بنانا ہے جو فہم سے بالاتر ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام فقہاء احناف جن میں مفکرین، محققین، محدثین اور اکابر علماء شامل ہیں ان میں کوئی بھی نہیں جو اس سے مخالف رائے رکھتا ہو، تمام فقر کی شرط لگاتے ہیں، غالباً ان کی نگاہ اس طرف گئی ہو کہ زکوٰۃ دراصل دفع حاجت کے لئے مشروع کی گئی ہے اور تمام مصارف میں خواہ اس کے نام مختلف ہوں، مگر علت حاجت قدر مشترک کے طور پر ان کے اندر موجود ہے یا ان اکابر کی نگاہ میں کوئی اور بنیاد ہو، جہاں تک ہماری رسائی نہ ہو سکی، بہر حال اپنی نارسائی پر افسوس کے ساتھ مجھے فی سبیل اللہ کے لئے فقر کی شرط کے بارے میں تذبذب ہے۔

مصارف زکوٰۃ اور قیاس شرعی:

فقہی کتابوں میں مصارف زکوٰۃ کے مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً تمام فقہاء نے کسی نہ کسی صورت میں تعلیل کی ہے، مثلاً ابن رشدؒ کے بیان کے مطابق بعض حضرات نے عاملین پر قیاس کرتے ہوئے ان علماء اور قاضیوں کے لئے بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں کے امور و مصالح عامہ میں مشغول ہوں۔

Marfat.com

یا حنفیہ نے ابن السبیل پر قیاس کر کے ان لوگوں کے لئے بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے جن کا مال گم ہو چکا ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ وصول نہیں کر سکتے اگر چہ وہ اپنے ہی شہر میں کیوں نہ ہو۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ قیاسات فی نفسہ صحیح ہیں یا غلط؟ لیکن ان سے کم از کم اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں تعلیل وقیاس کی اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس کے حصر پر کوئی اثر پڑے بغیر ان کے مصارف ثمانیہ میں وسعت ہو سکے، اس کے بعد ہم مصرف سابع فی سبیل اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس میں جو غزوہ و جہاد مراد لیا گیا ہے اس کو بعینہ اسی صورت حال پر نہیں رکھ سکتے اور نہ وہ نوعیت جو عہد نبوی ﷺ میں تھی فی نفسہ مطلوب ہے، بلکہ مقصد جہاد، اعلاء کلمۃ الحق اور نصرت دین اسلام ہے، اس کے لئے جتنی شکلیں اور جتنے میدان مسلمانوں کو اختیار کرنے پڑیں وہ سب جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور یہ اس قدر بدیہی ہے کہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، ظاہر ہے کہ حضور ﷺ یا صحابہؓ کے زمانے میں جنگیں تلوار، گھوڑے، اونٹ، ہاتھی، نیزے اور تیر کے ذریعے لڑی جاتی تھی، اگر جہاد سے مراد صرف عسکری جنگ بھی ہو تو یہ آلات اور ہتھیار آج کے دور میں ہم استعمال کر کے جہاد نہیں کر سکتے، آج کے دور میں عسکری جنگ کے لئے جو نئے ہتھیار وجود میں آئے ہیں ان کو اختیار کر کے ہی اسلامی جہاد کیا جا سکتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد کے لئے ہر دور کے لحاظ سے ہتھیار اور میدان تبدیل کرنے پڑے ہیں۔ اس گفتگو کی روشنی میں آج کے دور پر ہم نگاہ ڈالیں تو آج کا دور عسکری جہاد سے بڑھ کر فکری، اقتصادی اور سیاسی جہاد کا ہے، جہاد تو آج بھی جاری ہے، مگر اس کی نوعیت بدل چکی ہے، اسی طرح میدان بھی نئے پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے میرے نزدیک وہ تمام حضرات مجاہدین فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جو اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف کسی بھی اعتبار سے برسر پیکار ہوں، خواہ وہ فکری، سیاسی، اقتصادی کسی بھی طرح ان کا مقابلہ اور اسلام کی جانب سے دفاع

5/21

Marfat.com

کرر ہے ہوں۔ یہ بالکل واضح حقیقت ہے، مگر چند دلائل نمونے کے لئے پیش ہیں:

۱- اسلام کے نزدیک جہاد صرف قتل وخون کا نام نہیں ہے، بلکہ جہاد باطل کو سرنگوں اور حق کا بول بالا کرنے کا نام ہے اور یہ مقصد تلوار کی طرح زبان اور قلم سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"كلمة حق عند سلطان جائر. رواه أحمد و النسائی و البیهقی".

(ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا کلمہ بلند کرنا)۔

۲- حضور ﷺ نے فرمایا:

"فمن جاهد هم بيده فهو مؤمن، و من جاهد هم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهد هم بقلبه فهو مؤمن، وليس وراء ذلک من الإيمان حبة خردل" (رواہ مسلم)۔

(جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے)۔

۳- حضور ﷺ نے فرمایا:

"جاهدوا المشركين بأموالكم وألسنتكم" (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)۔

(مشرکوں سے اپنے مال، جان اور زبان کے ذریعہ جہاد کرو)۔

ان تمام مثالوں میں زبان کے ذریعہ نصرتِ دین کو بھی جہاد قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ جہاد کے مفہوم میں وسعت ہے، مگر جس دور میں ضرب وحرب کی حد تک جہاد محدود تھا اس دور میں جہاد کا عمومی تصور یہی تھا، مگر آج کا دور ضرب وحرب سے بڑھ کر فکر وخیال کے جہاد کا ہے، اس لئے مفکرین کو چاہئے کہ آج کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے جہاد کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے سنجیدگی کا مظاہرہ کریں، البتہ یہ واضح رہے کہ زبان وقلم کے ذریعہ دین کا کوئی بھی کام جہاد کے ذیل میں اس وقت آئے گا جب اس کا رخ کفار اور دشمنان اسلام کی طرف ہو، دشمنوں کے

Marfat.com

پھیلائے ہوئے فکری شکوک وشبہات کا دفاع کیا جائے یاان کے سیاسی پروپیگنڈوں کی حقیقت کھولی جائے یاان کی جانب سے مسلمانوں کے اقتصاد پر پڑنے والے منفی اثرات ختم کرنے کی کوشش کی جائے، یہ سب جہاد ہیں، اس لئے کہ ان کا رخ دشمنوں کی جانب ہے، لیکن جو دینی ادارے، اکیڈمیاں، خانقاہیں، مصنفین اور اہل قلم اپنی تمام تر قلمی، علمی اور لسانی کوششوں کا محور مسلمانوں کی اصلاح، ان کی اندرونی مشکلات کا حل اور ان کے دینی رجحانات کی بہتری کو بنائے ہوئے ہیں، ان کو مجاہدین میں شمار نہیں کیا جا سکتا، اور نہ یہ جہاد کہلا سکتا ہے، اس لئے کہ جہاد کے لئے دشمن سے مقابلہ شرط ہے اور اس کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مسلمانوں کے اندرونی امور کے بجائے، مسلمانوں، اسلام یا اسلامی حکومت کی جانب سے اعداء اسلام کے مقابلے میں کچھ کہا یا لکھا جائے، اعداء اسلام میں وہ فرقے بھی داخل ہیں جن کو علماء امت نے اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کا مصداق

مولانا اعجاز احمد اعظمی ☆

الف۔ فی سبیل اللہ کا مصداق اصالۃ تو وہی ہے جو عہد صحابہ وتابعین میں معروف تھا، جس کو تمام ائمہ نے نقل کیا ہے، اور وہی عہد نزول قرآن میں عام طور سے متعارف تھا، اور چاروں ائمہ اس کے قائل ہیں، یعنی غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ، لفظ فی سبیل اللہ کا یہ مصداق اتنا مشہور ومتعارف ہے کہ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ لفظ اپنے عام لغوی معنی میں نہیں ہے، یہ قران وسنت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے، جسے منطق کے عرف میں منقول شرعی کہتے ہیں، بلکہ جس عہد میں قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت کے لحاظ سے یہ منقول عرفی ہے، اس کا معنی اس دور میں، وہی سمجھا جاتا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ مطلق بولے جانے کی صورت میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ذہنوں میں نہیں آتا تھا، پس اس کا یہ مفہوم متواتر اور قطعی ہے اس میں کسی طرح کے تردد اور ریب کی گنجائش نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ بعض اکابر سلف سے اس کا مصداق حاجی منقول ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غازی مراد نہیں ہے، غازی تو بالاتفاق مراد ہے اور یہی اصل ہے، ان اکابر کا مقصد یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرے میں حاجی بھی داخل ہے، حاجی اس کا اصل مفہوم اصطلاحی نہیں ہے، اسی وجہ سے غازی مراد لینے میں کسی نے بجز اس کے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے کہ یہ لفظ عام طور سے اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حوالے آگے آرہے ہیں۔ البتہ جن

☆ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپورہ، اعظم گڑھ

Marfat.com

لوگوں نے اس کے مفہوم میں حاجی کو داخل کیا ہے، اس کے لئے انہیں چونکہ استعمال وعرف سے دلیل نہیں ملی۔اس لئے احادیث سے دلیل کا سہارا لینا پڑا، بلکہ صحیح لفظوں میں یہ ہے کہ چند ایک احادیث ہی کی وجہ سے انہوں نے حاجی کو اس کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔

"حضرت ام معقل سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے ابو معقل نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا اور ہم کو مرض لاحق ہوا، جس میں ابو معقل کا انتقال ہو گیا، نبی ﷺ حج میں تشریف لے گئے، پھر حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ام معقل کیا بات ہوئی کہ تم ہمارے ساتھ حج میں نہیں گئیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہم نے تیاری کر رکھی تھی، لیکن ابو معقل کا وصال ہو گیا، اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے انہوں نے اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی پر چلنا چاہئے تھا، کیونکہ حج بھی تو فی سبیل اللہ ہے، خیر اب تو ہمارے ساتھ تمہارا حج فوت ہو گیا، اب تم رمضان میں عمرہ کر لو حج کے برابر ہے" (ابوداؤد ۲/۵۰۶)۔

اس معنی میں اور بھی روایتیں ہیں، ان میں ذکر ہے کہ ام معقل نے اپنے شوہر ابو معقل سے مطالبہ کیا کہ سفر حج کے لئے مجھے اونٹ دے دو، انہوں نے اس کے فی سبیل اللہ ہونے کا عذر بیان کیا، دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے حج کے لئے اونٹ دینے کا حکم دیا کہ یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔

اس حدیث سے بلاشبہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ کا ایک فرد ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی بہت نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق حضرات صحابہ کے نزدیک حج نہیں تھا۔صرف جہاد تھا۔ کیونکہ اگر ان کے عرف میں حج اس کا مصداق ہوتا تو ام معقل حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے آخری حج کی سعادت سے محروم ہونا گوارا نہ کرتیں، وہ خود بخود ساتھ ہو جاتیں یا اگر شبہ کے درجے میں بھی فی سبیل اللہ کا

Marfat.com

مصداق حج کو سمجھتیں، تو آپ ﷺ سے دریافت کر لیتیں، لیکن جب ایسا نہیں ہوا حالانکہ ان پر حج فرض تھا، جانے کا شوق بھی تھا، تیاری بھی تھی، مگر نہ گئیں، اور نہ مسئلہ دریافت کیا، تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کے عرف میں فی سبیل اللہ کا ایک ہی مصداق متعین تھا، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی سہولت کے پیش نظر مرضی حق پا کر فی سبیل اللہ کے لغوی مفہوم پر نظر فرماتے ہوئے اس میں حج کو بھی داخل فرما دیا، تو درحقیقت یہ اس کا مصداق نہیں ہے، مصداق میں بہ لحاظ عموم لفظ کے داخل ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آیت تطہیر میں اہل بیت کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" (سورۂ احزاب: ۳۳)۔

(اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ تم سے اے اہل بیت نجاست دور کر دیں اور تم کو اچھی طرح پاک وصاف کر دیں)۔

یہ آیت ظاہر ہے اور سیاق کلام شاہد ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہی اس کا مصداق اول ہیں، لیکن رسول اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی، نواسوں اور داماد حضرت علیؓ کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل فرمایا، اور فرمایا:

"اللهم هؤلاء أهل بيتي" (تفسیر ابن کثیر ۳/۷۷۰)۔

(اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں)۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت بھی تلاوت فرمائی تھی، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا کہ اہل بیت کے مفہوم میں ازواج مطہرات کا شامل ہونا تو بدیہی تھا، لیکن مذکورہ بالا حضرات کا اس کے مفہوم میں داخل ہونا واضح نہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اہتمام کر کے اس میں داخل فرمایا۔

علاوہ ازیں مصارف زکوۃ میں آئے ہوئے فی سبیل اللہ کے لفظ حاجی کے داخل ہونے

Marfat.com

کے سلسلے میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ کیا اس حدیث کو مذکورہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں پیش کرنا برمحل اور مناسب ہے، ظاہر ہے کہ حدیث میں فی سبیل اللہ ایک دوسرے موقع پر آیا ہے، گو کہ وہاں بھی فی سبیل اللہ کا اصل معنی غزوہ ہی ہے مگر اس جگہ مسئلہ وقف کا ہے اور یہاں زکوۃ کا ہے اور جس قدر احتیاط اور اہتمام زکوۃ میں درکار ہے جو اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک ہے، اس قدر اہتمام واحتیاط وقف کے مسئلے میں نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق فرائض سے نہیں ہے۔

بہر حال حالت اطلاق میں اس کا اصل مصداق غزوہ وجہاد ہے، لفظ کے عموم لغوی کی مناسبت سے حج بھی اس میں داخل ہے، رہا یہ کہ امام کاسانی صاحب ''بدائع الصنائع'' نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ:

''رہا اللہ تعالی کا ارشاد فی سبیل اللہ، تو یہ عبارت ہے تمام قربتوں سے، اس لئے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالی کی طاعت میں سرگرم ہو اور بھلائی کی راہوں میں کوشاں ہو، جبکہ وہ محتاج ہو''۔

تو یہ اس بات میں بالکل واضح ہے کہ صاحب بدائع نے یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں متعین کیا ہے، بلکہ اس کی عام لغوی تشریح کر کے اس کے تحت کارہائے خیر کو داخل فرمایا ہے، اس کا مصداق انہوں نے بعد میں ائمہ سے نقل کیا ہے، چنانچہ اس کے معابعد فرماتے ہیں کہ:

''وقال أبو يوسف: المراد منه فقراء الغزاة؛ لأن سبيل الله إذا أطلق في الشرع يراد به ذلك، وقال محمد: المراد منه الحاج المنقطع'' (ایضا ۲/۴۶)۔

(امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے فقراء مجاہدین مراد ہیں، کیونکہ جب سبیل اللہ شریعت میں مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد منقطع حاجی ہے)۔

صاحب ''بدائع'' کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ جتنے کار خیر ہیں سب ''فی سبیل اللہ'' جو آیت میں مذکور ہے، کا مصداق ہیں، البتہ فی سبیل اللہ کے لغوی معنی کے عموم کے تحت داخل ہیں،

Marfat.com

کسی کے تحت کسی مناسبت سے داخل ہونا امر دیگر ہے اور اس کا مصداق ہونا امر آخر ہے۔ علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں:

''اور سبیل اللہ عام ہے ہر اس خالص عمل پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ اللہ کے تقرب کی راہ طے ہو، خواہ فرائض ہوں، نوافل ہوں یا مختلف مستحبات وغیرہ، لیکن جب مطلق بولا جاتا ہے اکثر اس کے معنی جہاد کے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے گویا اس کا معنی صرف یہی رہ گیا ہے'' (تاج العروس بحوالہ النہایہ ۷/۳۶۶)۔

علامہ ابن اثیر کی اس تحریر سے سبیل اللہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی خوب واضح ہے، بہر حال آیت میں فی سبیل اللہ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، ورنہ تو خود زکوۃ دینے والا بھی فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پا کر بنص قرآنی زکوۃ لینے کا مستحق قرار پا جائے گا۔

مصارف زکوۃ کی بحث میں ''انما'' کے حصر کی بحث لانے کی ضرورت نہیں ہے، حصر کے حقیقی ہوتے ہوئے بھی فی سبیل اللہ کو عام کر کے اس میں بہت سے کار خیر داخل کئے جا سکتے ہیں تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ کہ یہ حصر حقیقی ہے، یا اضافی، مقصد تو حقیقی ہونے کی صورت میں بھی ان حضرات کا حاصل ہو جاتا ہے جو فی سبیل اللہ کو عام کرنا چاہتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ جب ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے تو اس کے خلاف جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے چند احادیث لکھ کر بجائے اس کے کہ ان کے مفاہم کو آٹھوں اصناف میں سے کسی میں داخل کرتے، حصر کے اضافہ ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے، لیکن یہ ان کی تنہا رائے ہے جو احکام کے اسرار و حکم کے بیان کے ذیل میں آئی ہے، موقع فتوی یہ نہیں ہے، اس لئے ساری امت کے اجماع و اتفاق کے خلاف نہ وہ قابل قبول ہے اور نہ لائق استدلال۔

احکام کے باب میں قرون اولی میں جس لفظ کا جو مصداق متعین ہو چکا ہے اور اس پر بلا نکیر عمل جاری رہا ہے اس پر تواتر و تعامل کی وجہ سے گویا اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس لئے اس کو

Marfat.com

اختیار کرنا ضروری ہے اور اس کو ترک کرنا درست نہیں ہے، البتہ کسی مناسبت کے لحاظ سے کسی اور کو اس کے تحت داخل کریں تو گنجائش ہے۔

ب- بلاشبہ فقر شرط ہے، یہ شرط کہیں باہر سے نہیں چسپاں کی گئی ہے، خود صدقہ و زکوۃ کے مفہوم سے یہ شرط ظاہر ہوتی ہے، اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ شریعت کا عرف جو زمانہ نبوت سے آج تک رائج ہے اور ہر مسلمان کو بداہتہ معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ زکوۃ اور صدقہ تنگ دست اور غریب ہی کو دیا جاتا ہے، جہاں زکوۃ و خیرات کا ذکر آتا ہے سوائے اہل فقر اور اہل حاجت کے کسی اور طرف ذہن منتقل ہوتا ہی نہیں، اس لئے یہ بات بطور علم ضروری کے متعین ہے کہ صدقہ کا مصرف ہونے کے لئے فقر بنیادی وصف ہے، اس کے خلاف کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اور یہ دلیل صرف عاملین اور مولفۃ القلوب میں دستیاب ہے، اس لئے ان دونوں میں فقر شرط نہیں ہے۔ اور خود فقر کے شرط ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہے، ان بدیہات شرعیہ پر دلیل کا مطالبہ محل حیرت ہے، البتہ جن لوگوں نے مذکورہ بالا دونوں صنفوں کے علاوہ میں غنی کو زکوۃ دینے کی اجازت دی ہے ان سے دلیل کا مطالبہ معقول ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اس مسئلے پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ غازی کو اگرچہ وہ غنی ہو زکوۃ دینے کے جواز کے قائل ہیں۔ حدیث یہ ہے:

"لا تحل الصدقة لغنى إلا لخمسة، لغاز فى سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدى المسكين للغنى - رواه مالك فى الموطا" (اوجز المسالک ۱۶/۶)۔

صدقہ بجز پانچ شخصوں کے اور کسی غنی کے لئے حلال نہیں ہے، ایک غازی فی سبیل اللہ، دوسرے عامل، تیسرے مقروض، چوتھے ایسا آدمی جس نے صدقہ کا مال اپنی رقم سے خرید لیا ہو، پانچویں وہ شخص جس کا کوئی پڑوسی مسکین ہو، اسے صدقہ دیا گیا، اس نے وہی صدقہ اس غنی کو ہدیہ کر دیا۔

Marfat.com

اس روایت سے شوافع نے استدلال کیا ہے کہ غازی کو زکوۃ دینا جائز ہے، اس کے مقابلے میں جن لوگوں نے فقر کو ضروری قرار دیا ہے، انہوں نے بھی حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا تو منجملہ اور تعلیمات کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ:

"فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة فى أموالهم تؤخذ من أغنياء هم و ترد فى فقرائهم" (بخاری مع فتح الباری ۳۲۳/۲)۔

(انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان کے اوپر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء میں واپس کیا جائے گا)۔

یہ تعلیم کا موقع تھا، اس میں احکام کا بیان مقصود تھا، ایسے موقع پر آپ ﷺ نے مطلقاً فقراء فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کے مستحقین میں فقر ضروری ہے۔

"امام احمد نے اپنی سند سے، عبید اللہ بن عدی سے روایت کی ہے کہ دو آدمی نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے صدقہ کا سوال کیا، آپ ﷺ نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا، تو دونوں کو تندرست دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو تمہیں دے دوں، لیکن سن لو کہ اس میں غنی کا اور اس شخص کا جو کمائی پر قادر ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کسی غنی اور طاقتور تندرست شخص کے لئے حلال نہیں ہے، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے" (ابوداؤد والترمذی وقال حسن صحیح)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ استحقاق زکوۃ کے لئے فقر درکار ہے، رہا کمانے کے لائق ہونا تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تغلیظا تاکہ مفت خوری کا رجحان نہ پیدا ہو، لیاقت کسب کی وجہ سے بھی صدقہ کی ممانعت کردی، اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ

Marfat.com

کمانے کے لائق ہونا بھی زکوۃ لینے سے مانع ہے تو ہمارے مقصد کے لئے کچھ مضرنہیں۔

البتہ موطا والی روایت جس سے غنی غازی کے لئے صدقہ کے جواز پر استدلال کیا گیا، اس سے استدلال خاصا محل نظر ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث مذکورہ میں پانچ قسم کے اغنیاء کے لئے صدقہ جائز قرار دیا گیا ہے، ان میں اول غازی ہے وہ تو یہاں زیر بحث ہے، دوسرے عامل، تو اس کے سلسلے میں قدرے گفتگو گذر چکی ہے اور کچھ آگے آرہی ہے، تیسرے غارم ہے، اسے غنی مجازاً کہا ہے، کیونکہ جو شخص کسی دین یا غرامت میں مبتلا ہے، وہ باوجودیکہ ظاہراً مال رکھتا ہو، لیکن اس کا سارا مال غرامت کی نذر ہو جانے والا ہے، پھر وہ کیا غنی ہوا؟ چوتھے وہ شخص جس نے زکوۃ کا مال خریدا ہو، یہ بالکل کھلی بات ہے کہ اس نے زکوۃ نہیں لی ہے، خریدی ہوئی زکوۃ تو اسے اپنے مال کے عوض میں دستیاب ہوئی ہے، اس لئے اس پر اطلاق مجاز ہے، پانچویں وہ شخص جس کو کسی مسکین نے زکوۃ کا مال جو اس کے قبضہ اور ملکیت میں آچکا تھا، بطور ہدیہ کے دے دیا، یہاں بھی غنی کو زکوۃ لینے والا مجازاً ہی کہا گیا ہے، حقیقتاً اس نے زکوۃ نہیں لی ہے، زکوۃ تو مسکین کو ملی تھی اور مسئلہ معلوم ہے کہ تبدل ملک سے شی کی حقیقت بدل جاتی ہے، پس ان تینوں کو زکوۃ کا لینے والا مجازاً کہا گیا ہے، اگر اس کی روشنی میں کوئی غازی کو بھی مجازاً ہی غنی قرار دے تو کیا اس کی گنجائش نہیں ہے؟، مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو غنی ہے اس نے جہاد میں جانے کا ارادہ کیا، اس کے لئے سامان جنگ وغیرہ خریدے، زادراہ لیا، تو گو پہلے وہ غنی تھا، لیکن ان سامانوں کی خریداری میں عین ممکن ہے کہ اس کا گناہ حقیقتاً ختم ہو جائے، کیونکہ اس کی بیشتر رقم مصارف جہاد اور سامان جنگ کی خریداری میں صرف ہوگئی، اور یہ سامان جنگ تو حوائج اصلیہ میں داخل ہیں، پس وہ مستحق زکوۃ ہو گیا اور ایسا فقر وغربت کی وجہ سے ہوا، لیکن چونکہ پہلے وہ غنی تھا، اس لئے دیکھنے والے اب بھی اسے ظاہراً غنی ہی سمجھیں گے، اس اعتبار سے اسے مجازاً غنی کہہ دیا گیا، صاحب ''بدائع'' فرماتے ہیں:

''وأما استثناء الغازی فمحمول علی حال حدوث الحاجة وسماه غنیا علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة'' (بدائع الصنائع ۴۶/۲)۔

Marfat.com

بہر حال غازی کا استثناء تو وہ محمول ہے حاجت کے پیدا ہو جانے کی حالت پر اور اس کو حدوث حاجت کے پہلے کی حالت کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

اتنا لکھنے کے بعد پھر وہی تفصیل لکھی ہے جو اوپر ذکر کی گئی، یہ توجیہ نہایت عمدہ اور قابل قبول ہے، اس سلسلے میں علامہ سید مرتضی بلگرامی نے بھی نہایت عمدہ بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"أن نفس الاسماء المذكورة فی آلآیة تفید أن المناط فی الدفع إلیهم الحاجة لما عرف من تعلیق الحکم بالمشتق أن مبدأ استقاقه علة"۔

آیت مذکورہ میں اسماء خود دلالت کرتے ہیں کہ انہیں زکوۃ دیئے جانے کے لئے مدار حکم احتیاج ہے، کیونکہ معلوم ہے کہ جب حکم کسی مشتق پر دائر ہوتا ہے تو اس کا ماخذ اشتقاق علت ہوتا ہے۔

"اور ان اسماء کا ماخذ اشتقاق قیام حاجت کو بتاتا ہے، پس حاجت ہی زکوۃ دینے کی علت ٹھہری، البتہ مولفۃ القلوب میں علت تالیف قلب ہے، اور عامل میں علت اس کا عمل ہے، بس یہی دو مستثنی ہیں ان کو باوجود غنا کے زکوۃ دی جا سکتی ہے۔

اور حدیث مذکور سے اصحاب شافعی نے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب کئی طریقوں سے ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو تو حدیث معاذ جیسی قوت نہیں رکھتی، کیونکہ وہ صحاح ستہ کی روایت ہے اور اگر اس کی جیسی قوت بھی رکھتی ہو تب بھی حدیث معاذ ہی کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ مانع ہے اور جس سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے وہ مبیح ہے، علاوہ ازیں اس میں خود ان حضرات نے تاویل کا دروازہ کھول رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے قید لگا رکھی ہے کہ وہی غازی غنی زکوۃ کا مستحق ہوگا، جس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر نہ ہو، اور نہ اسے مال فی سے حصہ ملتا ہو، حالانکہ غازی عام ہے اور اس تاویل کی وجہ سے اس کی دلالت بہ نسبت اس حدیث کی دلالت کے جس میں تاویل کا دخل نہیں ہے، کمزور ہے" (اتحاف السادۃ المتقین ۴/۲۴۹، ۲۵۰)۔

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ اگر حدیث مؤطا اور حدیث معاذ دونوں ایک درجہ کی قوت رکھتی ہوں، جب بھی حدیث معاذ میں چونکہ فقراء کے ساتھ زکوۃ کو خاص کیا گیا ہے، اس لئے اغنیاء کے حق میں وہ عدم جواز پر دلالت کرتی ہے، اور حدیث موطا ایک خاص غنی کے لئے اباحت ثابت کرتی ہے اور قاعدہ ہے کہ مبیح دلیل اور مانع دلیل میں تعارض ہو، اور دونوں مساوی ہوں تو احتیاطاً مانع کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حدیث موطا، خود شافعیہ کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے، اس میں یہ شرط لگادی گئی ہے کہ اس غنی غازی کو حکومت کے بیت المال سے وظیفہ نہ ملتا ہو، اسی طرح مال فئی جو مال غنیمت کا ایک شعبہ ہے، اس میں سے اس کا حصہ نہ ملتا ہو، تب وہ مستحق زکوۃ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس تاویل کے بعد اس کے ظاہری معنی پر اس کی دلالت اس حدیث کے مقابلے میں ضعیف ہو جائے گی، جس میں اس طرح کی کوئی تاویل نہیں ہے، چنانچہ معلوم ہے کہ حدیث معاذ میں کوئی تاویل نہیں ہوئی ہے۔

تکمیل بحث کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور امام ابوبکر جصاص نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے بھی درج کر دیا جائے، فرماتے ہیں:

"ان اصناف میں سے جتنے لوگ صدقہ لیتے ہیں وہ فقر کی وجہ سے بطور صدقہ کے لیتے ہیں، اور مؤلفۃ القلوب اور عاملین علیہا اسے بطور صدقہ کے نہیں لیتے، صدقہ اولا امام کے قبضہ میں برائے فقراء جاتا ہے، پھر امام اس میں سے مولفۃ القلوب کو دیتا ہے تا کہ فقراء سے اور مسلمانوں سے ان کی ایذا رسانی کا سد باب کرے اور عاملین کو ان کی محنت کے عوض میں دیتا ہے بطور صدقہ نہیں (احکام القرآن ۴/ ۳۳۰)۔ اور ہم نے اس لئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے زکوۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں لوٹا دوں، آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ زکوۃ کا مصرف فقراء ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی صدقہ لے گا، فقر ہی کی وجہ سے لے گا، اور مذکورہ اصناف کا بیان اسباب فقر کی تفصیل کے لئے کیا گیا (گویا مذکورہ بالا دونوں اصناف کے علاوہ سارے نام اسباب فقر کو بیان کرتے ہیں)"۔

(چونکہ عاملین کو خالص صدقہ کے طور پر زکوۃ نہیں ملتی، بلکہ بطور اجرت ملتی ہے اور خالص اجرت بھی نہیں ہے اس لئے غنی کے لئے جائز ہے اور ہاشمی کے لئے جائز نہیں، تفصیل گذر چکی ہے)۔

Marfat.com

۵- مصارف زکوۃ پر قیاس کرنا گویا دوسری اصناف کو جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، مصارف کے دائرہ میں لانا ہے، یہ بات حصر کے منافی ہے اور گذر چکا ہے کہ حصر پر تمام علماء کا اتفاق ہے، پھر یہ کہ قیاس وہاں کیا جاتا ہے، جہاں کسی فرد کے بارے میں کوئی حکم شرعی ثابت نہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو، تو اشتراک علت سے اس کو کسی منصوص کے دائرے میں لایا جاتا ہے، اصناف مذکورہ میں سب کلیات ہیں اور ان میں مناط حکم جیسا کہ بتایا جاچکا تین ہیں۔ بعض اصناف میں فقر ہے، بعض میں عمل اور محنت اور بعض میں تالیف قلب، اب جن جن افراد میں ان میں سے کوئی علت موجود ہوگی، وہ خود بہ خود انہیں اصناف کے تحت آجائیں گے، الگ سے کسی صنف کے بڑھانے کی گنجائش نہیں، اس لئے قیاس کی ضرورت نہیں، جہاد قلمی، جہاد ثقافی، جہاد فکری کے لئے کسی نویں صنف کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو جہاد عسکری کے تحت داخل کیجئے، لیکن ہاں فقر شرط ہے، مدار کار جہاد نہیں ہے، مدار کار فقر ہے اور فقر کی حدود متعین ہیں۔

۶- اور اگر فی سبیل اللہ کی توسیع وتعمیم سے یہ مراد ہے کہ جن اشخاص وافراد کو فی سبیل اللہ کے تحت داخل کیا گیا ہے، ان کے علاوہ دوسرے ایسے رفاہی پروگراموں کو بھی اس کے دائرہ میں لایا جائے، جن میں کسی فرد کے سپرد مال نہیں کیا جاتا، بلکہ بلا واسطہ اعطائے زکوۃ کے اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے، مثلاً کتابیں چھپوائی جائیں، پمفلٹ شائع کئے جائیں، اور دوسرے منصوبوں اور پروگراموں، جلسہ جلوس اور سمینار اور کانفرنسوں پر خرچ کیا جائے، اداروں کی مختلف ضروریات میں انہیں لگایا جائے، تو یہ توسیع وتعمیم بالکل بے بنیاد، بے دلیل، بلکہ خلاف دلیل ہے۔

یہ مسئلہ امت میں مجمع علیہ ہے کہ زکوۃ اشخاص وافراد کے حوالے ہونی چاہئے، اس کو اس کے علاوہ کسی اور منصوبہ پر خرچ کرنا، جس میں زکوۃ کی بطور زکوۃ کی ادائیگی نہ ہو خلاف اجماع ہے، قرون مشہود لہا بالخیر میں، بلکہ اس کے بعد بھی امت میں کوئی قابل ذکر جماعت اس بات کی قائل نہیں ہوئی ہے کہ زکوۃ اشخاص کے علاوہ دوسرے مواقع خیر پر خرچ کی جاسکتی ہے اور جو بھی

Marfat.com

اکا دکا اس طرح کے خیال کا اظہار کیا گیا ہے تو امت کے اجتماعی مزاج نے اسے کبھی قبول نہیں کیا ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک تو تملیک شرط ہے، یعنی اصناف مذکورہ کو زکوۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کے ایک قول میں صرف فی الرقاب کے سلسلے میں یہ وسعت ہے کہ زکوۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے، بعض صحابہ سے بھی یہ قول مروی ہے، اس میں گو کہ تملیک نہیں ہے، لیکن وہ رقم ایک فقیر کے مد میں خرچ ہو رہی ہے، اس لئے حکما وہ بھی تملیک میں داخل ہے اور اس میں بھی ان کے نزدیک کچھ شرائط ہیں۔

"والرقیق المومن لیشتری من الزکاۃ لأجل العتق بشرط أن یکون خالصا من شوائب الحریۃ فلا یصح عتق المدبر والمکاتب ونحوہ" (اوجز المسالک ۶/۲۵)۔

(مومن غلام جو زکوۃ کی رقم سے آزادی کے واسطے خریدا جائے بشرطیکہ وہ آزادی کے شائبہ سے بھی پاک ہو، پس مدبر اور مکاتب کو خرید کر آزاد کرنا صحیح نہیں ہے)۔

یہ حضرات مصارف زکوۃ کے سلسلے مین بغایت محتاط ہیں، بات یہ ہے کہ ان حضرات کے قلوب میں الہی کی بڑی وقعت وعظمت ہے، اس لئے ان پر عمل کے سلسلے میں بہت حساس اور نہایت باریک ہیں، اس کے برعکس آج ہمارے قلوب اس عظمت وعقیدت کے احساس سے کافی حد تک عاری ہیں، جس کی وجہ سے متفق علیہ احکام بھی ذہانتوں کا کھلونا بنتے جا رہے ہیں۔

آٹھ اصناف میں منحصر نہ ہونے کا اشارہ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کلام میں ملتا ہے، مگر وہ بھی ان پروگراموں کو مصارف زکوۃ قرار دینے کے حق میں بالکل نظر نہیں آتے، ان کا ارشاد وہیں پڑھیئے جہاں انہوں نے عدم انحصار کا اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ونوع ھو صدقات المسلمین جمعت فی بیت المال ومن حقہ أن یصرف إلی مافیہ تملیک لأحدوفی ذلک قولہ تعالی: إنما الصدقات للفقراء والمساکین" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۴۵)۔

Marfat.com

(اور ایک قسم مسلمانوں کے ان صدقات کی ہے جو بیت المال میں جمع کئے جاتے ہیں، اس کا حق یہ ہے کہ انہیں ایسے مصارف میں خرچ کیا جائے جن میں کسی شخص خاص کے لئے تملیک ہوتی ہے، اسی بارے میں آیت: "إنما الصدقات للفقراء والمساكين" ہے)۔

ملاحظہ ہو، اس میں انہوں نے زکوۃ کے مصارف کے لئے تملیک کو بنیادی شرط قرار دیا ہے، حد تو یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کو بھی غزاۃ سے آگے لے جانے کے لئے تیار نہیں ہیں، فرماتے ہیں:

"مصارف زکوۃ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ ضروریات اس نوع کی اگر چہ بہت ہیں مگر بنیادی حاجات تین ہیں، اول محتاج، اس کو شارع نے فقراء و مساکین، ابن السبیل اور اپنی ذاتی مصلحت کے سلسلے میں غارم کی صورت میں متعین کیا ہے۔ دوسرے محافظین، انہیں شارع نے غازی اور عامل کے نام سے ضبط کیا ہے۔ تیسرے ایسا مال جو مسلمانوں کے درمیان آپسی فتنوں کو دفع کرنے کے لئے ہوں یا ایسے فتنوں کو روکنے کے لئے جو غیر مسلمین کی طرف سے پیش آ سکتے ہوں۔ اور یہ فتنہ اس طرح پیش آ سکتا ہے کہ کوئی کمزور ایمان والا کفار سے ملا ہوا رہے، یا خود کافروں ہی کی طرف سے فتنہ پیش آنے کا امکان ہو تو ان کو یہ مال دے کر ٹال دیا جائے، اس کے لئے مؤلفۃ القلوب کا نام ہے یا خود مسلمانوں کے درمیان کچھ جھگڑے ہوں اور کوئی شخص مالی ذمہ داری لے کر صلح کرا دے، یہ شخص مسلمانوں کی مصلحتوں کی وجہ سے غارمین میں داخل ہے" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۵)۔

اس میں شاہ صاحبؒ نے فی سبیل اللہ کو فقط غزاۃ میں منحصر کر دیا ہے، عجیب بات ہے کہ ان مشائخ کی جو صاف اور محکم عبارتیں ہیں ان سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے اور جو عبارات متشابہ یا مجمل قسم کی ہیں جو کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں یا شاذ ہیں، ان سے استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسرے بزرگ جو فی سبیل اللہ کی تعمیم کے اس درجہ قائل معلوم ہوتے ہیں کہ تمام وجوہ خیر میں زکوۃ کو صرف کرنا ان کے خیال میں جائز ہے وہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم

Marfat.com

ہیں، لیکن یہی بزرگ دوسری جگہ جمہور ہی کے مسلک کے قائل ہیں اور فی سبیل اللہ سے غزاۃ اور مرابطین کو مراد لیتے ہیں اور اسی کو اولی لاجماع الجمہور علیہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ سوالنامہ میں اس کا ذکر ان کی تفسیر (فتح البیان ۱۴/۱۵۱) کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

بھلا جس مسلک کو انہوں نے اولی قرار دیا ہے اس کے خلاف کے لئے انہیں کے قول کو حجت بنانا نہ جانے کس منطق سے درست ہے؟

رہے شیخ رشید رضا مصری اور شیخ شلتوت تو یہ لوگ تجدد کی آندھی میں اڑے ہوئے حضرات ہیں، یہ اپنی ذہانت کے بل پر تجدد کی راہ میں اتنی دور تک جا پہنچے ہیں کہ امت اپنے اسلاف کے اتباع پر قائم رہتے ہوئے ان کا ساتھ نہیں دے سکتی، یہ لوگ مسلک سلف پر استقامت اختیار کرنے والوں کو جامد قرار دیتے ہیں، ہمارے خیال میں یہ جمود جو امت کو اسلاف کی راہ پر قائم رکھے مبارک ہے، "سیال علماء" امت کو ہمیشہ نقصان پہنچاتے ہیں۔

تعمیم کے اس نظریہ کی تائید میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: ایک یہ کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی صراحت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر ہم فی سبیل اللہ کو کسی خاص کار خیر کے لئے مخصوص کر سکیں، لہذا فی سبیل اللہ کا مصداق طے کرنا اجتہادی مسئلہ ہے، اسی طرح کی بات نواب صاحب مرحوم کی کتاب "الروضۃ الندیہ" سے بھی نقل کی گئی ہے:

"لیکن اس حصہ کے غازی کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہر کار خیر میں جو اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ ہو، اس کا خرچ کرنا درست ہے یہی آیت کا معنی باعتبار لغت کے ہے اور یہاں معنی بر وقوف واجب ہے، کیونکہ شرعا کوئی صحیح نقل اس پر وارد نہیں ہے" (الروضۃ الندیہ لنواب صدیق حسن خاں)۔

نہ جانے یہ دعوی علم وفضل کے کس جوش میں کیا گیا ہے، نواب صاحب اور رشید رضا مصری سے پہلے کے تمام علماء جو باتفاق فی سبیل اللہ کا مصداق غزاۃ اور بعض اس میں منقطع الحاج کو داخل شمار کر کے قرار دیتے ہیں، گویا وہ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ شریعت میں فی سبیل اللہ

5
22

Marfat.com

کا کوئی خاص مفہوم متعین نہیں ہے، اس لئے اس کے لغوی معنی پر اسے محمول کرنا چاہئے، یا وہ محل اجتہاد ہے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ چند ایک افراد کا قول لے کر تمام امت کی، امت کے تمام ائمہ کی، علماء کی، حتی کہ صحابہ کرام کی تجہیل کی ذمہ داری قبول کی جائے، حضرت ام معقل کو بھی اس لغوی معنی کی خبر نہ تھی، جب بھی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے آخری حج میں شرکت سے محرومی برداشت کرلی، اس قسم کی باتیں اگر بہت رعایت کی جائے تو ''زلات الحکیم'' میں داخل ہوں گی۔ ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق دور رسالت ہی سے متعین ہے، اس کے لئے کسی نقل خاص کی ضرورت نہیں ہے، یہ بات تواتر سے ثابت ہے، اس کے خلاف مراد لینا قرآن میں تحریف ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور استدلال صدقہ کے اونٹوں سے خوں بہا ادا کئے جانے کا ہے، استدلال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع نزاع، اصلاح ذات البین، نیز مقتول کے احوال کو خوش کرنے کے لئے زکوۃ کے مال سے خوں بہا ادا کیا، جب امن برقرار رکھنے کے مقصد سے رفع نزاع کے لئے مقتول کے ورثہ کو خوں بہا میں زکوۃ دینا جائز ہے، تو یہ بات بدرجہ اولی جائز ہونی چاہئے کہ اسلامی مملکت میں امن وامان کے قیام اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کے لئے زکوۃ کی رقم صرف کی جائے، مصالح عامہ کے کاموں میں زکوۃ خرچ کر کے اسلامی مملکت کو استحکام بخشا جائے۔

یہ دلیل بھی محل نظر ہے اور استدلال بھی محل تردد ہے، دلیل کے سلسلے میں عرض ہے استدلال راوی کے اس قول سے ہے کہ:

''فوداہ مأۃ من إبل الصدقۃ''۔

(تو آپ ﷺ نے صدقہ کے سو اونٹوں سے دیت ادا کی)۔

اس کے متعلق مشہور حافظ حدیث شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

”ابولیلی کی روایت میں ”من عنده“ کے لفظ سے۔یعنی آپ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی۔اور یحیی بن سعید کی روایت میں بھی ”من عنده“ کا لفظ ہے،حماد بن سلمہ کی روایت میں من قبلہ ہے(اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ”من عنده“ کا ہے)اور لیث کی روایت میں یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا تو اس کی دیت ادا کردی (اس میں نہ ”من عنده“ ہے اور نہ ”من اہل الصدقه“ ہے)“۔

دیکھئے اتنے ثقہ اور معتبر رواۃ کے نزدیک من اہل الصدقہ نہیں ہے،مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے صدقہ کے اونٹوں سے نہیں،بلکہ اپنے پاس سے ان کی دیت ادا کی تھی،اس لحاظ سے یہ دلیل ہی ختم ہوئی جاتی ہے،بعض حضرات نے فرمایا کہ من اہل الصدقہ کہنے کی غلطی سعید بن عبید راوی سے ہوئی ہے،کیونکہ یحیی بن سعید نے ”من عنده“صراحۃ نقل کیا ہے،لیکن بعض دوسرے حضرات دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہیں،تطبیق کی وجوہ حافظ ابن حجر نے لکھی ہیں،ان سب کے نقل کرنے میں تطویل ہے،”فتح الباری“ میں ملاحظہ فرمالیں،لیکن ساری تطبیقات وتوجیہات کا حاصل ایک ہے،وہ یہ کہ آپ نے صدقات کے اونٹوں کو دیت میں نہیں دیا تھا،یا تو یہ کہ اپنے مال سے زکوۃ کے اونٹوں کو خرید لیا ہو،یا بیت المال کے عام مال سے دیت دی ہو،لیکن بلاعوض مل جانے کی وجہ سے اس پر صدقہ کا اطلاق کردیا گیا ہو،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں کے بہ طور قرض کے لے لیا ہو کہ بعد میں مال فی سے ادا کردیا جائے گا۔

واضح ہو کہ یہ ساری وجوہ دونوں روایتوں کے جمع کرنے کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں،ان میں سے کوئی وجہ تسلیم کرلی جائے تو کسی روایت اور کسی راوی کی تغلیط نہیں کرنی پڑے گی،ورنہ لازماً ایک کی تغلیط کرنی ہوگی۔

دو ایک توجیہات ایسی بھی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ”من اہل الصدقہ“ کے لفظ پر جو اشکال ہورہا تھا کہ خوں بہا میں صدقہ کے اونٹ بالکل خلاف دستور کیسے دے دیئے گئے،اس پر کہا گیا کہ ممکن ہے مقتول کے اولیاء زکوۃ کے مستحق رہے ہوں،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے مؤلفۃ القلوب والا حصہ ان لوگوں کو دیا ہو کہ اس میں اولیاء مقتول کی تالیف قلب کے ساتھ یہودیوں کے

ساتھ بھی حسن سلوک ہے کہ ان کے درمیان میں پائے گئے مقتول کی ذمہ داری سے ان کو بری کر دیا گیا، اس طرح وہ متاثر ہو سکتے تھے، اس اعتبار سے اسے مؤلفۃ القلوب والے حصے کے یہ لوگ مستحق قرار پائے۔

بہر حال یہ مسئلہ پریشان کن تھا کہ خوں بہا کی ادائیگی زکوۃ سے کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ یہ آٹھ مصارف میں شامل نہیں ہے اور یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے کوئی عمل صادر ہو، اور اگر اس حدیث کو ٹھیک ٹھیک اس کے ظاہر کے مطابق قبول کر لیا جائے تو تمام علماء کو محسوس ہو رہا ہے کہ قرآن کے خلاف عمل تسلیم کرنا پڑے گا، پھر ایک صورت یہ تھی کہ قرآن کے حصر کو توڑ کر حضور ﷺ کے عمل کی وجہ سے حسب بیان مرادی اس کو مصارف زکوۃ میں شمار کر لیا جائے، چنانچہ کسی مجہول عالم کا یہ قول حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض کے حوالے سے نقل بھی کیا ہے، لیکن اسے کسی درجہ میں قابل اعتناء نہیں شمار کیا گیا ہے۔

حضور کا عمل قرآن کے خلاف ہو، ممکن نہیں، اس روایت کی وجہ سے حصر توڑ دیا جائے، اس روایت میں ایسی طاقت نہیں، بالخصوص جب کہ اس روایت میں غلطی محسوس کی جا رہی ہے اور دوسرے متعدد ثقہ راوی اسی حدیث میں ایسا لفظ روایت کرتے ہیں، جو قرآن سے متعارض نہیں ہے اور جس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، پس یہاں دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ یا تو ''من ابل الصدقۃ'' کے لفظ کو خطا کہا جائے یا مذکورہ بالا توجیہات میں سے کسی ایک کو قبول کیا جائے، اس کے علاوہ کوئی تیسری راہ نہیں ہے، ان دونوں صورتوں میں دوسرے قول والوں کے مدعا کے لئے یہ حدیث ہرگز دلیل نہیں بن سکتی۔

اور استدلال کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر حدیث کو اس کی ظاہری صورت پر ہی قبول کر لیا جائے تو بھی مدعا پر یہ دلیل منطبق نہیں ہو رہی ہے، اس لئے کہ مدعا یہ ہے کہ تملیک سے آزاد ہو کر کارہائے خیر میں زکوۃ صرف کرنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خوں بہا میں زکوۃ دی، ظاہر ہے کہ اس دلیل میں کھلی ہوئی تملیک پائی جا رہی ہے، پھر تملیک سے آزادی کے لئے اس کو دلیل کیونکر بنا سکتے ہیں۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

Marfat.com

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ زکوۃ محض رفاہ عام کی چیز نہیں ہے، یہ ایک عبادت ہے اس کی حدود حق تعالی کی طرف سے متعین ہیں، ان حدود کی رعایت بہ طور عبادت کے کرنا چاہئے، اگر رفاہ عام کی چیز ہوتی تو اس کے لئے اتنے اہتمام سے مصارف بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی، اگر شاذ رایوں کا اعتبار کرلیا جائے تو غرباء و مساکین کو زکوۃ ملنی مشکل ہوجائے گی، یہ تنظیمیں، یہ اکاڈمیاں اور یہ رفاہی ادارے جو اپنی پشت پر موثر افراد کی طاقت رکھتے ہیں اور انہیں سرمایہ بھی زیادہ درکار ہوتا ہے، سب زکوۃ لے اڑیں گے اور غرباء و مساکین بلکہ مدرسے بھی منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

تفردات کو پڑھ لیجئے، مگر نہ انہیں استدلال میں پیش کیجئے اور نہ امت کے سامنے لایئے کہ اس سے ایک عجیب فکری انتشار ہوتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مختصر تحریریں:

فی سبیل اللہ

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی☆

اس عنوان کے سوال پر کافی محنت کی گئی ہے، میں نے پورا سوال اور اس کے فراہم کردہ دلائل کا مطالعہ پورے غور وفکر سے کیا، مگر اس باب میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک کتاب وسنت کے مطابق پایا جس کی تشریح فقہاء حنفیہ نے کی ہے، اس میں فقر اور محتاج ہونے کی شرط ضروری ہے، اپنے مضمون (اسلام کا نظام معیشت) کی تمہید میں اس طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کی بہت ساری آیتیں نقل کی ہیں اور حدیث نبوی ﷺ بھی، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر کی شرط ہر جگہ ضروری ہے، خواہ کسی پر بھی خرچ کیا جائے۔

”قوله لايملك نصابا قيد به، لأن الفقر شرط فى الأصناف كلها إلا العامل و ابن السبيل إذا كان فى و طنه مال بمنزلة الفقير“ (رد المحتار ۲/ ۸۳)۔

فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں:

”وفى سبيل الله و هومنقطع الغزاة، وقيل: الحاج، وقيل: طلبة العلم، وفسره فى البدائع بجميع القرب“ (ایضاً)۔

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

☆ مفتی دار العلوم دیوبند، وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

Marfat.com

"أماقولُهُ تعالى: وفي سبيل الله عبادة عن جميع القرب، فيد خل فيه كل من سعىٰ في طاعة الله، وفي سبيل الخيرات إذا كان محتاجاً،وقال أبويوسف: المراد منه فقراء الغزاة؛ لأن سبيل الله إذا طلق في عرف الشرع يرادبه ذلك، وقال محمد: المراد منه الحاج المنقطع "(بدائع الصنائع ۲/۴۵)۔

انھوں نے دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"عن النبي ﷺ أمرت أن آخذ الصدقة من أغنياء كم واردّ ها في فقرائكم"(ایضاً)۔

اس سے پہلے حدیث حضرت معاذؓ نقل کر چکا ہوں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة، تؤخذ من أغنيائهم فترد علىٰ فقرائهم "(مشکوۃ)۔

میں مفتی شفیع صاحبؒ کی عبارت نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جوانھوں نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں اس سلسلہ میں لکھا ہے، مخالفین کے جواب پر یہ عبارت پورے طور پر حاوی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

لفظ" فی سبیل اللہ کا لغوی معنی بہت عام ہے، جو بھی اللہ کی رضاجوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم ﷺ کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو مغالطہ لگا ہے کہ زکوۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی، یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پُل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کوانہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوۃ قرار دے دیا جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کریم کو براہ راست رسول

Marfat.com

کریم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کو اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ سے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے، جن کے پاس جہاد، یا حج کا سامان نہ ہو، ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں شمس الائمہ سرخسیؒ (مبسوط ۲/۲۰۲) نے اور ''سیر الکبیر'' میں اور فقہاء شافعیہ میں ابوعبید نے ''کتاب الاموال'' میں فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے ''شرح مختصر خلیل'' میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے ''المغنی'' میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے: معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع ۴/۷ ۴۰)۔

آیت صدقات کے سلسلہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ترجمہ ''شیخ الہند'' پر تحریر فرماتے ہیں:

''چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقررہ کیا ہوا ہے، اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی ہے، آپ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور تقسیم کریں گے، کسی کے خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے، حدیث میں آپ نے فرمایا کہ خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی، یا غیر نبی کسی کے مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ بذات خود اس کے مصارف فرمادئے ہیں جو آٹھ ہیں، حنفیہ کے نزدیک تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے'' (ترجمہ شیخ الہند ر ۲۵۴)۔

سوچئے جس زکوٰۃ کی تقسیم پر اضافہ نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمایا اور نہ آپ کو اختیار دیا گیا اس کے متعلق یہ سوال کس قدر عجیب ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تعلیل کر کے اشتراکِ علت کی بناء پر آٹھ مصارف کے علاوہ کچھ دوسری قسموں کو مصارفِ زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا جائے اور ان پر زکوٰۃ کا صرف کیا جانا جائز قرار دیا جائے اور دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر متاخر، یا معاصر علماء کے تعمیم وتوسیع والے قول کو اختیار کر لیا جائے، آخر میں اس آیت کا نقل کر دینا مناسب

Marfat.com

ہے جس میں مصارف زکوٰۃ کی تفصیل خود رب کائنات نے بیان فرمائی۔

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (توبہ:٦٠)۔

مصارف زکوٰۃ کے حصر کے ساتھ جو تفصیل رب العالمین نے فرمائی ہے جس کو خود رسول الثقلین ﷺ نے نہیں توڑا، اس کو آج کے علماء توڑنے لگیں گے تو یہ علماء کی ایسی زیادتی ہوگی جو قابل معافی نہیں ہوگی، اور علماء بنی اسرائیل کے نقش قدم کو اختیار کرنا ہوگا، جس سے دین کا چہرہ مسخ ہو جائے گا، اور اس سے دین قیم میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھل جائے گا، اور پھر دین مسخ ہو کر رہ جائے گا، مدارس بند ہو جائیں گے، محتاج و نادار مسلمان بربادی کے کنارے پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد صدقاتِ واجبہ کا سارا سرمایہ علماء کے بجائے بے خوف لیڈروں کے ہاتھوں میں آجائے گا اور زکوٰۃ کے سارے مصارف بند ہو کر لوگ نئے راستے پر خرچ کرنے لگیں گے۔

مسلمانوں کے پاس عقل و خرد کی کمی نہیں ہے، ان کو جب معلوم ہو جائے گا کہ علماء کی جماعت اس آہنی دیوار کو توڑ رہی ہے، یا اس میں شگاف کرنے کی سعی میں مصروف ہے جو رب کائنات کی بنائی ہوئی ہے تو عوام و خواص کا علماء سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور جو تھوڑی بہت عزت رہ گئی ہے وہ بر سر بازار برباد ہوتی نظر آئے گی۔

غریب و محتاج کے لئے سرمایہ داروں سے دولت کا چالیسواں حصہ ہی تو زکوٰۃ کے نام پر لیا گیا ہے، انتالیس حصے ان کے پاس باقی رہتے ہیں، آخر اس باقی حصے سے لینے کی جد و جہد کیوں نہیں ہوتی، اور ادھر نظر کیوں نہیں جاتی ہے، ساری آفتیں زکوٰۃ پر ہی کیوں ٹوٹ رہی ہیں، مسلمان ایک زندہ قوم ہے وہ فاقہ رہ کر دین کے نام پر چندہ دیتی ہے، آزادی کے بعد اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

نصوص صریح کے اندر بھی قیاس کو راہ دی گئی، تو آخر دین کیسے باقی رہے گا؟ اور اس کی

Marfat.com

حفاظت کا کیا طریقہ ہوگا؟ افسوس ہے پُرانے علماء اٹھتے جا رہے ہیں اور نئے علماء کا حال یہ ہے کہ وہ نصوص شرعیہ پر بھی غلط سوچنے کی دعوت دیتے ہوئے مستقبل سے بے پرواہیں اور حد یہ ہے کہ اسی کو دین کی خدمت کا نام دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور راہ راست پر استقامت عطا کرے۔

''اللّٰھم ثبت قدمی یوم تزل فیہ ماالاقدام''۔

میں علماء کرام سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ طرز فکر جائز ہے؟ معاصر علماء کی کن کن باتوں پر عمل کرنے کی دعوت دیں گے، اور کیا معاصر علماء کی تعمیم وتوسیع مان لینے کے بعد دین کی وہ تعبیر جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، باقی رہ جائے گی؟

ہم اپنے نوجوان علماء کرام کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بوڑھوں کا چل چلاؤ ہے، دین وشریعت کا تحفظ آپ کی ذمہ داری ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ سوچنے والوں سے مرعوب ہو جائیں اور اپنے اسلاف کے راستہ سے دور جا پڑیں۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کا مصداق

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی☆

علامہ طحطاویؒ نے ''مراقی الفلاح'' کے حاشیہ مین اس امر کی تصریح فرمائی کے مصرف زکوٰۃ کے لئے کسی شخص کا ہونا ضروری ہے جس میں مالک بننے کی صلاحیت ہو، اس لئے ہر قسم کے اعمال خیر اور قربت وطاعت مسلمانوں کے مصالح عامہ، حج اور غزوہ وجہاد یہ سارے مصارف خود بہ خود خارج ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ امور شخص نہیں ہیں (دیکھئے: حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح/۳۹۲)۔

''سورۂ توبہ'' میں یہ آیت ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ'' کے اندر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے کل آٹھ مصارف بیان کئے ہیں اور کلمہ حصر یعنی ''انما'' کے ساتھ ذکر کئے ہیں، اگر فی سبیل اللہ میں ہر عمل خیر اور ہر قربت کو، یا مسلمانوں کے تمام رفاہی کاموں کو وسعت دے کر شامل کیا جائے تو پھر آٹھ مصارف کو ذکر کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ اس کے لئے ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کہہ دینا کافی ہوتا، کیوں کہ سارے ہی مصارف فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اصح اور راجح قول کے مطابق ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق کون کون حضرات ہیں، تو حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اس کے مصداق ''منقطع الغزاۃ'' ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں جس وقت فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی محتاج غازی مراد

☆مفتی دارالعلوم دیوبند۔

Marfat.com

لئے جاتے ہیں، حضرت امام محمدؒ نے فی سبیل اللہ کا مصداق ''منقطع الحاج'' کو قرار دیا ہے اور اس حدیث سے استثناء فرمایا ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ اس اونٹ پر حاجی کو سوار کریں۔

''ومنها فی سبیل الله وهم منقطع الغزاة الفقراء منهم عند أبی یوسفؒ وعند محمدؒ منقطع الحاج الفقراء منهم، والصحیح قول أبی یوسفؒ کذافی المضمرات'' (فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۸)۔

''وفی بذل المجهود وقال ابویوسفؒ: المرادبه فقراء الغزاة، لأن سبیل الله إذا اطلق فی عرف الشرع یرادبه ذلک، وقال محمد المراد به الحاج المنقطع لماروی أن رجلاً جعل بعیر الله فی سبیل الله فأمره النبی ﷺ ان علیه الحاج'' (۳/۴۴)۔

ملک العلماء صاحب ''بدائع'' علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ فی سبیل اللہ میں ہر قسم کی قربت وطاعت داخل ہے، یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی بندگی میں اور خیر وبھلائی کی راہ میں کوشش ومحنت کرتا ہے۔ بعض فقہاء کرام نے دینی علوم حاصل کرنے والے طلبہ کو بھی اسی میں شامل فرمایا ہے، بہ شرطے کہ یہ تمام حضرات محتاج ہوں اور صفت فقر کے ساتھ متصف ہوں (البحر الرائق ۲/۲۴۲)۔

اگر کار خیر میں ڈیوٹی کرنے والے غنی اور صاحب نصاب ہوں، یا غازی ومجاہد، یا مفتی وقاضی، یا مدرس وغیرہ مال دار ہوں اور بہ قدر نصاب اپنے پاس مالیت رکھتے ہوں تو مال داری کے باعث انھیں زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ شریعت اسلام کا اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ مال داروں سے لی جائے اور غریبوں پر تقسیم کی جائے:

''کما قال النبی ﷺ: اُمِرْتُ أنْ اٰخُذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أغْنِیَاءِ کُمْ وَأرُدَّ فِیْ فُقَرَاءِ کُمْ''۔

Marfat.com

اس حدیث شریف میں لوگوں کو دو گروپ میں تقسیم کرنے کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مال داروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے وہ صرف زکوٰۃ دینے والے ہیں اور غرباء اور فقراء زکوٰۃ لینے والے ہیں، اگر کار خیر میں لگنے والے اغنیاء کو بھی زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا جائے تو دو گروپ میں یہ تقسیم باطل ہو جاتی ہے، اس لئے غنی کو غنی ہونے کی حالت میں کبھی زکوٰۃ کی رقم لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں اصول (یعنی مصرف زکوٰۃ کے لئے شخص کا ہونا ضروری ہے اور اس کا محتاج وفقیر ہونا ضروری ہے) ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ جو لوگ **جہاد** عسکری، جہاد قلمی، جہاد لسانی، تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ، مسلمانوں کی رفاہی خدمات، یا اصلاح باطن میں لگے ہوئے ہیں، اگر یہ لوگ صاحب نصاب نہ ہوں، یعنی فقر واحتیاج کے وصف کے ساتھ متصف ہوں تو ان حضرات کو بھی مصرفِ زکوٰۃ میں شامل کرنا صحیح ہوگا، واضح رہے کہ ان آٹھ مذکورہ مصارف کے علاوہ یہ لوگ مصرف نہیں ہیں، بلکہ یہ حضرات ان ہی آٹھ مصرفوں میں داخل ہیں، قرآن پاک میں بیان کردہ آٹھ مصارف امر تعبدی کی حیثیت رکھتے ہیں، قیاسی نہیں ہیں، حتیٰ کہ کسی مجتہد کو، بلکہ کسی نبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مذکورہ آٹھ مصارف میں کوئی کمی زیادتی کرے، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آیت قرآنی میں مصارف ثمانیہ کا ذکر حصر حقیقی ہے، اضافی نہیں، نہ اضافی ماننے کی کوئی ضرورت سمجھ میں آتی ہے۔

بعض ائمہ کرام نے فی سبیل اللہ سے مراد مطلق غازی کو لیا ہے، خواہ وہ غنی ہو، یا فقیر، اور حدیث: ''لاتحل الصدقة لغنى إلا لخمسة لغاز فى سبيل الله الخ'' سے استدلال فرماتے ہیں، اس طور پر کہ حدیث میں اغنیاء کے لئے صدقہ کے حلال ہونے کی نفی کی گئی ہے، پھر ان میں سے غازی وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور عربی قاعدہ کے مطابق نفی کے بعد استثناء درحقیقت اثبات ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مال دار غازی کو زکوٰۃ دینا شرعاً درست ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں جو اپنی جگہ ایک اہم اصولی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

''اُمِرْتُ أن آخذ الصدقة من اغنیاء کم وأرد فی فقراء کم''۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مال داروں سے لی جائے اور فقیروں کو دی جائے۔

''ابوداؤد شریف'' کی مذکورہ بالا حدیث میں غازی کا استثناء حاجت وضرورت کے پائے جانے پر محمول ہے، اس پر غنی کا اطلاق مایؤل کے اعتبار سے کیا گیا ہے، یعنی اس کے پاس اگر رہنے کے لئے گھر موجود ہے، پہننے کے لئے کپڑے ہیں، برتنے کے لئے ضرورت کے سامان ہیں اور گزر بسر کرنے کے لئے حاجتِ اصلیہ سے زائد نصاب بھر نقد، سونا چاندی، یا مالِ تجارت موجود ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں۔

لیکن اگر وہی شخص جہاد کے لئے اپنے گھر سے نکلنے کا عزم کرتا ہے تو اسے ہتھیاروں کی اور خادم وسواری کی اور دیگر سامانِ سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اب وہ محتاج ہو گیا، غنی نہ رہا، کیوں کہ غنی کی حاجت وضرورت کے پیدا ہونے کے پہلے تھا اب حاجت پیدا ہونے کے بعد اس کی حیثیت محتاج کی شکل میں تبدیل ہو گئی، اور اب فی الحال وہ فقیر کی جماعت میں داخل ہو گیا، اس لئے اس کے واسطے زکوٰۃ کی مد کی رقم حلال ہو جائے گی، یعنی زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لئے ہتھیار، سامان سفر وغیرہ لینا جائز ہو جائے گا، حدیث کا یہ محمل اختیار کرنے کے بعد تقریباً تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے، صاحب ''بدائع'' نے یہی محمل اختیار فرمایا ہے اور ہمارے خیال میں روایت ودرایت ہر دو اعتبار سے نہایت مناسب ہے (بدائع الصنائع بحوالہ بذل المجہود ۲/۴۴)۔

☆☆☆

Marfat.com

مصارف فی سبیل اللہ

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

حصر حقیقی یا اضافی:

''انما'' کا لفظ حصر کے لئے ہے اور حصر میں اصل حصر حقیقی ہے، اور حصر اضافی خلاف اصل ومجاز کے درجہ کی چیز ہے، جس کو مراد لینے کے لئے قوی قرائن درکار ہیں، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ آیت کے شان نزول اور حضور اکرم ﷺ کے قول وفعل سے حصر حقیقی کی ہی تعیین ہوتی ہے، بالخصوص یہ معروف روایت جس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

''إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك''۔

زکوٰۃ کی تقسیم کے باب میں حق تعالیٰ نے معاملہ کسی نبی یا غیر نبی کے ہاتھ میں نہ رکھ کر خود ہی اس کے مواقع کی تعیین فرمادی ہے، اور ان کو آٹھ بتایا ہے، تو اے مخاطب! اگر تو ان آٹھ میں ہو تو میں تجھ کو دے سکتا ہوں۔

اس لئے عامۂ مفسرین ومحققین کی تصریحات ہم کو اس کے خلاف نہیں ملتیں، اور اس حصر کا حاصل ومفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال کسی ایسے شخص کو دیا جاسکتا ہے کہ جو اگر زکوٰۃ کا کارندہ نہ ہو تو اس پر مذکورہ سات اوصاف میں سے کوئی وصف کسی اعتبار سے منطبق ہوتا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیک وقت اس میں ایک سے زائد اوصاف پائے جائیں۔

☆ شیخ الحدیث: جامعہ عربیہ ہتھورہ، باندہ، وسکریٹری برائے سمینار وبرنامج اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

Marfat.com

حضرت امام دہلوی نے جو حصر اضافی کی بات ذکر فرمائی ہے، ان کی جلالت شان کے اعتراف کے ساتھ، یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اگر اس کو ان کا تفرد وشذوذ نہ قرار دیا جائے تو یہ تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ رفعاً یا وقفاً یا معروف ائمہ وعلماء سلف کی طرف سے ان کی تائید نہیں ملتی۔

اور انہوں نے اپنی اس تحقیق کی جو بنیاد ذکر کی ہے، وہ متقدمین و عامۂ متاخرین کے معروف ومقبول قول کے خلاف ہے، صحیح ہے کہ خالص مسلم ملک کے بیت المال میں کفار سے وصول کردہ اموال نہیں ہوتے، اس لئے یہ بیت المال کمزور ہوتا ہے، مگر اس میں بھی کئی قسم کے اموال ہوتے ہیں، مثلاً معادن ورکاز کا خمس، پھر یہ کہ واقعی ضروریات پر ملک کے عوام سے مدد بھی لی جاسکتی ہے اور اس کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔

بلکہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی پوری بحث کے مطالعہ کے بعد احقر تو یہ سمجھتا ہے کہ امام دہلوی کی گفتگو کا مفاد کچھ اور ہے، یعنی ان کا رجحان تو جمہور کے نقطۂ نظر کی طرف ہے، مگر اس کے ساتھ انہوں نے چند چیزیں ذکر کر کے ایک احتمال کے طور پر حصر اضافی کی بات فرمائی ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس بیان وذکر سے پہلے مصارف پر اجمالاً ایک تبصرہ کیا ہے، اور ان کی تنقیح کی ہے کہ وہ تین قسم کے ہیں، اس کے بعد پھر اس گفتگو پر آئے ہیں، اور یہ بیان ان کی اس مذکورہ تنقیح کے خلاف ہے، اگر اس کا مقصود مصارف کو مصالح عامہ وغیرہ تک پھیلانا اور وسیع کرنا ہے۔

فی سبیل اللہ کا مصداق:

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ الفاظ کا بھی ایک عرف ہوتا ہے، یہ عرف علاقائی وقومی بھی ہوتا ہے، اور علم وفن، نیز کتابوں کا بھی، ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت کے عرف عام میں ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے غزوہ وجہاد ہی مراد ہوتا ہے، اس کے لئے کتب حدیث میں جہاد سے متعلق ابواب نیز اس لفظ پر مشتمل آیات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

تفسیر ماثور کے ماسوی تفسیر:

کسی عبارت کا وہ مفہوم جو کہ خود صاحب عبارت سے نقل کیا گیا ہو، یا ان لوگوں سے جنہوں نے صاحب عبارت سے عبارت کو سنا، نقل کیا اور سمجھا، وہ متعین ہے، اس پر اضافہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کسی آیت کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ سے جو کچھ منقول ہو، یا صحابہ سے تو وہ بطور تفسیر متعین ہے، حتی کہ تابعین کے اقوال کو بھی اسی انداز کی اہمیت دی جاتی ہے، اور اس صورت میں کسی دوسری بنیاد پر، جو ظاہر ہے کہ ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں اور ان سے استمداد و استفادہ کی اجازت اسی وقت ہے جبکہ اولین درجہ کے مآخذ میں کوئی چیز نہ مل سکے، کوئی تفسیر کرنا درست نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ تفسیر کے باب میں ''قیاس'' کا کوئی دخل نہیں ہے، اگرچہ ''عقل'' کا دخل ضرور ہے، اس لئے قیاس سے احکام شرع میں اور وہ بھی غیر منصوص امور میں کام لیا جاتا ہے، کسی کلام کی تشریح میں اور جب کہ صاحب کلام اور اس کے خواص اصحاب کی تصریحات موجود ہوں، ''کسی مزید، یا جدید'' کا قیاس کی بنیاد پر، یا لغت کی بنیاد پر اختیار کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اور جب اضافہ نہیں کیا جاسکتا تو اس کی گنجائش کا کیا سوال کہ موجود و منقول کو چھوڑ کر جدید و محدث کو اختیار کیا جائے۔

غازی بشرط فقر:

اس سوال کے تحت ایک بات تو یہ عرض ہے کہ بے شک حنفیہ و حنابلہ کے یہاں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق ایک سے زائد ذکر کیا گیا ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ محققین کے نزدیک راجح کیا ہے، احناف کے یہاں راجح ''غازی'' کا ہی قول ہے، اور حنابلہ کے یہاں اکابر محققین کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، یہی وجہ ہے کہ ''فقہ المذاہب الاربعۃ'' میں حنابلہ کا قول بھی غازی کا ہی نقل کیا ہے، دوسرا نہیں جبکہ ''المغنی'' نے اسی کو ترجیح دی ہے (فقہ الزکوۃ ۲/ ۴۳ بحوالہ المغنی)۔

Marfat.com

دوسری بات یہ کہ جو لوگ حج کو کہتے ہیں وہ صرف حج کو اور جو غزوہ کو وہ صرف غزوہ کو، عام بات نہیں ہے کہ یہ بھی ہے اور یہ بھی، حنفیہ میں صاحب ''بدائع'' نے ضرور ایک بات کہی ہے، لیکن بلاشبہ وہ توسع فی التعبیر پر محمول ہے۔

الف- فی سبیل اللہ کا مصداق صرف ''غازی'' ہیں، آیت کی تفسیر کے تحت اس لفظ کے مصداق میں آثار کے اختلاف کے باوجود، یہ مفہوم متعین ہے، یا متعین سا ہے، جمہور فقہاء و محدثین اور عامہ صحابہ و تابعین سے منقول ہے، بجز چند کے، حتی کہ بعض اکابر مفسرین جو اہتمام سے متعدد اقوال کو ذکر کیا کرتے ہیں انہوں نے اس کے مصداق میں صرف ایک ہی قول ''غزوہ وغازی'' کو ذکر کیا ہے، مثلاً امام طبریؒ (تفسیر طبری ۱۰/ ۱۱۴) اور ماوردیؒ (تفسیر ماوردی ۲/ ۱۴۸) اور یہ متعین وراجح اس لئے ہے کہ روایتوں میں عموماً اسی کو ذکر ونقل کیا گیا ہے، اور تفسیر میں اصل نقل ہے، یا نقل موجود ہو تو وہ بس ہے''۔

ب- غازی: فقر کی شرط کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا مستحق ہے، اگر چہ اس کا فقر ''ابن السبیل'' کی طرح عارضی کیوں نہ ہو، بلکہ غزوہ میں جانا ہی اس کا سبب بنے جس کا مطلب یہ ہے کہ یوں آدمی صاحب نصاب ہے مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، مگر جب غزوہ کا عزم کر کے اس کے اسباب کا محتاج ہوا اور اس کے نظم میں لگا تو اس کی وہ حیثیت باقی نہیں رہ گئی۔

اور یہ بھی ذکر کر دوں کہ فقر کی شرط تنہا احناف کے یہاں نہیں ہے، بلکہ جیسے احناف کے یہاں حکم مطلق نہیں ہے بعض قیدیں ہیں، اسی طرح بعض محققین حنابلہ بھی فقر کی شرط لگاتے ہیں، چنانچہ فقہ المذاہب میں حنابلہ کا مذہب یہی ذکر کیا ہے کہ غازی کو بشرط احتیاج دیں گے (فقہ المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۲۴)۔

حنفیہ نے فقر کی شرط ان روایات کی وجہ سے لگائی ہے جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا جائز نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ امر اتفاقی بھی ہے کہ غنی کو کم از کم عام حالات میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، نیز زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے اکثر میں سب کے نزدیک

Marfat.com

فقر، یا احتیاج کی شرط ہے، یا ملحوظ ہے۔ اگر چہ احتیاج وقتی یا خاص سبب و باعث کی بناء پر ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ جو دوسروں کو زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اور شریعت جس سے زکوٰۃ دینے کا مطالبہ کر رہی ہے اس کے اسی حال میں رہتے ہوئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کو زکوٰۃ دلائی جائے۔ ''فی سبیل اللہ'' کے تحت احناف کی طرف سے فقر کی شرط محل نظر معلوم ہوتی ہے، لیکن ''ابن السبیل'' کی بابت تو سب کے نزدیک فقر کی شرط ہے، حالانکہ وہ مشہور روایت، جو غازی کو باوجود غناز کوٰۃ دینے کے جواز کا سب سے اہم متدل ہے۔ اس میں ابن السبیل کا بھی تذکرہ ہے، اس طرح غارم کا بھی، اور غارم کے حق میں بھی امام شافعیؒ سے فقر کی شرط نقل کی گئی ہے، اگر چہ خاص شکل میں ہے۔

اصل میں حنفیہ نے اس شرط کی صورت میں اکثر احناف کے حق میں ایک ''مابہ الاجتماع والاشتراک'' (یعنی ایسا وصف جس میں سب حنفیہ متفق و متحد ہوں) وصف کو تلاش کیا ہے، جیسے کہ دوسرے حضرات نے مصارف ثمانیہ کے حق میں بعض تجزیئے کئے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۵، احکام القرآن لابن عربی ۲/ ۹۶۰، فقہ الزکوۃ بحوالہ المغنی ۶/ ۱۷-۴۷۰، ۲/ ۶۲ -۴۳)۔

اس شرط پر سب سے بڑی الجھن یہ پیش آتی ہے کہ پھر متعدد احناف کے ذکر کا فائدہ کیا ہے، یا خاص طور سے ''فی سبیل اللہ'' کے مستقل مصرف کا مصرف کیا رہا؟ تو سوال کیا جاسکتا ہے کہ ''ابن السبیل'' میں جب فقر و احتیاج کی شرط سب نے لگائی تو یہ الجھن کیوں پیش نہیں آئی۔؟ اور ''فقر و مسکین'' کے درمیان آخر کون سا بہت بڑا فرق ہے؟ ''فقہ الزکاۃ'' میں تفصیلات ملاحظہ ہوں، امام ابو حنیفہؒ وغیرہ دونوں کو ایک صنف کہتے ہیں، جمہور کی مخالفت کے ذکر کے ساتھ متصلاً ہی کہا گیا ہے:

''وهما فى الحقيقة صنفان نوع واحد''۔

دونوں ایک صنف تو نہیں، ہاں ایک نوع کی دو صنفیں ضرور ہیں، آخر دونوں میں اتحاد ہی تو رہا ایک جہت سے، امام طبریؒ وغیرہ نے بھی کوئی اہم فرق ذکر نہیں کیا ہے، بس مثلاً یہ کہ ایک اپنے کو ضرورت مند ظاہر کرتا ہے، اور دست سوال دراز کرتا ہے، اور دوسرا حال چھپاتا ہے۔ حنفیہ

Marfat.com

کی طرف سے فقر کی بنیادی شرط لگا دینے کے بعد کیا اسی انداز کی بات کے علاوہ کوئی دوسری بات پیدا ہوتی ہے؟، واقعہ یہ ہے کہ ایسی کسی ''شرط جامع'' کی وجہ سے مصارف کے تعدد کا مقصد فوت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ تعبیر میں تعدد یہ دراصل ''عطف الخاص علی العام'' کے قبیل کی چیز ہے، اور اس کا مقصد ''اہم دراہم'' اور درجہ بدرجہ ''مستحق'' کی طرف توجہ دلانا ہے، متعدد ائمہ تفسیر نے چار مصارف کے بعد بقیہ کے لئے بجائے ''لام'' کے ''فی'' کا لفظ لانے میں اور پانچویں وچھٹے کے بعد، ساتویں مصرف سے پہلے دوبارہ اسی لفظ کے لانے میں اسی قسم کا نکتہ ذکر کیا ہے (الکشاف ۲/۱۵۸، تفسیر نسفی ۲/۱۳۲، روح المعانی ۱/۱۲۴، نیز جصاص رازی نے ''احکام القرآن'' میں آیت خمس یعنی سورہ انفال کی آیت ۴۱ کے تحت ''والذی القربی والیتامی والمساکین'' کی بابت اسی انداز کی گفتگو کی ہے، احکام القرآن ۳/۶۳، ۶۴، روح المعانی ۱۰/۱۲۳)۔

سورۂ بقرہ کی (آیت ۱۷۷) میں یہ فرماتے ہوئے کہ نیکی کے کام کیا کیا ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتَامٰی وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ''

(یعنی نیک کام کرنے والا وہ ہے جو ایمان کے ساتھ اپنا مال مال کی محبت کے باوجود قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں و مسافروں پر خرچ کرتا ہو)۔

اس آیت میں آخر ۲، ۳، ۴ سب کے سب ضرورت مند ہی تو ہیں، لیکن اس جامع و صف کے ساتھ سب میں بعض جہات کا فرق ہے۔ سب کا الگ الگ ذکر کر کے اس فرق کے مطابق ان کی مدد کی طرف توجہ دلائی گی ہے۔

آیت مصارف اور قیاس:

احقر کے علم کے مطابق محققین نے مصارف سے متعلق نص اور حکم کو معلل نہیں قرار دیا ہے، یعنی اس کی کسی علت سے بحث نہیں کی ہے، جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ آیت مصارف، عام نصوص کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس میں کلمۂ حصر آیا ہے جو بہ ظاہر اس کا متقاضی ہے کہ حکم اصناف

Marfat.com

مذکورہ میں محصور رکھا جائے، اور حضرات صحابہ وتابعین کی تفسیر کے مطابق جن لوگوں پر مذکورہ اوصاف واصناف کا انطباق ہو بس انھیں کو زکوٰۃ دی جائے۔

حنفیہ نے اکثر مصارف کے حق میں جو ایک وصف مشترک ذکر کیا ہے فقر واحتیاج کا اگر اس کو بنیاد قیاس بنایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی گنجائش ہے، اور اس کی بناء پر بھی کسی فرد معاشرہ کو جو زکوٰۃ ملے گی وہ اس کے فقیر ومسکین ہونے کی وجہ سے ملے گی، خواہ اس کے حال اور کام کی وجہ سے جو بھی لیبل ولقب اس کے نام کے ساتھ لگا ہو، اور اس وصف کے بغیر کسی کو نہ دی جا سکے گی اور نہ یہی اشخاص کو مالک بنائے زکوٰۃ کہیں صرف کی جا سکے گی۔

ماضی قریب میں اور حال کے بھی بعض محققین نے مذکورہ اصناف کے تحت مختلف چیزوں کو ذکر کیا ہے۔ تو ایک بات تو یہ کہ ان اصناف کی واضح تفاسیر حدیث وتفسیر وفقہ کی معتمد کتابوں میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ وتابعین سے ماثور ومحفوظ ہیں، اور ان کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اس باب میں قیاس کی اجازت دی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاص طور سے ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف کے تحت ایک صدی سے جو زور لگ رہا ہے اور جو امور اس کے مصداق میں ذکر کئے جا رہے ہیں، وہ اکثر وبیشتر عہد نبوی اور عہد صحابہ میں موجود تھے، یا اور آگے بڑھ کر متقدمین کے عہد میں، لیکن کہیں کوئی معتمد نقل صحابہ، یا ائمہ سے ایسی نہیں ملتی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ان حضرات نے اس قسم کے امور میں ''فی سبیل اللہ'' کی بنیاد پر زکوٰۃ کا مال لگایا، یا صرف کیا ہو، یا اس کا حکم واجازت دی ہو، موجودہ عہد میں اگر جہاد کی بہت سی اقسام وصورتیں ہوں تو سب نہ سہی ان میں بہت سی اس عہد کی ایجاد نہیں، ہر عہد میں تھیں، دین کی حفاظت ونشر واشاعت اور اس کی طرف سے دفاع کا کام زبان وقلم سے ہر عہد میں لوگوں نے کیا ہے، مصالح عامہ اور رفاہی کاموں کی بہتات ہر عہد میں رہی، اور ایسی بہت سی چیزیں شاید اس زمانہ میں زیادہ اہم رہی ہوں، لیکن ان سب کو اس مصرف کے تحت کسی قابل ذکر امام ومجتہد نے شمار نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

جیسے کہ مذاہب اربعہ کے محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ انہیں مواقع میں صرف کی جائے گی جہاں اس سے براہ راست اشخاص کو فائدہ ہو، ان کی ضرورت پوری ہو، اسی لئے بعض فقہاء نے میت کا قرض ادا کرنے کی تو اجازت دی ہے، مگر زکوٰۃ سے اس کی تکفین کی اجازت نہیں دی ہے، مقصود یہ ہے کہ ملکی ترقیات کے کاموں میں اشخاص کو واسطہ بنائے بغیر اس کا صرف کرنا ثابت نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۸۷۵، فقہ الزکوٰۃ میں ہے، نیز مفتی شفیع صاحبؒ کا رسالہ جو کہ ''جواہر الفقہ'' جلد رابع میں شامل ہے، اس میں اس سلسلہ کی عبارات دیکھی جاسکتی ہیں)۔

موجودہ حالات اور توسیع:

بیشک مزاج تو زیادہ تر زکوٰۃ ہی دینے کا ہے اور وہ بھی مکمل نہیں، مگر بات مزاج کے بنانے و بننے کی ہے، خرچ کرنے والے مزاجوں کا اس عہد میں بھی فقدان نہیں ہے، نہ صرف دنیا کے دوسرے ملکوں میں، بلکہ ہمارے اس دیار کفر و شرک میں بھی ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۶) ہم صرف اپنی وسعت کی بقدر ہی مکلّف ہیں اس سے آگے سلف وخلف سب کی مخالفت کی جرأت کیسے کرلیں، وہ بھی دلائل کی قوت، اور مسئلہ پر ایک طرح سے اجماع، اور ہر عہد میں ایسے امور کے درپیش ہونے کے باوجود کسی مؤید کے فقدان کا سب سے صرف نظر کرکے......لا......کلا......ولا......آخر ہم نے اس ملک میں محنت کرکے سینکڑوں مدارس کے لئے کڑوروں کی رقم بطور زکوٰۃ صرف کرنے کا مزاج بنایا ہے، ہمت کریں تو مزید بھی ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ

مولانا محمد رئیس الاحرار ندوی ☆

زیر نظر تحریر میں قرآن مجید کے مقرر کردہ مصارف زکوٰۃ میں سے ساتویں مصرف "فی سبیل الله" کا مصداق متعین کرنے کی خاطر جن نکات کو طے کرنے اور جن سوالات کو منقح کرنے کی ضرورت کے تحت سات سوالات قائم کئے گئے ہیں ان میں سے ہر سوال کا جواب نمبر وار اپنے علم وصوابدید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ مصارف زکوٰۃ کی تحدید کے لئے قرآن مجید میں وارد شدہ "سورۂ توبہ" والی ساٹھویں آیت کا پہلا کلمہ "اِنما" ہمارے نزدیک "حصر حقیقی" پر دلالت کرتا ہے۔ "حصر اضافی" پر نہیں، کیونکہ لغوی اور شرعی دلائل ہماری نظر میں اسی کے متقاضی ہیں، اور عہد نبوی ﷺ سے لیکر آج تک عام اہل علم یہی بات مانتے چلے آرہے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ "حصر اضافی" پر کلمۂ مذکورہ کا دلالت کنندہ ماننے والی بات نہ صرف یہ کہ معتبر دلائل سے خالی ہے، بلکہ دلائل معتبرہ کے خلاف ہے، قرآن مجید کے فرمان مذکور کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمان مذکور، یہ بتلانے کے لئے وارد ہوا ہے کہ مذکور شدہ آٹھوں مصارف زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف میں بھی وہ منافقین شامل وداخل نہیں کئے جاسکتے جو مال زکوٰۃ میں حصہ نہ پانے پر معترض اور خفا تھے، اس سے التزامی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ آٹھوں مصارف زکوٰۃ میں کسی دوسری چیز کا داخل کیا جانا شرعاً ممنوع ہے، محض اسی بنیاد پر منافقین مذکورین کو مال زکوٰۃ سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا تھا

☆ جامعہ سلفیہ بنارس۔

Marfat.com

کہ وہ ان آٹھوں مصارف میں سے کسی ایک دائرہ میں نہیں آتے تھے۔

۲- ہم جمہور اہل علم کے اس موقف سے پوری طرح متفق ہیں کہ "فی سبیل اللہ" کا استعمال جب کتاب وسنت میں مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد صرف غزوہ و جہاد عسکری ہی ہوتا ہے،

۳- ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا معنیٰ ومطلب متعین طور پر غزوہ اور جہاد عسکری ہے، اس معنی ومطلب کی تعیین نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں کی گئی ہے، اور نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں متعین شدہ معنی وموقف سے عدول واختلاف جائز نہیں، اس طرح کے موقف کے خلاف اختیار کیا جانے والا ہر موقف ہمارے نزدیک غیر مقبول ہے، اسے اختیار کرنے والے، خواہ قرون اولیٰ کے اہل علم ہوں، یا بعد کے تعداد میں، کم ہوں یا زیادہ، ہمارے نزدیک اس طرح کے موقف سے ان اہل علم کا اختلاف غیر شعوری طور پر صادر ہونے والی اجتہادی لغزش پر مبنی ہوتا ہے، بناء بریں وہ معذور بھی ہیں اور ماجور بھی۔

آیات احکام میں سے کسی آیت کے معنی ومطلب کی تعیین اگر کسی نص سے نہیں ہو پارہی ہو اور وہ آیات ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتی ہوں اور اس کے معنی کی تعیین وتشریح میں خلفائے راشدین میں سے کسی ایک سے، یا سب سے کوئی ایسا قول واحد منقول ہو جس سے دوسرے صحابہ نے اختلاف کر رکھا ہو تو خلفائے راشدین کی تشریح وتعیین قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ﷺ میں صراحت ہے: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" (مسند احمد وغیرہ) خلفائے راشدین سے قول واحد منقول ہونے کے بجائے اقوال مختلفہ منقول ہونے کی صورت میں جسے جو بات کتاب وسنت سے قریب تر محسوس ہو اسے وہ بات مان لینے کا اختیار ہے، خلفائے راشدین سے منقول اقوال مختلفہ میں سے سبھی کو بلا دلیل شرعی رد کر دینا اور کسی کو بھی قبول نہ کرنا نامناسب ہے، اس طرح کے معاملہ میں بشمول خلفائے راشدین صحابۂ کرامؓ سے منقول اقوال مختلفہ سے ہر ایک قول، یا کوئی قول اصول اہل علم کے مطابق نص کے ہم معنی قرار پانے کا احتمال رکھتا ہو، اس لئے اس طرح کے معاملہ میں صحابۂ کرام سے منقول اقوال مختلفہ میں سے کسی

Marfat.com

ایک کو قبول کئے بغیر سبھی سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی دوسرا موقف اختیار کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں، صحابہ کرامؓ سے منقول اقوال مختلفہ کی تعداد، خواہ دو ہو، یا اس سے زیادہ، صحابہ کرامؓ سے منقول اقوال مختلفہ بہر حال نص کے برابر نہیں، اس لئے کسی زمانہ میں مخصوص احوال وظروف کی بناء پر اگر صحابہ سے منقول اس طرح کے اقوال مختلفہ سے خروج کی ضرورت شدیدہ، امت کے مخلص اہل علم، شریعت کی نصوص عامہ کی روشنی میں محسوس کریں تو اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر اس طرح کا خروج ناجائز نہیں۔

۴- (الف): اس سوال کا جواب پہلے، دوسرے، تیسرے سوال کے جواب میں آچکا ہے، یعنی کہ سبیل اللہ'' کا مصداق غزوہ وجہاد عسکری ہے،

(ب)- جو لوگ ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق ہوں ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر شرط نہیں۔

۵- مصارف زکوٰۃ کا ہر مصرف بذات خود منصوص چیز ہے، لہٰذا مصارف زکوٰۃ میں مذکور طریقہ پر قیاس شرعی سے کام لے کر کسی نویں چیز کو نہیں داخل کیا جا سکتا، جن لوگوں نے سبیل اللہ کا مصداق جہاد عسکری ماننے کے ساتھ اس پر جہاد قلمی، جہاد فکری وغیرہ کو قیاس کر کے، فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل کرنے کی بات کہی ہے ان کی بات ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، نہ عہد نبوی ﷺ میں اور نہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں غیر عسکری جہاد کرنے والوں میں سے کسی کو زکوٰۃ کی مد سے کچھ دینے کی مثال ملتی ہے، اور جب جہاد عسکری کے علاوہ غیر عسکری جہاد، مصرف فی سبیل اللہ میں شامل کئے جانے کے لائق نہیں تو غیر عسکری جہاد کے علاوہ کچھ اور قسموں کو بھی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل کرنا بدرجۂ اولیٰ غیر صحیح ہے، اس قسم کے امور میں خرچ کرنے کا کوئی ایسا راستہ اہل اسلام کو مل کر نکالنا چاہئے جو زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا مشروع راستہ ہو،

۶- ہمارے نزدیک اس کی گنجائش نہیں کہ دلائل کی قوت وضعف سے قطع نظر فی سبیل اللہ کے دائرہ کو مذکورہ طریق پر وسیع کرنے کے لئے متاخر، یا معاصر علماء کے تعمیم وتوسیع والے قول کو اختیار کرلیا جائے۔

Marfat.com

۷- ہمارے نزدیک زکوۃ کے ساتویں مصرف سبیل اللہ کا معنی و مطلب متعین طور پر غزوہ وجہاد ہے، جیسا کہ تیسرے سوال کے جواب میں ہم نے عرض کیا، اس لئے غزوہ وجہاد عسکری کے علاوہ کوئی اور چیز اس مصرف کا مصداق نہیں قرار دی جاسکتی ہے، ہماری اس تحریر میں مختصر دلائل کا ذکر آچکا ہے، اور سوال نامہ پر مشتمل اس تحریر کے ۱۱-۱۰ میں بھی ہمارے اختیار کردہ موقف کے دلائل کا ذکر موجود ہے، ہمارے نزدیک ایسے دلائل سے مدلل موقف سے عدول و اختلاف نامناسب ہے، موقف مذکور کے خلاف اس تحریر میں ذکر کردہ باقی چار موقف کی تغلیط کے لئے وہ باتیں اور دلیلیں کافی ہیں جو ہمارے اختیار کردہ موقف کی تائید میں سوال نامہ پر مشتمل تحریر میں مذکور ہے۔

ان چاروں مواقف میں سے تیسرے موقف کی تائید میں جن مرفوع احادیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ محتمل المعانی ہونے کے باوجود ان الفاظ کے ساتھ سنداً ساقط الاعتبار ہیں، جن پر موقف مذکور کے استدلال کا دارومدار ہے، مثلاً ''سبیل اللہ'' میں حضرت ابو معقل کے وقف ومحبوس کئے ہوئے ایک اونٹ کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے اپنی بیوی کو دے دو کہ اس پر سوار ہو کر حج کر آئیں، کیونکہ حج بھی ''سبیل اللہ'' میں ہے، یہ معلوم ہے کہ ''سبیل اللہ'' (غزوہ وجہاد عسکری کے مد میں) آدمی زکوٰۃ کے علاوہ اپنے دوسرے اموال کو بھی وقف کرسکتا ہے، اور عہدِ نبوی ﷺ میں اس کا رواج عام بھی تھا، غزوۂ تبوک کے موقع پر ''سبیل اللہ'' کے مد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال، اور حضرت عمر فاروقؓ نے آدھا مال، اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے مال تجارت کا آدھا حصہ دے دیا تھا، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا دیا ہوا مال زکوۃ کا مال نہیں تھا، اسی طرح یہ بعید نہیں کہ ابو معقلؓ نے مال زکوٰۃ کے بجائے کسی اور مد سے اپنا یہ اونٹ سبیل اللہ میں وقف ومحبوس کیا ہو، کیونکہ سبیل اللہ میں ابو معقلؓ کے وقف کردہ اونٹ کا مال زکوٰۃ سے ہونا منقول نہیں۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عہد نبوی میں غیر مال زکوٰۃ کو سبیل اللہ، یا کسی بھی کار خیر کے لئے وقف کردہ چیزوں کو متعدد غیر مستحقین زکوٰۃ میں خرچ کیا جاسکتا ہے، اس لئے یہ

Marfat.com

مستبعد نہیں کہ جہاد عسکری وغزوہ کے لئے وقف ومحبوس کردہ ابو معقلؓ والا اونٹ مال زکوٰۃ نہ رہا ہو، بلکہ ایسا مال رہا ہو جس کا استعمال غیر مستحق زکوٰۃ کے لئے بھی جائز ہو، اور کسی خاص مصلحت کے تحت زکوٰۃ کی مستحق نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اس اونٹ پر سوار ہو کر ام معقلؓ کو حج کرنے کی اجازت دے کر کہا ہو کہ حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے، حج، یا کسی بھی کار خیر کا سبیل اللہ میں سے ہونا اجماعی مسئلہ ہے، لیکن مصارف زکوٰۃ کے ساتویں مصرف یعنی ''سبیل اللہ'' کے مفہوم میں عسکری جہاد کے علاوہ، یا کسی کار خیر کا شامل نہ ہونا نصوص سے مستفاد ہے، لہٰذا حدیث مذکورہ میں وارد شدہ ''الحج فی سبیل اللہ'' کا مصرف زکوٰۃ والے ''سبیل اللہ'' سے مختلف ہونا متعین ہے، یا پھر یہ بات کسی شرعی مصلحت کی بنا پر ام معقلؓ اور اس طرح کے بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو، یہی حال ابولاس والی مرفوع حدیث کا بھی ہے، اس کے جن الفاظ پر موقف مذکور کے استدلال کا دارومدار ہے وہ سنداً ثابت نہیں، اور جس اونٹ کو آپ ﷺ نے حج کرنے کے لئے دیا اس کا مال زکوٰۃ ہی سے ہونا منصوص طور پر ثابت نہیں۔

لہٰذا یہ دونوں مرفوع احادیث موقف مذکور کی تائید میں کوئی معتبر دلیل نہیں، یہ معلوم ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ عہد خلافت میں جہاد عسکری وغزوہ کے علاوہ بکثرت ایسے کام کرتے رہنے کو اپنا شیوہ وشعار بنائے ہوئے تھے جنہیں مفہوم عام کے اعتبار سے سبیل اللہ والے کام کہا جاتا ہے، مگر منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ لاعلمی میں ایسا دودھ پی لیا جو زکوٰۃ کی اونٹوں میں سے کسی اونٹنی کا تھا، معلوم ہونے پر حضرت عمرؓ نے اس دودھ کو قئے کے ذریعہ خارج کر دیا، اگر غزوہ جہاد عسکری کے علاوہ دوسرے کار خیر ''سبیل اللہ'' کے مفہوم میں داخل ہوتے تو حضرت عمرؓ مذکورہ دودھ کی قئے کرنے کی محنت شاقہ برداشت نہ کرتے، حضرت زید بن حارث صدائیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے بذات خود مصارف بیان کر دیئے ہیں، وہ مال زکوٰۃ کی تقسیم کے معاملہ میں کسی نبی، یا غیر نبی کو مجاز بنانے

Marfat.com

پر راضی نہیں، لہٰذا تم اگر اللہ کے بیان کردہ ان آٹھوں مصارف زکوۃ میں سے کسی کے دائرہ میں آتے ہو تو میں تمہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دے سکتا ہوں، ورنہ نہیں (ابوداؤد)، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے بیان کردہ مصارف زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مصرف میں زکات کا مال نہیں خرچ کیا جا سکتا، اور یہ معلوم ہے کہ منصوص چیز کے بالمقابل صحابہ کے آثار و اقوال و فتاوی حجت نہیں۔

اسی طرح کے ایک سوال نامہ کے جواب میں جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے تحریر کیا گیا کسی قدر تفصیل پر مشتمل ایک فتوی (ماہ نامہ ''محدث'' جامعہ سلفیہ بنارس شمارہ ۷ رجلد ۱۰ رعدد مسلسل ۱۱۴، محرم ۱۴۱۳ھ جولائی ۱۹۹۲ء میں از ۳۱ تا ۴۸) شائع ہو چکا ہے، جس میں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر موقف کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لے کر ہمارے اختصار کردہ موقف کے دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ تحقیق پسند اہل علم کو اس کا مطالعہ کر لینا مناسب ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ کا مصداق

مولانا شبیر احمد قاسمی ☆

فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور جو لوگ فی سبیل اللہ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے تفسیری اقوال و بیان اور ائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین کے ارشادات سے گریز اور قطع نظر کرتے ہوئے محض لفظی ترجمہ کے عموم کے ذریعہ سے قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مصداق متعین کرنے میں زبردست دھوکہ اور مغالطہ لگا ہے اور انہوں نے لفظ کے عمومی مفہوم کو دیکھ کر ان تمام نیک کاموں کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے عبادات میں داخل ہیں، چنانچہ تعمیر مساجد، مدارس، شفاخانہ، مسافر خانہ وغیرہ اور کنویں، نل، سڑکیں وغیرہ بنانا اور تمام رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ ان سب کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، جو سراسر غلط اور قول رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اجماع کی تفسیر کے خلاف ہے، جیسا کہ امام رازیؒ نے امام قفالؒ کی تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے اسی طرح نقل فرمایا ہے (مستفاد معارف القرآن ۴/۴۰۷، تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳)، نیز لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم سے تفسیر کرنے والوں کے کلام میں خود تعارض بھی واقع ہوا ہے، جیسا کہ حضرت نواب صدیق حسن خانؒ صاحب نے اپنی تصنیف ''الروضۃ الندیہ'' میں لفظ فی سبیل اللہ کے عموم کو پیش نظر رکھ کر تمام علماء

☆ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد۔

Marfat.com

اور علمی خدمات انجام دینے والے افراد کو اس زمرے میں شامل کر دیا، اس لئے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ دے دیا تو حضور ﷺ نے حاجی کو سواری کے لئے دینے کا حکم فرمایا، اور زکوٰۃ مالدار غازی کو نہ دیا جائے ہمارے نزدیک اس لئے کہ مصرفِ زکوٰۃ فقراء ہی ہیں۔

اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق ابن ابراہیمؒ کے نزدیک بس غازی کے ساتھ ساتھ ضرورت مند حاجی بھی اس میں داخل ہے۔

''وعن أحمد و إسحق الحج من سبیل الله'' (فتح الباری ۳/۳۳۲)۔

(یعنی امام احمدؒ اور اسحٰقؒ کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے)۔

اب معلوم ہوا کہ علاوہ عاملین کے باقی مصارف زکوٰۃ میں فقراء کی شرط ملحوظ ہے اور صاحب ''درمختار'' وغیرہ نے جو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں طالب علم کو داخل فرمایا ہے اس کا مطلب بھی علامہ ابن عابدین شامیؒ وغیرہ نے واضح کر دیا ہے کہ فقراء صحابہ جو اصحاب صفہ سے موسوم تھے، وہ درحقیقت دربار نبوت میں تشنگی علوم نبوت کی وجہ سے ہی رہا کرتے تھے، اس لئے فقہاء نے جہاں طالب علم کو مستحق قرار دیا ہے وہاں فقیر ہونے کی بھی قید لگائی ہے، اور اسی کو ترجیح دی ہے اس لئے صاحب درمختار وغیرہ کی عبارات سے کوئی اشکال واقع نہ ہونا چاہئے۔

''کہا گیا کہ طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور شامی میں اس کے ذیل میں کہ کیا کوئی طالب علم ان لوگوں کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہے، حضور ﷺ سے احکام دین حاصل کرنے کے لئے، جیسا کہ اصحاب صفہ، لہٰذا خاص طور پر فقراء طلبہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کی تفسیر کرنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوگا'' (شامی ۲/۳۴۳ مطبوعہ کراچی)۔

ائمہ اربعہ حضرت ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء ومحدثین اور مفسرین دینے والوں کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے چاہے وہ علماء فقیر ہوں یا مالدار (الروضۃ الندیہ ۱/۲۰۷) پھر نواب صاحبؒ نے اپنی تفسیر ''فتح البیان'' میں

Marfat.com

عمومیت کی تردید کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو غارمین میں منحصر کر دیا ہے (تفسیر فتح البیان ۴/۱۴۱)، اس سے واضح ہوتا ہے کہ عمومیت کے قائلین خود اپنے قول میں متردد اور مضطرب ہیں، نیز ماضی قریب میں علامہ رشید رضا مصری اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ نے بھی لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور "لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۂ بقرہ: ۲۷۳) سے استدلال کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مصداق کو ہر دینی کام میں عام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (مستفاد فقہی اسلامی ۱/۴۶۱) جو اجماع امت اور قول رسول ﷺ کے خلاف اور مغالطہ پر محمول ہے اور حضرت امام احمد بن حسن شیبانیؒ نے فی سبیل اللہ کے مصداق میں حدیث ابوداؤد اور حدیث بخاری کی صراحت (بخاری ۲/۱۹۸، ابوداؤد ۱/۲۷۲) کی وجہ سے اس حاجی کو داخل فرمایا ہے جس کے اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں اور حضرت امام محمدؒ کا حجاج کو شامل کرنا قول رسول ﷺ کے دائرہ میں رہ کر ہے اور اس میں قیاس اور توسع سے امام محمدؒ نے کام نہیں لیا ہے، نیز حاجی کو حضور ﷺ نے مدز کوٰۃ سے سواری کا جانور دلوایا ہے وہ فقیر اور نادار تھا جو الفاظ حدیث سے واضح ہوتا ہے، اس لئے امام محمدؒ نے حاجی کے لئے منقطع الحاج کی قید اور شرط بھی لگائی ہے، لہٰذا ایسے حجاج فقراء کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے بہرحال مستحق زکوٰۃ ہیں۔

"اور فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وہ غازی مراد ہے جس کے پاس اسباب جنگ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً جنگ میں جانے سے رکنا پڑ رہا ہے یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اس لئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اسی سے وہ حاجی مراد ہے جو اسباب سفر ختم ہونے کی وجہ سے حج کرنے سے قاصر ہو چکا ہو" (ہدایہ ۱/۱۸۵)۔

کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف منقطع الغزاۃ ہے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی اور کوئی اس کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ اس زمانہ میں عام محاورہ میں فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوا کرتا تھا، بس صرف اتنا فرق ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے

Marfat.com

نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ کا فقیر ہونا شرط ہے اور دیگر ائمہ ثلثہ کے نزدیک فقیر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ غازی غنی بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہے (یہی تفصیل قدرے فرق کے ساتھ فتح الباری ۳/ ۳۲۲، مغنی ابن قدامہ ۶/ ۳۳۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۷۷، أوجز المسالک ۳/ ۲۲۳، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۶۲۱ ، تاتارخانیہ ۲/ ۲۷۰، درمختار ۲/ ۳۴۳، السیر الکبیر ۴/ ۲۴۵، مجمع الأنہر ۱/ ۲۲۱، البحر الرائق ۲/ ۲۴۲ وغیرہ چاروں مذاہب کی کتابوں میں موجود ہے)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"بہر حال فی سبیل اللہ کے بارے میں اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہے اور مجاہد چاہے فقیر ہو یا مالدار، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے محتاج اور فقیر مجاہد کے ساتھ خاص کر دیا ہے" (فتح الباری ۳/ ۳۳۲)۔

اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے ائمہ اربعہ کا مسلک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے، اس لئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے عرف عام میں جہاد ہی مراد ہوتا ہے (اور مغنی کا قول) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجاہد ہی مراد ہے تو ان کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے، اگر چہ وہ مالدار کیوں نہ ہو اور اسی کو امام مالک، امام شافعی، اسحق، ابوثور، ابوعبید، ابن المنذر وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کہتے ہیں کہ صرف فقیر ہی کو دیا جاسکتا ہے" (المغنی ۶/ ۳۳۲)۔

اور اس مضمون کی عبارتیں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کر کے اس کے تحت مساجد، مدارس، مسافر خانہ، شفاخانہ وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہ جو سوال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں مد زکوٰۃ کے بغیر اس قسم کے کار خیر کا انجام پذیر ہونا بہت دشوار گذار ہے، یہ سوال سلف کے زمانہ میں پایا جاتا ہے جب سلف نے اس کی اجازت نہیں دی ہے اور کام چلتا رہا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے لئے خدا کی ذات سے امید ہے کہ چلتا رہے گا اور کچھ نہ کچھ پریشانیاں ہر زمانہ میں رہی ہیں اور آئندہ بھی اس قسم کی دشواریوں سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا، مگر سلف اور اجماع امت سے ہٹنا کسی بھی طرح جائز نہ ہوگا۔

Marfat.com

بدائع کی عبارت سے غلط فہمی:

امام علاء الدین کاسائی کی ''بدائع الصنائع'' کی عبارت سے بعض لوگوں کو زبردست دھوکہ اور مغالطہ ہوا ہے اور ان کی عبارت کے شروع حصہ سے فی سبیل اللہ کی عمومیت ضرور ثابت ہوتی ہے، لیکن انہوں نے عبارت کے آخر میں جو احتیاج اور فقر کی قید لگائی ہے اس کی وجہ سے شروع کی عمومیت خود بہ خود ختم ہو جاتی ہے اور امام کاسائی کی پوری عبارت ہم یہاں پر نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں:

''بہر حال اللہ تعالیٰ کا قول وفی سبیل اللہ سے تمام نیک کام مراد ہیں لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو اللہ کی اطاعت اور خیر کے راستہ میں محنت کرتا ہے بشرطیکہ وہ محتاج اور فقیر ہو اور ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی مراد لیا ہے اس لئے کہ عرف شرع میں فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف جہاد مراد ہوا کرتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف وہ حاجی ہے جس کے زاد راہ اور اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں'' (بدائع الصنائع ۲/۴۵)۔

اب ''بدائع'' کی مذکورہ عبارت میں دوبارہ غور کیا جائے اس میں صرف اتنی عمومیت تو ضرور ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں ہر نیک کام کرنے والے داخل ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ نیک کام کرنے والا محتاج فقیر ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء بھی ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیتے ہیں، بس اتنا فرق ہے کہ صاحب بدائع نے ہر نیک عمل کرنے والے فقیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر کے مصرف قرار دیا ہے، اور جمہور نے ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، لیکن فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل نہیں کیا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ جیسے فقیہ اور مفسر وقت کو بھی بدائع کی عبارت نقل کرنے میں مسامحت ہوگئی ہے کہ انہوں نے بھی ''إذا كان محتاجاً'' کی شرط کو نقل نہیں کیا ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے بدائع کی عبارت سے عمومیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کو ''إذا كان محتاجاً'' کی شرط پر توجہ نہ کرنے کی بنا پر مغالطہ ہوا ہے۔

5/24

Marfat.com

خلاصہ بحث:

الغرض بحث کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی کو داخل کیا ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے غازی فقیر اور غازی غنی دونوں کو داخل فرمایا ہے، لیکن غزاۃ کی شرط کے ساتھ مقید کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک غازی کے ساتھ ساتھ محتاج حاجی بھی بہ نص حدیث داخل ہے، اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک محتاج حاجی داخل ہے اور صاحب درمختار نے محتاج غازی و حاجی اور طالب علم کو شامل فرمایا ہے، لیکن جہاں جہاں عمومیت کی بات ہے وہاں فقر واحتیاج کی بھی قید ہے، لہٰذا اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کیا جائے تو شخص حقیقی کے فقر اور احتیاج کی قید کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور اس کے بغیر عمومیت کی اجازت نہیں ہو سکتی اور شخص حکمی کو احتیاج کی وجہ سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں موجودہ دور میں بھی داخل نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ جن ضرورتوں) کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنے سے جو سوال پیدا ہو رہا ہے وہی سوال اور ضرورتیں زمانۂ رسالت اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی پائی جاتی تھیں، اس کے باوجود کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ اس طرح ضرورت کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کیا گیا ہے، ہاں البتہ دیگر صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے، ہم کو بھی اس طرح صدقات نافلہ کی ترغیب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، اس لئے یہ ضرورتیں توسع کا باعث نہیں بن سکتی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

فی سبیل اللہ

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری، ممبئی

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں ایک حکم شرعی بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس لئے تفسیر کے صحیح اصول کے مطابق پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ خود مہبط وحی ﷺ، آپ کے اصحابؓ اور تلامذۂ اصحاب رسول، یعنی حضرات تابعین نے اس کی کیا تشریح کی ہے، ان حضرات سے جو تفسیر ملے گی، اس کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ دوسری کوئی رائے معتبر نہ ہوگی، عہد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور کے ماخذوں کا جہاں تک تتبع کیجئے فی سبیل اللہ کا اولیں مصداق جہاد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور یہ لفظ جب ان کے عرف میں بولا جاتا تھا تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا تھا، بعض اکابر سے جو حاج کا لینا منقول ہے وہ بھی حدیث ہی سے ثابت ہے، اس طرح فی سبیل اللہ کا اولیں مصداق جہاد ہی ہے اور ساتھ ہی بعض، بعض مواقع پر حج بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے نظائر بھی قرآن و حدیث میں ملتے ہیں، مثلاً اہل بیت کا ازواج مطہرات ہی اولیں مصداق ہیں، جیسا کہ متعلقہ آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے، لیکن بعد میں حضور ﷺ نے حضرات حسنینؓ وغیرہ کو بھی اللھم .... فرما کر اس میں شامل فرمالیا۔ جہاد اور حج یہ دونوں ہی نص سے ثابت ہیں۔ اور نصوص میں یہ حکم کی علت پر مبنی بھی نہیں ہے، اس لئے اس مفہوم کو بدلنے یا اپنی طرف سے قیاس کر کے اس میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ایک روایت میں صراحتاً فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی تقسیم کا

Marfat.com

معاملہ کسی نبی یا غیر نبی پر نہ چھوڑ کر خود ہی اس کے مواقع کو متعین فرمایا ہے، چنانچہ ابوداؤد میں ہے:

"إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك" (ابوداؤد کتاب الزکوۃ)۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں جو حصر ہے وہ حقیقی ہے، تاہم فی سبیل اللہ کے متعلق جو امر زیر بحث ہے اس میں اس گفتگو کی چنداں ضرورت بھی نہیں رہ جاتی، مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد اپنی طرف سے کسی مصرف کے اضافے کی گنجائش امت کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

اور تفسیر کے اصول صحیح کے مطابق فی سبیل اللہ کے عموم کا بھی کوئی جواز نہیں، جو مفہوم قرون اولیٰ میں اس لفظ کا متعین تھا اور پھر جس کے قائل جمہور ہیں اس کو بدلنا بہت بڑی جرأت ہے۔

صاحب بدائع علامہ کاسائیؒ کی طرف منسوب کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس میں تمام قربتوں کو شامل فرمایا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ علامہ موصوف نے عبارت:

" عن جميع القرب فيد خل فيه كل من سعى في سبيل الخيرات و الطاعات" کے ذریعہ عام لغوی تشریح فرمائی ہے، چنانچہ اس کے ساتھ "اذا كان محتاجاً" کی شرط بھی ہے، یہ جملہ خود بتا رہا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق متعین نہیں کیا گیا، بلکہ ایک لغوی مفہوم بتایا گیا ہے، ورنہ پھر تو منصوص اصناف ثمانیہ میں سے بیشتر کا ذکر کرنے کا فائدہ نہ ہوگا، فی سبیل اللہ کا مصداق ہو تو ان سب کے ذکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، البتہ علامہ نے اس کے بعد ہی امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے اس کا جو مصداق بتایا ہے وہ یہ ہے:

"قال أبو يوسف: المراد منه فقراء الغزاة؛ لأن سبيل الله إذا أطلق يراد به ذلك"۔

پھر امام محمدؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

Marfat.com

"قال محمد المراد به الحاج المنقطع بهذا"۔

اصولی بات تو یہی ہے کہ جو مفہوم تواتر کے ساتھ منقول ہے اسے بدلنے کی نہ ضرورت ہے نہ ہی کوئی جواز اس کا پایا جاتا ہے، اور اس کے خلاف جو اقوال بھی ہیں جمہور کے مقابلے میں ان کی حیثیت ذاتی تفرادات کی ہے، لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں۔ غارمین اور امام محمدؒ کے بقول حاجی یہ حضرات بھی مصرفِ زکوٰۃ اسی صورت میں ہیں جب کہ محتاج اور فقیر ہوں، صاحب نصاب نہ ہوں، جیسا کہ صاحب بدائع کی مذکورہ عبارت میں ایک نہیں تین تین جگہ یہ شرط ذکر کی گئی، احادیث مصرف زکوٰۃ کے متعلق یہی اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر فقراء کو دے دی جائے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجتے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی:

"إن الله إفترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنياء هم و ترد في فقراء هم" (ابوداؤد شریف)۔

اور "لا تحل الصدقة لغني" (ترمذی و ابوداؤد) اس اصل، یعنی مصارف کے خلاف کوئی حکم دینے کے لئے صحیح وجہ چاہئے اور بجز مؤلفۃ القلوب اور عاملین علی الصدقۃ کے یہ بنیادی وصف ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ ابن سبیل میں بھی اگر چہ وہ اپنے گھر کا مالدار ہو۔ مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دینے کی علت تو واضح ہے، اور عاملین کو دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام کی طرف سے اس کام کے لئے محبوس ہیں، لہٰذا بہ طور اجرت یا مضرت کے نہیں، بلکہ وہ چونکہ زکوٰۃ کے اصول کے لئے خاص کر دیئے گئے، اس لئے ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے بہ قدر کفاف اس سے ان کو دیا جاتا رہے گا تاکہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

فی سبیل اللہ کے سلسلے میں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اس لئے فقر کی شرط بہر صورت ملحوظ رہے گی، اسے ختم نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ اشکال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جب فقر شرط ہی ہے تو پھر الگ سے اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت، فقراء و مساکین میں یہ حضرات داخل تھے جو

Marfat.com

فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں، اتنا کافی تھا۔ اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر فقراء کے بعد مساکین کے تذکرے کی کیا وجہ ہے، کیونکہ کوئی بھی تشریح کیجئے دونوں ہی غیر صاحب نصاب ثابت ہیں، لہٰذا فقراء کے لفظ میں مساکین بھی آجاتے تھے، ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اس قدر مشترک کے باوجود ان میں قدرے فرق بھی تھا، یہی جواب فی سبیل اللہ کے متعلق مذکورہ اشکال کا بھی ہے کہ عام فقراء و مساکین سے ان کی نوعیت الگ ہے۔ بسا اوقات تو یہ حضرات بہ ظاہر صاحب نصاب ہوتے ہیں، مگر جہاد کے وقت حقیقۃً فقر ثابت ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص حوائج اصلیہ کے بعد بہ قدر نصاب مال کا مالک ہے، مگر جہاد کی تیاری کے وقت اسے اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے، اس کی ملکیت میں جو مال ہے وہ ناکافی ہے، لہٰذا اگرچہ وہ خود صاحب نصاب ہے، مگر اس وقت بجا طور پر وہ محتاج ہوگیا اور زکوٰۃ کی رقم کا اسباب جہاد کی فراہمی کے لئے لینا اس کے واسطے درست ہے، یہی معاملہ ابن السبیل کا بھی ہے، وہ اپنے گھر میں اگرچہ مالدار ہے، مگر سفر میں تہی دست ہونے کی وجہ سے اس کا عارضی فقر ثابت ہے، اور وہ زکوٰۃ لے جاسکتا ہے، مگر چونکہ عموماً ان حضرات کے متعلق ہر ذہن میں یہ اشکال آسکتا تھا، اس لئے بہ طور خاص ان کو ذکر کردیا گیا، نیز فقراء و مساکین عام ہیں اور یہ دونوں مصارف "فی سبیل اللہ و ابن السبیل" خاص ہیں، اور عطف الخاص علی العام اور تخصیص بعد التعمیم عام ہے۔ فی سبیل اللہ میں تعلیم و تبلیغ، قلمی جہاد اور رفاہ عام وغیرہ کو علی العموم شامل نہیں کیا جاسکتا، جب خود غازی کے لئے فقر کی شرط ہے تو جو حضرات مذکورہ امور خیر میں مشغول ہیں ان کے لئے بدرجہ اولیٰ یہ شرط ہوگی، اور اگر یہ حضرات غیر صاحب نصاب ہوں گے تو انہیں زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لئے لینا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، بعض حضرات تو اس حد تک ستم کرتے ہیں کہ نشر و اشاعت اور دیگر دینی امور کے انتظامات کو بھی اس میں شامل کرلیتے ہیں، یہ اور بدیہی البطلان ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مصارفِ زکوۃ فی سبیل اللہ

مولانا معاذ الاسلام سنبھلی☆

فی سبیل اللہ سے مراد اور اس کے مفہوم میں مختلف اقوال وآراء اور ان کے دلائل تفصیل کے ساتھ اکیڈمی کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ میں ذکر کردیئے گئے ہیں، اس لئے اس جواب میں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، غور وفکر کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ پیش کیا جارہا ہے:

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ" (سورۂ توبہ:۶۰)۔

بعض منافقین نے حضور ﷺ پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے۔ جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، اس آیت میں حق تعالی نے مصارف صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کردیا کہ اللہ تعالی نے یہ بات خود متعین فرمادی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں اور رسول کریم ﷺ تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے (معارف القرآن)۔

ابوداؤد اور دارقطنی نے زیاد بن حارث صدائی کی روایت نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک

☆ مدرسہ امدادیہ مرآدباد۔

Marfat.com

لشکر مسلمانوں کا روانہ فرمارہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ سب مطیع وفرماں بردار ہوکر آجائیں گے، پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہوگئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"یا أخاصداء المطاع فی قومه"

جواب عرض کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آں حضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لئے حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس کو یہ جواب دیا، صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالی نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرمادیئے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں (الفاظ حدیث کے لئے دیکھئے: ابوداؤد ار ۲۳۰ مطبوعہ رشیدیہ کراچی)۔

اس آیت کو لفظ "إنما" سے شروع کیا گیا ہے، یہ لفظ حصر وانحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کلمہ نے بتلادیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہورہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہی میں خرچ ہونے چاہئیں، ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف نہیں ہوسکتے، جیسے جنگ کی تیاری، فوجوں کی غذائیں، فوجی ہاسپٹل، عمومی خیراتی اسپتال ومدارس وغیرہ (دیکھئے: الکفایہ فتح القدیر ۲ر ۲۰۰)۔

ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" میں پھر حرف "فی" کا اعادہ کیا گیا، اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل وبہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو غریب ومفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے ذمہ میں حج فرض ہوچکا، مگر اب اس کے پاس مال نہیں رہا، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں، اس لئے مال زکوۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی (الکفایہ فتح القدیر ۲ر ۲۰۰)۔

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی تو بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضاجوئی کے لئے کئے

Marfat.com

جائیں، وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

بعض لوگوں کو لفظی معنی کے اعتبار سے یہ مغالطہ ہوا کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر مصارف زکوٰۃ میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں جو سراسر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام، ائمہ اور تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

امام ابن جریر، ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو اور جن حضرات نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہِ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی تصریحات کے علاوہ اگر اس بات پر غور کر لیا جائے تو مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہوتا تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصارف کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی ان کے آٹھ مصارف متعین فرما دئے، تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے (معارف القرآن)۔

Marfat.com

بغیر کسی قرینہ کے لفظ سے عند الاطلاق جو متفاہم ہو وہ حقیقت ہے اور معنی مجازی کے مراد لینے کے لئے قرینہ درکار ہوتا ہے۔

فی سبیل اللہ کا استعمال غازی اور مجاہد میں بہ طور حقیقت شرعیہ کے ہے، قدوری میں ہے:

"و في سبيل الله منقطع الغزاة عند أبي يو سف رحمه الله"

صاحب بدائع نے اس کی وجہ بیان کی ہے:

"لأنه هو المتفاهم عند الإطلاق"۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس سے مراد منقطع الحاج ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا تھا تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اس پر کسی حاجی کو سوار کر دے، ابو معقلؓ اور ام معقلؓ کی روایت جو "ابوداؤد" میں ہے جس میں فی سبیل اللہ کئے گئے اونٹ پر حج کرانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابراهیم بن مہاجر متکلم فیہ ہیں، دوسرے اس روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ ابو معقلؓ کی وفات کے بعد کا یہ واقعہ ہے اور ام معقل کو آپ ﷺ نے عمرہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، دوسرے اس حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد حج بھی ہے، اس پر ابن الہمام نے یہ اشکال کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ آیت میں جو فی سبیل اللہ مذکور ہے اس سے مراد کیا ہے اور حدیث میں جو ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت میں بھی مراد وہی ہو، اس لئے کہ ہوسکتا ہے حدیث میں عام معنی مراد ہو اور آیت میں نوع مخصوص مراد ہو، ورنہ اس اعتبار سے تو تمام ہی اصناف فی سبیل اللہ ہیں (فتح القدیر ۲/۲۰۵)۔

احادیث اور علماء کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے حقیقی معنی غازی اور مجاہد کے ہیں اور اصول فقہ میں ہے کہ جب تک معنی حقیقی پر عمل ممکن ہوگا معنی مجازی ساقط ہوں گے (دیکھئے: نور الانوار مبحث الحقیقۃ والمجاز)۔

بہرحال قرونِ اولی میں زکوۃ کے ساتویں مصرف "فی سبیل اللہ" کی تشریح میں دو ہی

Marfat.com

قول ملتے ہیں، صحابہ، تابعین، مفسرین اور جمہور فقہاء نے فی سبیل اللہ کو غزوہ میں محصور کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حج بھی شامل ہے، اب بعد میں کسی اجتہاد یا قیاس کے ذریعہ کسی تیسرے قول کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ان دونوں قولوں پر سلف کا اجماع ہو گیا، اب کوئی قیاس اجماع کے خلاف ہوگا تو وہ واجب الرد ہوگا۔ اجماع کی بحث میں اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے صاحب "نورالانوار" کہتے ہیں کہ امت جب تک کسی مسئلہ میں کسی زمانہ میں چند اقوال پر اختلاف کرے تو ان کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کے ماسوا باطل ہے۔ اور بعد والوں کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ کوئی قول آخر پیدا کریں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی قول ثالث کا بطلان فقط صحابہ میں ہے، وہ اگر دو قولوں پر اختلاف کریں تو ان کا قول ثالث کے بطلان پر اجماع ہو گیا، تمام امت کے لئے یہ بات نہیں ہے، صاحب "نورالانوار" کہتے ہیں: لیکن حق یہ ہے کہ قول ثالث کا بطلان مطلق ہے اور ہر عصر کے اختلاف میں جاری ہوگا اور اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں (نورالأنوار، مبحث الإجماع)۔

ان مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ فی سبیل اللہ کی تشریح میں صحابہ اور سلف میں دو ہی قول ملتے ہیں، غازی اور حجاج، لہٰذا ان کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کے خلاف تیسرا قول باطل ہوگا اور اس میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

جمہور امت، ائمہ مجتہدین اور سلف کے اقوال کے برخلاف بعض غیر معروف اور مجہول حضرات کی طرف منسوب ایسے اقوال بعض لوگوں نے نقل کئے ہیں جو اجماع امت کے خلاف ہیں اور کسی طرح بھی قابل توجہ نہیں ہیں، ورنہ اگر اس طرح کے شاذ و نادر اقوال کو قابل اعتناء تصور کیا جانے لگا تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ اس طرح کے شاذ و نادر اقوال تلاش کرنے سے ہر مسئلہ میں مل جائیں گے، بعض لوگوں نے فی سبیل اللہ سے مراد طلبہ علم کو بتلایا ہے۔

(و فی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ)وقیل: الحاج، وقیل: طلبة العلم" (الدر المختار)۔

Marfat.com

بعض حضرات نے غازی کے ساتھ طلبہ، علماء، قضاۃ، اصحاب افتاء اور مصنفین سب کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہے، اگر چہ وہ غنی ہوں۔

بعض دوسرے حضرات نے ان سب کو عاملین میں داخل مان کر مصرف زکوٰۃ بتلایا ہے۔

"وعامل فيعطى ولو غنيا لاهاشميا لأنه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج إلى الكفاية .... وبهذا التعليل يقوى مانسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوٰة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه" (الدر المختار)۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے کہ اس فرع پر کسی نے اعتماد نہیں کیا ہے، کیونکہ غنی کے لئے زکوٰۃ کو مطلقاً حرام کہتے ہیں، اس کے یہ خلاف ہے۔

"وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد" (شامی ۲/۵۹)۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ بیت المال میں چار قسم کے اموال الگ الگ جمع کئے جائیں گے اور نوع ثالث، یعنی اراضی کا خراج، جزیہ اور اہل ذمہ اور مستامنین تجار سے عشار جو کچھ وصول کریں گے اس کا مصرف ولاۃ، قضاۃ، اہل فتوی علماء اور مقاتلہ کا رزق ہوگا اور اسی سے راستوں، مساجد ورباطات، قناطر وجسور اور سرحدوں وغیرہ کی اصلاح میں خرچ کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین کے عہد میں قضاۃ، اہل فتوی اور علماء وغیرہ نہ عاملین میں داخل تھے اور نہ فی سبیل اللہ میں۔

بعض لوگوں کا اس روایت سے استدلال کرنا جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے اونٹوں سے مقتول کی دیت ادا فرمائی، یہ صحیح نہیں ہے، یہ حدیث "مسلم شریف" میں بھی ہے اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ایک روایت میں ہے: "فوداه رسول الله ﷺ من قبله"، ایک میں ہے: "من عنده" اور ایک تیسری روایت میں ہے: "فوداه مائة من إبل الصدقة"۔

Marfat.com

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس اخیر روایت کے الفاظ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ رواۃ کی غلطی ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کا یہ مصرف نہیں ہے، اس کا مصرف وہ اصناف ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں، ابواسحٰق مروزی نے اس روایت کی بنیاد پر یہ فرمایا کہ دیت زکوۃ کے اونٹوں سے دی جاسکتی ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا: ہمارے اور دیگر جمہور علماء اس کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ زکوٰۃ کے اونٹ جن لوگوں کو دیئے گئے تھے ان سے خرید کر آپ ﷺ نے دیت میں دیئے، کچھ اور اقوال نقل کرنے کے بعد امام نووی فرماتے ہیں کہ مختار وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے مالکوں سے خرید کر دیئے (مسلم ۲/۵۵)۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ مصارف زکوٰۃ میں وسعت پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور ان کا اس سے استدلال جمہور کے خلاف ہوگا۔

رہا یہ اختلاف کہ غازی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو احناف کے نزدیک نہیں دی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک عاملین اور مولفۃ القلوب کے علاوہ سب مصارف میں فقر کی شرط ہے۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے جیسا کہ "فتح القدیر" میں ہے کہ یہاں تعلیق حکم مشتق پر ہے، لہذا قاعدہ کے مطابق مبداء اشتقاق حکم کی علت ہوگا اور ان اسماء میں جو ماخذ اشتقاقات ہیں ان میں فقر و حاجت مناط وملحوظ ہے۔

دوسرے حضرت معاذؓ کی مشہور حدیث ہے جو حدیث کی مشہور کتب ستہ میں مروی ہے:

"توخذ من أغنيائهم وترد علي فقرائهم".

"نسائی" اور "ابوداؤد" میں حدیث ہے کہ دو آدمی آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ زکوٰۃ تقسیم فرمارہے تھے، تو انہوں نے بھی سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو دے دوں لیکن اس میں غنی اور قوی مکتسب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے:

"لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة ...." (الحدیث)۔

Marfat.com

اس کا جواب شیخ ابن ہمام نے یہ دیا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہی ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو حدیث معاذ کی سی قوت نہیں رکھتی اور اگر اس جیسی قوت بھی ہو تب بھی حدیث معاذ کو ترجیح ہوگی، اس لئے کہ وہ مانع ہے اور امام شافعیؒ نے جس کو روایت کیا ہے وہ مبیح ہے (فتح القدیر ۲/۲۰۹)۔

☆☆☆

Marfat.com

مصرف فی سبیل اللہ ایک علمی جائزہ

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

قرآن کریم نے مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف سبیل اللہ کو قرار دیا ہے، سبیل اللہ کا مفہوم کیا ہے؟ اس سے فقہاء امت کیا مراد لیتے ہیں؟ اس میں کچھ اختلاف ہے، لیکن اگر اس اختلاف کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب اختلافات بعد کی پیداوار ہیں، ابتداء عہد اسلام میں اس بارے میں ہمیں صرف دو قول ملتے ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے صرف مجاہدین مراد ہیں، یہی جمہور کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مجاہدین کے ساتھ حجاج بھی شامل ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے (فتح الباری ۳/ ۲۶۲)۔

ہمیں عہد صحابہ میں یہی دو قول ملتے ہیں۔ قول اول یعنی سبیل اللہ صرف مجاہدین کے لیے خاص ہے، یہ جمہور مفسرین کا بھی قول ہے اور مجتہدین امت خصوصاً ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ نے ایک روایت میں سبیل اللہ میں حاجیوں کو بھی داخل کیا ہے (شمس الدین ابن قدامہ نے امام احمد سے دونوں طرح کی روایت کی ہے اور جمہور کی موافق والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اختلفت والرواية عن احمد في ذلک فروی عنه أنه لا يصرف منها في الحج وبه قال مالک وابو حنيفة والثوری والشافعي وابوثور وابن المنذر وهي اصح" (الشرح الکبیر ۲/ ۷۰۱، نیز دیکھئے: احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۳۹۶، فتح الباری ۳/ ۲۶۲)۔

☆ استاذ "المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء" پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

جمہور امت کے نزدیک سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہد و غازی ہیں اور اس میں کوئی تعمیم نہیں ہے دور آخر کے بعض علماء نے اس میں تعمیم کی کوشش کی ہے اور اس کو تمام سبیل خیر کے لئے عام کرنا چاہا ہے، لیکن ان کے پاس اس کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

جمہور امت کے دلائل حسب ہیں:

قرآن کریم میں فی سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے اور کثرت سے ہوا ہے۔ جہاد کے علاوہ دوسرے معانی میں بھی اسے استعمال کیا گیا ہے، مگر زیادہ تر جہاد کے لئے ہی مستعمل ہے، ایسے مواقع کم ہیں جہاں جہاد کے علاوہ دوسری چیزیں مراد ہوں، اور جہاں بھی فی سبیل اللہ مطلق بلاقرینہ کے مستعمل ہے وہاں صرف جہاد مراد ہونا ہی متعین ہے، امام طبریؒ فی سبیل اللہ کا مفہوم بیان فرماتے ہیں:

"وذلک هو غزو الکفار" (تفسیر طبری ۱۰/ ۱۱۴، اور یہی بات صاحب شرح کبیر ابن قدامہ، امام سرخسی، اور علامہ عینی نے کہی ہے، دیکھئے: شرح کبیر ۲/ ۷۰۲، مبسوط ۳/ ۱۰، عینی شرح ہدایہ ۱/ ۱۲۵۸)۔

جب قرآن کریم میں فی سبیل اللہ زیادہ تر جہاد کے لیے ہی استعمال ہوا ہے تو آیت زکوۃ میں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین ہی ہو سکتے ہیں۔ یہی ظاہر ہے۔

ایک حدیث صحیح میں بھی فی سبیل اللہ کے ساتھ غازی کی صراحت موجود ہے (موطا، ابوداؤد) اور دیگر کتب حدیث میں: "لا تحل الصدقة لغنی إلا لخمسة ......الخ" والی مرفوع حدیث مروی ہے (دیکھئے: ابوداؤد ۱/ ۲۳۸)۔

حدیث میں "غازی فی سبیل اللہ" کے الفاظ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ سبیل اللہ کا مصداق غازی ہی ہیں، دوسرے لوگ نہیں ہیں۔

اگر فی سبیل اللہ کو عام کر دیا جائے اور اس میں ہر کار خیر کو داخل مانا جائے تو مصارف زکوۃ کے سلسلے میں حنفیہ کے یہاں جو دو ضروری شرطیں ہیں وہ باطل ہو جائیں گی۔

پہلی چیز یہ ہے کہ ائمہ احناف کے یہاں عامل کے سوا بقیہ تمام اصناف میں احتیاج وفقر

Marfat.com

کا ہونا شرط ہے اور فی سبیل اللہ کی تعمیم سے یہ شرط پوری نہیں ہو پائے گی۔

"إنما يعطى الأصناف كلهم سوى العامل بشرط الفقر" (فتح القدیر ۲/۲۰۵)۔

ہر کارِ خیر کو اس میں شامل کر لینے سے فقر و حاجت کی شرط باقی نہیں رہے گی، جب کہ مستحقین زکوٰۃ کے لئے تمام فقہائے احناف نے بالاتفاق اسے شرط قرار دیا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ احناف کے یہاں زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بھی ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ دے رہے ہیں اس کو اس کا مالک بنا کر دیں، عدم تملیک کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ "ہدایہ" میں ہے:

"ولا يبنى بها مسجد ولايكفن بها ميت لإنعدام التمليك و هو الركن"۔

تملیک کے لیے اشخاص کو دینا ضروری ہے کہ اشخاص ہی مالک بن سکتے ہیں اور سبیل اللہ کو عام کرنے کی صورت میں ہر کارِ خیر اس میں داخل ہو جائیں گے، غیر اشخاص بھی، اس طرح تملیک کی شرط پوری نہیں ہو پائے گی۔ سبیل اللہ میں تمام کارِ خیر کو شامل کر لینے سے ائمہ حنفیہ کی یہ دونوں اہم شرطیں باطل ہو جائیں گی۔

۱۔ آیت کریمہ: "إنما الصدقات للفقراء المساكين" میں "إنما" کا حصر حقیقی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ "إنما" اپنے وضعی معنیٰ کے اعتبار سے حصر حقیقی کو بتاتا ہے، البتہ مجازاً کسی قرینہ سے حصر اضافی پر دلالت کرتا ہے، یہاں کوئی قرینہ اس کے مجازی معنیٰ کے لئے نہیں ہے، امام رازیؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"فلفظة إنماتفيد الحصر ......" (دیکھئے: رازی تفسیر کبیر ۴/۶۷۵، شرح کبیر ۴/۶۷۵، ۶۸۹)۔

مفسرین وفقہاء کے نزدیک اس آیت کریمہ میں حصر حقیقی ہے، اسی وجہ سے یہ قرآن میں مذکور اصناف کے علاوہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے منع کرتے ہیں (تفسیر طبری ۱۰/۱۱۵)۔

5/25

Marfat.com

اسی طرح دوسرے فقہانے بھی صراحت کی ہے جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہاں حصر حقیقی ہے حصر اضافی نہیں ہے۔

۲- قرآن کریم میں فی سبیل اللہ سے زیادہ تر غزوہ وجہاد ہی مراد ہے، کتابوں کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

۳- عہد صحابہ میں مصرف فی سبیل اللہ کے سلسلے میں صرف دو قول ملتے ہیں، اکثریت نے اسے جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض صحابہ نے اس میں حج کو بھی شامل کیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں جب کسی مسئلہ میں صرف دو قول ملیں تو کیا بعد میں کوئی تیسرا قول اختیار کرنا درست ہے؟۔

اصول فقہ سے اس سلسلہ میں رہنمائی لی جائے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ایسی صورت میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے، صحابہ کرام سے کسی مسئلہ میں دو اقوال ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ نے ان ہی دو اقوال پر اتفاق کرلیا اور ان کے پیش نظر کوئی تیسرا قول نہیں تھا، اب ان ہی میں سے کسی کو اختیار کرنا ہوگا، ان اقوال سے خارج کسی قول کو حق وصواب مان لینا یہ تسلیم کرنا ہے کہ صحابہ نے خطأ پر اتفاق کرلیا تھا اور صحابہ کے خطأ پر متفق ہوجانے کا ظن بلاشبہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کسی مسئلہ میں صحابہ کے زمانے میں دو قول ملتے ہیں تو یہ اس بات پر نص ہے کہ حق ان ہی دونوں اقوال میں منحصر ہے (دیکھئے: اصول بزدوی ۲۴۲، کشف الاسرار للبخاری ۳ر ۹۵۴، ازالۃ الخفاء ر ۹۴)۔

اصول فقہ کی ان تصریحات اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس قول کو پیشِ نظر رکھیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ عصر صحابہ میں کسی مسئلہ میں دو اقوال کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حق ان ہی اقوال میں محدود ہے اور کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ "إن اختلفوا في شئی فالحق لا یعدو أقاویلھم" (حسامی ۱/۱۹۱، نور الانوار ر ۲۲۳)۔

۴- اب اس کی روشنی میں فی سبیل اللہ کے بارے میں غور کرلیں کہ صحابہ کرام سے اس

Marfat.com

سلسلے میں دو قول ہی (جہاد یا جہاد اور حج) ملتے ہیں، اب بعد میں کسی تیسرے قول کو اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہر کار خیر کو اس کا مصداق قرار دینے کی گنجائش نکلتی ہے یا نہیں؟

الف: زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کے مصداق مجاہدین ہیں یہی جمہور امت کا مسلک ہے۔

ب: فی سبیل اللہ کے مصداق مجاہدین کے لئے احتیاج شرط ہے، ائمہ احناف نے اس کی صراحت کی ہے اور حنفیہ کا یہ متفقہ اور مفتی بہ قول ہے۔ امام جصاص رازیؒ نے مجاہدین کے احتیاج وغناء کی واضح تشریح کی ہے، جس سے اختلاف بہت حد تک دور ہو جاتا ہے، جصاص کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۳/۱۵۷)۔

مفہوم یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ضروریات زندگی سے فاضل بہ قدر نصاب یا اس سے زیادہ دولت ہوتی ہے اور اس کو صدقہ لینا جائز نہیں ہوتا، لیکن جب وہ جہاد کی تیاریاں کرتا ہے اور ہتھیار، سواری وغیرہ پر خرچ کرتا ہے تو اس کی یہ دولت ختم ہو جاتی ہے اور اسے تنگی ہو جاتی ہے تو اب اس کے لئے صدقہ لینا جائز ہے اور ایسا مجاہد بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۳/۱۵۷)۔

۵- قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ مصارف زکوٰۃ آٹھ بتائے ہیں، اس لئے فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان کے غیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"الآية تدل علىٰ أنه لاحق فی الصدقات لأحد إلالهذه الأصناف الثمانية و ذلک مجمع عليه" (تفسیر کبیر ۴/۶۷۵)۔

شرح کبیر میں ہے:

"ولا نعلم خلافا بين أهل العلم فی أنه لايجوز دفع هذه الزكاة إلىٰ غيرهذه الأصناف" (شرح کبیر ۲/۶۸۹)۔

اگر مصارف زکوٰۃ کی تعلیل بھی کی جائے تو اس کی علتِ جامعہ فقر واحتیاج ہی نکلے گی

Marfat.com

اور جس میں یہ علت پائی جائے وہ خود مصارف زکوٰۃ میں شامل ہوگا، علیحدہ نہیں رہے گا۔

"إن نفس الأسماء المذكورة فی الآیة تفید أن المناط فی الدفع إلیهم الحاجة...... فالحاجة هی العلة فی جواز الدفع"(فتح القدیر ۲/۲۰۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ان مذکورہ اصناف کے ساتھ خاص ہے ان اصناف میں سے ہی کسی کو ملے گی، ان کے علاوہ کسی دوسرے کو دینا درست نہیں ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۴۳)۔

ملا احمد بن ابی سعید معروف بہ ملاّ جیونؒ فرماتے ہیں:

"إن الله تعالیٰ قصر الصدقة المفروضة علی أصناف المعدودة بمعنی أنها مخصة بهم لا تتجاوز إلیٰ غیرهم"۔

۶- اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو متعین فرمادیا ہے اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ فی سبیل اللہ کا مصداق بھی جمہور امت کے نزدیک صرف مجاہدین ہیں، اب دینی اداروں (مثلاً اکیڈمیوں اور تنظیموں وغیرہ) کے لئے صدقات نافلہ اور عطیات ہی باقی رہ جاتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جمہور امت کے مسلک کو چھوڑنے کے بجائے اہل ثروت کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے عطیات اور صدقات نافلہ کے ذریعہ دینی اداروں، اکیڈمیوں اور تنظیموں کا تعاون کریں۔

جوابات کا خلاصہ:

۱- آیت کریمہ: " إنما الصدقات للفقراء والمساکین " میں ''إنما'' کا حصر، حصر حقیقی ہے۔

۲- قرآن کریم میں فی سبیل اللہ سے زیادہ تر غزوہ وجہاد مراد ہے۔

۳- عہد صحابہ میں جب کسی مسئلہ میں دو قول ملیں تو انہی دو میں سے کسی کو اختیار کرنا ضروری ہے، ان کے علاوہ تیسرے قول کی گنجائش نہیں ہے۔

Marfat.com

۴-الف: ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے حاجت شرط ہے۔

۵- قرآن میں مذکورہ اصناف کے ساتھ خاص ہے۔ان کے غیر کو دینا جائز نہیں ہے۔

۶- دینی اداروں کے لئے صدقات نافلہ اور عطیات سے کام لیا جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

مصارف زکوٰۃ فی سبیل اللہ

مولانا محمد ارشد قاسمی ☆

آیت: "إنَّمَا الصَّدَقَاتُ الخ" میں مذکور فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعین کے بارے میں جو علماء کے مختلف اقوال اور دلائل سوال نامہ میں غور وفکر کے لئے پیش کئے گئے۔

اس تحریر اور اس سلسلہ میں نصوص فقہیہ اور شروح میں مذکورہ تفصیلات کے بہ غور مطالعہ کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، وہ بالکل وہی بات ہے جو حضرت مفتی شفیع صاحب "معارف القرآن" میں آیت: "إنَّمَا الصَّدَقَاتُ" کی تفسیر وتشریح کے بعد بہ عنوان "تنبیہ" تحریر فرمائی ہے، اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موصوف ہی کے الفاظ میں ہم اس کو نقل کردیں۔

"تنبیہ: لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنیٰ بہت عام ہیں جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول اللہ علیہ کی تفسیر وبیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں، پل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات، ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دیا جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں

☆ جامعہ گلزار حسینیہ، اجراڑہ، میرٹھ۔

Marfat.com

نے قرآن کو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے، ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں، ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے فی سبیل اللہ مخصوص قرار دیا گیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو (مبسوط ۱۰/۳)۔

امام ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر وحاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر وحاجت مند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مصرف میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے۔

لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد ومدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف ان کی تصریحات ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسیؒ نے ''مبسوط'' اور ''شرح سیر'' میں اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو عبیدؒ نے ''کتاب الاموال'' میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے ''مغنی'' میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات غور کرلیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہوتو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہوجاتا ہے اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد جو پہلے اس سلسلہ میں

Marfat.com

بیان ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی ﷺ بالکل غلط ٹھہرتا۔

معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

حضرت مفتی شفیعؒ صاحب نے اپنی اس مختصر تحریر میں فی سبیل اللہ کے مصداق و مفہوم کو بہت اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے اور مختصر طور پر اس سلسلہ میں بیان کیے جانے والے سارے دیگر اقوال کا جواب بھی دیا ہے۔

فی سبیل اللہ کے ذیل میں اٹھائے گئے سوالات کے جوابات:

۱۔ ہم جمہور علماء کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے **"إنما الصدقات" میں جو کلمہ "إنما"** حصر پر دلالت کرتا ہے، حصر حقیقی سمجھتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تفرد ہے جو موصوف نے اضافی قرار دیا ہے۔

مزید یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس پس منظر میں یہ فرما رہے ہیں وہ بھی قابل غور ہے۔

ان اسلامی ممالک کے بارے میں جس کی آبادی سو فی صد مسلم ہو اس کے بیت المال میں غالب سرمایہ زکوٰۃ کا ہوگا اور حوائج زیادہ، تو امام اپنی نگاہ میں جن حوائج میں لگانا ضروری سمجھے لگائے۔

پھر شاہ صاحب نے اپنے نکتۂ نظر کی کوئی دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی، بلکہ ایک ضرورت

Marfat.com

سامنے رکھ کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا جس کی طرف ''والسرفی ذلک أن الحاجات غیر محصورة'' سے اشارہ فرمایا ہے۔

مزید برآں یہ کہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' فن اسرار ورموز سے متعلق ہے، اس کے برخلاف خود حضرت شاہ صاحبؒ موطا امام مالک کی شرح فارسی ''مصفیٰ'' میں ''إنما الصدقات'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مترجم گوید (رضی اللہ عنہ) کہ خدائے تعالیٰ صدقات رامخصوص گردانید بہ ہشت صنف'' خاص طور پر مخصوص گردانید کی عبارت سے یہی سمجھا جارہا ہے کہ '' إنما ''کا حصر حقیقی ہے۔اور ایسے فی سبیل اللہ کی مراد متعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ومراد ازیشان غزاۃ اند'' (مصفی ۱/ ۲۲۷)۔

عربی شرح مسوی میں فرماتے ہیں:

''وسبیل اللہ غزاۃ'' (مسوی ۱/ ۲۲۶)۔

ان تصریحات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ''إنما'' کو حصر اضافی قرار دینا شاہ صاحب کے اسرار ورموز شریعت کے سلسلہ میں ذوق نکتہ آفرینی کا رہین منت ہے اور فقہی شان ''شرح موطا'' میں نمایاں ہے اور چونکہ یہ مسئلہ فقہی واجتہادی ہے، اس لئے جو بات ''شرح موطا'' کی عبارت سے سمجھ میں آرہی ہے وہی حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے قرار دے جائے گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ شرح موطا میں کوئی صریح لفظ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے نہیں ہے تو یہ بات طے ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کا تفرد ہے۔

۲- یقیناً کتاب وسنت میں جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ وجہاد ہی ہوتا ہے۔

۳- اگر آیات احکام میں سے کسی آیت کی تشریح وتفسیر میں قرون اولیٰ میں ایک دو قول

Marfat.com

پائے جاتے ہیں تو ان اقوال کے علاوہ اس کی توضیح وتشریح میں نیا قول کرنے کی گنجائش نہیں، اکابر علماء کے کلام وعمل اور طریق کار سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

۴-الف: ہم فی سبیل اللہ کے مصداق کی تعین میں جمہور کی رائے سے متفق ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا مصداق غزوہ وجہاد تک ہی محدود ہے۔

البتہ ایسا شخص جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور پھر مال اس کے پاس نہ ہو تو اس کو بھی مصداق قرار دینے کی گنجائش، ائمہ مجتہدین کے اقوال میں ہے۔

ب- حنفیہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مصداق کے لئے بھی مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے فقر کی شرط ہے۔

ہاں اگر غازی مالک نصاب ہو، لیکن موجودہ مال ناکافی ہو اور مزید سرمایہ کی حاجت برائے غزوہ ہو تو مستحق زکوٰۃ ہوگا، اس لئے کہ موجودہ مال گھرا ہوا ہے اور مقصد کی تکمیل کے لئے ناکافی ہے تو گویا وہ حکماً مالکِ نصاب ہی نہیں رہا۔

۵- اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ جن لوگوں کو قرار دیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جس قدر لوگ واقعی تعاون کے مستحق ہیں اور ان کی دست گیری کی جانی چاہئے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ میں شامل فرمالیا ہے، اس لئے اسلامی معاشرہ کی واقعی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

اور جن فقہاء نے عمومی حاجت کا دفاع وتکمیل وغیرہ کو زکوٰۃ کے مقاصد میں شمار کیا ہے انہوں نے علت کے طور پر یہ کلام آفرینی نہیں کی، بلکہ بہ طور حکمت بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب وشاگردوں کے اقوال واستفادات کے غائر مطالعہ کے بعد بھی کہیں یہ صراحت نہیں پاتے کہ کسی فقیہ ومجتہد نے علت کا استخراج اس سلسلہ میں کیا ہو اور دوسرے مصارف کو (ان آٹھ مصارف کے علاوہ) ان مصارف زکوٰۃ کے ساتھ ملحق کیا ہو۔

اس لئے مصارف زکوٰۃ کو قیاس شرعی کا محل نہیں قرار دیتے، اگر یہ بات کھولا جائے اور

Marfat.com

جہادِ عسکری، جہادِ قلمی، جہادِ فکری وغیرہ کو قیاس کیا جائے اور حکم جاری کیا جائے تو پھر ہر کام کو جس کو دین کا نام کسی درجہ میں بھی دیا جا سکے، مصرف زکوٰۃ قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں اسلامی نظام بے معنیٰ و بے روح ہو کر رہ جائے گا۔

پھر ہم دورِ نبوی ﷺ میں جہادِ لسانی پاتے ہیں، بلکہ یہ نام بھی نبی پاک کا متعین کیا ہوا ہے اور آپ ﷺ نے ابن رواحہ کی شعر گوئی کو بایں الفاظ سراہا:

"فلهی أسرع فيهم من نضح النبل"

یہاں تو جہادِ لسانی کو جہادِ سنانی سے بھی برتر تسلیم کیا گیا، اسی طرح شعراء کے سلسلہ میں بھی آپ نے اس طرح کے کلمات سے دادِ تحسین دی ہے، حضرت حسان بن ثابت تو شاعرِ رسول کے عالی مرتبہ لقب سے ملقب ہیں۔

اس کے باوجود ہم پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی ایسی مثال نہیں پاتے کہ آپ ﷺ نے جہادِ لسانی کے عنوان سے کسی کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا ہو یا یہ مصرف سمجھ کر آپ نے کسی شاعر یا مجاہدِ لسان کو زکوٰۃ کی رقم عطا فرمائی ہو، تو ہمیں یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ ہم مجاہدین قلم، مجاہدین فکر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیں۔

۶- دورِ حاضر کی ضروریات کے پیش نظر بھی نظریۂ تعمیم زکوٰۃ کو اختیار کرنا ہمارے نزدیک درست نہیں ہے اور غلط نظریہ کو جواز کا لبادہ پہنانے کے مرادف ہے۔

جن ضروریات کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً دینی و دعوتی امور اور ان میں مشغول ادارے (مدارس و اکیڈمیاں و تنظیمیں) ان کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے لئے یہ حل نکالنا کہ نظریۂ تعمیم زکوٰۃ کو اختیار کیا جائے۔

اس کے بجائے ملت اسلامیہ میں ایسا دینی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پا سکیں، پھر مکمل اسلامی نظام کے قیام کے لئے جان توڑ کوشش کی جائے کہ سارے مسائل کا حل اسلامی نظام کے قیام میں ہے اور یہ ذکر بے موقع نہیں کہ ساری

Marfat.com

دشواریوں سے نجات کے لئے ایک ہی پائدار کوشش کیوں نہ کی جائے۔'' وما النصر إلا من عند الله وما ذالک علی الله بعزیز''۔

۷- ہم فی سبیل اللہ میں تعمیم کے قائل نہیں اور اس کے دائرہ میں غزوہ و جہاد اور حد سے حدحج کے علاوہ کسی اور کام کو داخل نہیں سمجھتے اور اس نظریہ کے جو دلائل سوال نامہ میں موجود ہیں وہ کافی مضبوط اور ٹھوس ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱- فی سبیل اللہ جب کتاب وسنت میں بولا جاتا ہے تو جہاد وغزوہ ہی مراد ہوتا ہے۔

۲- حدیث: ''لا تحل الصدقة لغنی إلا لخمسة لغاز فی سبیل الله أولعامل علیها أولغارم أولرجل إشتراها بماله أولرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فأهدی المسکین للغنی''۔

۳- جمہور فقہاء و مجتہدین کا قول خود ایک بین دلیل ہے۔

اور اس نظریہ کی وضاحت تنبیہ کے تحت کی گئی ہے۔

اور اگر اس مصداق کی تعیین کے سلسلہ میں مختلف اقوال کے دلائل کا محاکمہ وموازنہ شروع کیا جائے تو کافی طویل تحریر ہو جائے گی اور سر دست طوالت سے احتراز ضروری ہے۔

ان میں دونوں فضلاء نے ایک دوسرے کے دلائل کا کافی تفصیلی جائزہ لیا ہے جب کہ اول الذکر نظریہ زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

دلائل کے موازنہ ومحاکمہ کا جائزہ ان مقالات میں لیا جاسکتا ہے۔

ضمیمہ :

۱- الف: اگر شیرز بہ حیثیت تجارت ہیں تو اصل مارکیٹ قیمت اور آمدنی دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس صورت میں اخراجات وضع کرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی، چونکہ یہ اسباب تجارت کے حکم میں ہے۔

Marfat.com

اسی طرح جب شیرز کو مسلسل جب بیچا اور خریدا جاتا رہے تو موجود شیرز کی بازاری قیمت اساس قرار دی جائے گی۔

ب- اور اگر شیرز کو زیادہ مدت تک اپنے پاس رکھا تو زکوٰۃ صرف ہونے والی آمدنی پر واجب ہوگی اور اخراجات منہا نہیں کئے جائیں گے، چونکہ زیادہ دنوں تک شیرز اپنے پاس رکھنے سے ان پر اموال ثابتہ کا حکم لگے گا، جیسے آراضی وغیرہ تو آراضی کی محض پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور پوری پیداوار کی زکوٰۃ اخراجات منہا کئے بغیر دی جاتی ہے۔ "کما فی الدر المختار بلارفع مؤن الزرع" (باب العشر) تو گویا مقیس علیہ کا حکم مقیس پر متعدی کیا گیا۔

ج- اگر شیرز ہولڈر کافی عرصہ تک اپنے پاس شیرز رکھنے کے بعد بیچنے پر مجبور ہوتا ہے تو دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اسباب تجارت کی طرح بیچتا ہے اور خریدتا ہے اس صورت میں شیئرز کی اصل قیمت اور اضافی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اگر بالکلیہ بیچ دیتا ہے تو اب مجموعی رقم پر بہ حساب نقدین زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲- الف: کاروباری ادارہ سے ہوئے نفع اور موجودہ اسٹاک کی اصل لاگت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ب- افزائشی جانوروں کے بارے میں یہ درست ہے کہ اگر جانوروں کی خرید وفروخت ہوتی ہے تو موجودہ جانوروں کی بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اگر جانوروں سے حاصل شدہ اشیاء کی خرید وفروخت ہے، جیسے دودھ، انڈے تو ان اشیاء پر زکوٰۃ ہوگی، اصل جانوروں پر نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ جانور بھی اموال ثابتہ کے حکم میں ہیں۔

۳- الف: شخصی اخراجات کی تحدید کے لئے کوئی معیار مقرر کرنا دشوار ہے۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں شریعت نے اہل اسلام کو جو عمومی تعلیمات دی ہے اور دنیوی زندگانی کے جو حقائق ترغیبی انداز میں بیان کیا ہے بذاتِ خود تعلیمات ہر فرد کو اپنے ذاتی اخراجات کے سلسلہ میں مینارۂ نور کا کام دیتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی قانونی معیار مقرر کرنا مشکل ہے۔

ب- ہندوستانی حالات وقوانین کے پیش نظر حکومت کی سیکورٹیز بانڈز میں اور کمپنیوں کے فکسڈ ڈپازٹ میں سرمایہ کاری کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن ان پر حکومت وکمپنیز کی طرف سے ملنے والے سود کا بلاشبہ استعمال درست نہ ہوگا۔ اپنی املاک ودولت کی حفاظت کی ضرورت کی بنیاد پر یہ اجازت ہے، ان پر ملنے والے سود بلانیت اجر واجب التصدق ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

مجالسِ مفتیِ اعظمؒ

مرتب: مفتی عبدالرؤف سکھروی

وہ مفید اور کارآمد ملفوظات جو کہ مفتی صاحبؒ نے حکیم الامتؒ کی مجلس میں رہ کر اپنی یادداشت میں محفوظ کیے تھے اسی کے ساتھ وہ ملفوظات جو کہ احسن العزیزی میں تحریر تھے پھر انہیں ملفوظات میں لوگوں کی مشکلات کے عقدے حل کیے جاتے تھے، ایسے نادر و نایاب دین کے اسرار و معارف کے تذکرے کہ ایک مرتبہ قاری جب اس کتاب کو شروع کر دے تو ایک ہی مجلس میں پوری کتاب پڑھنے کو دل چاہے، سالہا سال تک مجلس میں حاضر رہنے والے؛ بلکہ ملفوظات پڑھنے کی خدمت انجام دینے والے جناب مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی کی عرق ریز کاوشوں کا دلفریب اور اچھوتے انداز کا ایک نیا شاہکار۔

عمدہ کاغذ، بہترین طباعت، خوبصورت اور پائیدار جلد۔

عصمتِ انبیاء اور مولانا مودودی

انبیاء علیہ السلام کی ذاتِ گرامی انسانیت کا نقطہ معراج ہے لیکن ماضی قریب میں مولانا مودودی صاحب کا قلم ان کی عصمت کے خلاف اور زور سے اٹھا کہ الامان! اس کتاب میں عقیدہ صاف طور سے واضح کر دیا گیا ہے۔

نجات المسلمین

تالیف: مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اس کتاب میں ایسے خاص اور ضروری اعمال جمع کر دیے گئے کہ ان کو مسلمانوں کے مصائب و آفات اور دینی و دنیوی بدحالی کے دور کرنے میں خاصی مدد ملے گی، آج ہر سو گناہوں کے دریا ابل رہے ہیں اور ابتلائے عام ہے ان سے بچنے کی فکر و تدبیر کرنے میں دیر ضرور لگے گی مگر اس رسالے کے مطالعہ کی مدد سے یقین کامل ہے کہ مسلمان کسی حد تک گناہوں سے دور رہ سکیں گے۔

Marfat.com

حکایاتِ اولیاء

تالیف: مولانا اشرف علی تھانویؒ

زمانۂ سلف سے یہ معمول جاری ہے کہ بزرگوں کی حکایات وملفوظات اور حالات کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اس موضوع پر بے شمار کتابیں ملیں گی، اور ہمیشہ حضرات مشائخ طالبین کو ان کے مطالعہ کی ترغیب وتاکید فرماتے رہے، یہ کتاب حکایاتِ اولیاء ہی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں بہت سے بزرگوں کے واقعات درج ہیں، حسب تجویز حضرت حکیم الامتؒ اس کتاب کا نام ارواحِ ثلاثہ بھی رکھا گیا۔

حق تعالیٰ اس کتاب کو ناظرین کے لئے سببِ خیر بنائے اور ان بزرگوں کے فیوض وبرکات سے مستفیض بھی، جن کے واقعات اس میں درج ہیں اور ان کے اقوال واعمال اور احوال کا تابع اور اپنی امت کی چاشنی سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ عمدہ پائیدار جلد، بہتری کاغذ۔

حجیتِ حدیث

تالیف: مولانا محمد تقی عثمانی

مصنف نے اپنے ایک مقالے میں ایک طرف سنت کی اہمیت ثابت کی ہے اور شریعت میں اس کے صحیح مقام کی نشاندہی کی ہے۔

دوسری طرف ان شکوک وشبہات اور مغالطوں کا تسلی بخش جواب دیا ہے جو منکرین حدیث کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں۔

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

Marfat.com

جدید فقہی تحقیقات
۵

مصرف زکوۃ
فی سبیل اللہ

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار مؤرخہ ۳۰؍اکتوبر تا ۲؍نومبر ۱۹۹۲ء منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں پیش کئے جانے والے علمی وتحقیقی مقالات، مباحثات اور مناقشات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

Marfat.com